

پاکستان آزادی سالگرہ

خواتین کی تعلیم اور ترقی کے لیے ایک نیا دور

یہاں دیکھیں

AUGUST
2011

PDFBOOKSFREE.PK



پاکستان
آزادی سالگرہ
2011

ملاقات

ڈاکٹر عائشہ ۳۰

صالحہ محمود

عجب دل لگی
زندگی چار دنوں کیثنا اے ۱۰۶
اقراء چنے ۱۷۶

افسانے

سلسلے وار ناول

ایسا کیوں ہوتا ہے
شیرین اسلام الدین ۸۱
تجھ سے ہی محبت ہوئی تھی
کشش خان ۱۲۵
انتہائے عشق
منزہ فدا ۱۹۰کبھی عشق ہو تو پتہ چلے
شازیہ مصطفیٰ ۳۶
سب اس گل ۸۴
سائنس سرک اور سکوت
نانکھ طارق ۱۳۴

مکمل ناہل

سرکش
اس دل میں بے ہوش
نانکھ طارق ۵۶
انعم خان ۱۵۲اگست 2011ء
جلد نمبر 16 شمارہ نمبر 8
قیمت 50 روپے

زرد سائنس بذر یقین رجسٹری

500 روپے



34535726

پبلشر وائیڈ بیئر صالحہ محمود نے سٹی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ ڈی بلاک - 2 - پی - ای - سی - ایچ - سوسائٹی، کراچی

انتباہ:-

ماہنامہ "رواد" اگست میں شائع ہونے والی برقر کے حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل یا ڈی وی ڈی یا دیگر ذرائع پر شائع کرنا کسی بھی ذیل کی اشاعت پر ادارہ مجری کی اہلیت آئی آر جی کر کے اس لئے پبلشر سے اجازت لینا ضروری ہے ادارہ "رواد" نہیں ہے۔

روائے جنت
بس ایک نظر میں
ردا کی ڈائری
ذرا پھر سے کہنا
خوشبو
اس ماہ میں

صالحہ محمود ۲۸ گوشہ چشم
ادارہ ۲۰۰ سندیسے
صدف سعد ۲۱۳ کچن
شہلا مشائق ۲۲۲ سنگھار
شائستہ زاہد ۲۱۹ اشعار
شائستہ زاہد ۲۱۶ باتیں صحت کی

صالحہ محمود ۲۳۳
صالحہ محمود ۲۲۷
ثریا اقبال ۲۳۶
شہلا مشائق ۲۴۰
ادارہ ۲۱۵
ادارہ ۲۳۵

قسم کے ہولناکیاں
آئیڈیل کی لہجہ
0301-7283296
0334-9630011





وقت اتنا سہل نہیں ہوتا لیکن یہ بھی طے شدہ بات ہے کہ یقین تمام راستوں کو سہل تر بنا دیتا ہے کل کا یقین آج کی میری کامیابی ہے۔ ردا کے ساتھ لمحہ بہ لمحہ وہ پل جو بیت گئے سب یاد رہ گئے زندگی کی دشواریاں بھی سمٹ گئیں آنے والے کل نے بہت کچھ سکھا دیا آپ کی محبتوں نے دامن بھر دیا۔ زندگی کے یہ انمول خزانے جس سے کسی بھی انسان کے عزم و ہمت کی کہانی بنتی ہے۔ ردا کی بھی کہانیاں 12 سال پر محیط ہیں۔ وہ لوگ جن سے میں پہلی بار ملی تھی پہلی وزٹ میں انہی لوگوں نے ردا کیلئے تعاون کیا تھا۔ وہ چہرے مجھے تو یاد ہیں ان کا تعاون آج بھی اشتہارات کی صورت میں قائم ہے یہ بہت بڑی بات ہے۔ ردا کی کامیابی اپنی بے تحاشہ مصروفیات آپ کا وہ محبت بھرا تعاون نے رائے رز کی وہ بھاگ دوڑ کہ وہ سمجھتے تھے کہ افسانہ لکھ کر کچھ کامیابی حاصل کر لیں گے۔ وہ بچیاں جو ہر روز فون کا لڑا ملاقات کرتی رہتی تھیں ان کے زندگی کے وہ مسائل جو گھر سے کہانی لے کر ہمارے پاس آتی تھیں میں انہیں کل کی طرح آج بھی یہ کہتی رہتی ہوں..... حصول علم آپ کی کامیابی ہے درگاہوں کی بجائے آپ پرائیویٹ علم حاصل کریں درس و تدریس باعزت پیشہ ہے کنگ سلائی کو کنگ کریں آپ زندگی گزارنے کا یہی ایک آسان راستہ ہے۔ الحمد للہ کہ میں اپنے مقصد میں ہمیشہ کامیاب رہی۔ بہت ساری بچیاں آج خواتین کے روپ میں ہیں اساتذہ کا کام انجام دے رہی ہیں ہمیشہ ہنس کر فون کا لڑ کر کے کہتی ہیں..... میڈم آپ نے مجھے بالکل صحیح سمت بتادی۔ میں نے بڑی خاموشی سے پرائیویٹ رجسٹریشن کروا کے جب گریجویشن کر لی تو سب کو بڑی حیرت ہوئی اور میں بہت کا فیڈنٹ خود کو فیل کرتی ہوں۔ کہاں میں ہر وقت سوسائٹڈ کرنے کے بارے میں سوچتی رہتی تھی اور آپ سب کو یاد ہو گا کہ میں اپنے ہر کالم میں سوسائٹڈ کے خوفناک انجام کے بارے میں آگاہ کرتی رہتی تھی۔ ہر افسانہ کسی بھی نئے رائٹر کا ہو اس کا اینڈ خود کشی پر ختم ہوتا تھا۔ میں نے انہیں ایک نیا پلیٹ فارم دیا ان کی سوچ کو میں نے بدل دیا۔ میں آج بھی اس بات پر یقین رکھتی ہوں میں کچھ بھی نہ سہی پھر بھی سانس لیتی ہوں۔ زندگی سہل بنانے کا یہ نادر نسخہ نئے لکھنے پڑھنے والے نیو جرنیشن سے یہی امید رکھتی ہوں کہ وہ ردا پڑھیں انہیں میری سوچ بدل دے گی۔ زندگی اتنی آسان نہیں ہے کچھ دشواریاں بھی ہیں ان دشواریوں کا راستہ حصول علم ہے۔ علم سیکھنے دوسروں کو پڑھائیے کامیابی آپ کے قدم چوم لے گی زندگی آپ کو مایوس نہیں کرے گی کچھ دے کر جائیگی۔

میرے شب و روز میں آباد رہنے والوں مجھے پڑھنے والوں بس یہی ایک بات تھی گئے برس کی کہ جو کہہ دینی تھی سو

کہہ دیا اور وقت گزر گیا یوں تو 14 اگست ردا کی سالگرہ کا دن ہے ہماری آزادی کا دن ہماری پہچان کا دن کہ ہم پاکستانی ہیں۔ ہمیں پاکستان کو مضبوط بنانے کیلئے علم حاصل کرنا ہے اس جہالت کو مٹانا ہے ہمارے ساتھ رہنے اپنی تحریک کے ساتھ زندگی کو اور ہر کیف با معنی بنانے کیلئے اپنے دین سے قریب تر ہو جائیے۔ ماہ رمضان آن پہنچا ہے۔ اگست کا شمار آپ کو جولائی کے ماہ میں مل جائے گا۔ آپ اپنی ضروریات زندگی کی تمام چیزیں رمضان سے پہلے حاصل کر لیں۔ ماہ رمضان صرف آپ کی عبادت اور آپ کا مہینہ ہے آپ ارد گرد دوسروں کی بھی خوشیوں کا خیال رکھیں جو آپ سے وابستہ ہیں ان کا خیال رکھیں جو آپ سے دور ہیں ان سے محبت کا اظہار کیجیے۔ اپنے والدین کو زیادہ سے زیادہ احترام و محبت دیں یہ انمول خزانہ آپ کی زندگی کا سرمایہ ہے۔ ماں باپ بہت بڑی دولت ہیں یہ ہر ایک کا حصہ نہیں بنتی۔ آپ لکھنے یا پڑھنے زندگی کے مقصد کو مت بھولیں۔ کسی بھی افسانہ ناولٹ لکھتے وقت زندگی کے ایک پہلو پر نظر رکھیں اس بجیکٹ پر لکھیں جس کی ہمارے معاشرے میں کمی ہے۔

بہت ساری محبتوں کے ساتھ کہ اگست میں آپ صرف ہمیں پڑھنا چاہتی ہیں باوجود کوشش کے میں اس بار بھی نیا ناول نہیں دے سکی۔ رات کے پل گزر رہے ہیں۔ ادارے لکھنے کے بعد یہ کاپی چلی جائے گی لیکن ان یادوں کا کیا کروں جو اس وقت مدھم روشنی میں ہمارے ساتھ ساتھ ہیں۔ بے جان سی ڈائریاں میری گزری رفاقتوں کی امین ہیں کہ آپ سب نے مجھے بہت چاہا اور بہت عزت دی۔ یہ سب ہمارے نصیب کا ایک حصہ تھا جو قدرت نے سمیٹ کر رکھ دیا تھا اور وہ پھر مل گیا۔ سینکڑوں رائٹرز جو ایک افسانہ و افسانے لکھنے کے بعد ردا سے رابطہ نہ رکھ سکے ہمیں تو وہ بھی یاد ہیں سب کچھ ذرا ذرا۔ آپ کا شکوہ کہ میں پہلی جیسی نہیں رہی ہوں ہر گز ایسا نہیں ہے کل اور آج میں فرق ہے میں وہی ہوں آپ کی آپنی۔ آپ اگست کا شمار پڑھنے ہمارا ایک بہت پرانا سلسلہ ”بس ایک نظر میں“ جس کو تمام ڈائجسٹ کاپی کرتے رہے آپ ہمیں انفارم بھی کرتی رہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کہانی ایک ہوتی ہے اس کو لکھنے والے لوگ اپنے اپنے انداز میں لکھتے ہیں۔

اگست کا شمار آپ کیلئے بہت ساری خوشیاں لے کر آئے گا۔ ردا کی پذیرائی میں آپ سب کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ اگر آپ کا ساتھ نہ ہوتا ہر گز ہر گز اتنا توانا مضبوط پاکستان میں جگہ جگہ بیرون ملک میں پڑھا جانے والا نیو جرنیشن کا پہلا پرچہ جس نے اپنی مثال آپ کر دکھائی وہ ردا ہے آپ کا اپنا ردا۔ یہ سوچ کر اس میں لکھنے کہ یہ آپ کا اپنا پرچہ ہے کسی غیر کا نہیں۔ اس میں براہ راست آپ کی آپنی انوالو ہوتی ہے اور میں اپنی تمام رائٹرز کا جو سلسلہ دار لکھتی ہیں ان سے میں بے حد محبت اور پیار کرتی ہوں ان کے لکھنے کے سلسلوں نے ہمیں ایک دوسرے سے جوڑ رکھا ہے۔ آپ سب کو ذہیروں رمضان کی مبارکباد۔ جشن آزادی کے خوبصورت لمحوں کا پیار آپ کی کامیابی اور آپ کی محبتوں پاپتوں دعاؤں کے ساتھ کہ آپ کی آپنی کو آپ کی ضرورت ہے میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ (آپ کی آپنی صالحہ محمود)

ماہِ صیام اور رحمت و مغفرت کی نوید

رمضان المبارک اسلامی سال کا نواں مہینہ ہے۔ اسی مہینے میں مکہ معظمہ فتح کر کے سرور کائنات اپنے تقریباً دس ہزار صحابہ کرامؓ کے ساتھ مکہ معظمہ میں تشریف لائے۔ یہ مہینہ بڑی ہی برکتوں والا ہے کیونکہ اس ماہ میں اللہ رب العزت نے اپنے لافانی کلام قرآن مجید کو نازل کیا۔ ارشاد خداوندی ہے: ”رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل ہوا“۔ (سورۃ البقرہ)

روایات سے پتا چلتا ہے کہ قرآن مجید فرقان حمید کا ہی نہیں بلکہ دیگر آسمانی کتب کا نزول بھی رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں ہوا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ”صحف ابراہیمؑ تو رات زبور اور انجیل یہ سب رمضان المبارک ہی میں نازل ہوئے“۔ اس مہینے کے بابرکت اور اس میں دعاؤں کے قبول ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے چنانچہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”شعبان المعظم میرا مہینہ ہے اور رمضان المبارک اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے“۔ اس سے آپ اس ماہ کے تقدس اور برکت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس کے بابرکت ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس ماہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہم پر روزے فرض کیے اور یہ اعزاز باقی مہینوں میں سے کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں ارشاد فرماتا ہے:

”سو جو کوئی تم میں سے اس مہینے (رمضان المبارک) کو پائے تو ضرور اس کے روزے رکھے“۔ (سورۃ البقرہ)

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”اگر لوگوں کو روزہ رکھنے کی حقیقت (فضیلت) معلوم ہو جائے تو میری امت یہ تمنا کرنے لگے کہ پورا سال ہی رمضان المبارک رہے“۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: ”جب رمضان المبارک آتا تو حضور ﷺ کا رنگ تبدیل ہو جاتا اور نماز میں اضافہ ہو جاتا اور دعا میں بڑی عاجزی فرماتے اور خوفِ خدا غالب ہو جاتا“۔

رمضان المبارک کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ اس ماہ کے آخری عشرے میں ایک رات ایسی ہے کہ جو ہزار مہینوں سے بھی افضل ہے جس کا نام شب قدر ہے اور یہی نہیں بلکہ وہ رات ایسی بابرکت اور فضیلت والی ہے کہ اس مبارک رات میں اللہ پاک نے اپنا ابدی اور لافانی کلام قرآن مجید فرقان حمید نازل کیا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”ہم نے اسے شب قدر میں اتارا اور آپ نے کیا سمجھا کہ کیا ہے شب قدر۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس میں اپنے رب کے حکم سے روح القدس اور فرشتے اترتے ہیں“۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے رمضان المبارک کے قریب ارشاد فرمایا: ”رمضان کا مہینہ آگیا ہے جو بڑی برکتوں والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مہینے میں تمہاری

طرف توجہ دیتا ہے اور اپنی خاص رحمت نازل فرماتا ہے“۔ ملاؤں کو حاف فرماتا ہے دعا کو قبول فرماتا ہے اور تمہاری نیلیوں کی حرص کو دیکھتا ہے اور ملائکہ سے فخر کرتا ہے۔ بد نصیب ہے وہ شخص جو اس مہینے میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہ جائے“۔

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ہلاک ہوا وہ شخص جس نے رمضان المبارک کا مہینہ پایا اور پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی“۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”جو شخص رمضان المبارک کا ایک روزہ بغیر شرعی عذر کے نہ رکھے تو تمام عمر کے روزے رکھنا بھی اس کا بدل نہیں ہو سکتے“۔ رمضان المبارک صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے اور یہ باہمی رواداری اور غم خواری کا مہینہ ہے۔ اس ماہ کی برکت سے مومن کے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کا پہلا عشرہ رحمت دوسرا مغفرت اور تیسرا دوزخ سے آزادی کا ہے۔ اس ماہ میں کلمہ طیبہ اور استغفار کی کثرت سے اپنے رب کو راضی کر لو جنت کی طلب کرو اور جہنم سے پناہ مانگو۔ جو شخص کسی روزے دار کو پانی پلائے گا تو قیامت کے دن اللہ باری تعالیٰ اسے حوض کوثر سے ایسا پانی پلائے گا کہ اس کے بعد جنت میں داخل ہونے تک اسے پیاس نہیں لگے گی۔ رمضان المبارک میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں۔ روزے داروں کو ایک خاص دروازہ ”ریان“ سے جنت میں داخل کیا جائے گا جس سے اور کوئی داخل نہ ہو سکے گا۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا اور روزہ ایک ڈھال ہے۔ روزے دار کے

منہ کی بوائے تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پاک ہے۔ روزے دار کیلئے خوشی کے دو اوقات ہیں۔ ایک تو دنیا میں افطار کا وقت اور دوسرا آخرت میں اپنے رب سے ملاقات کا وقت۔

ارشاد نبوی ﷺ کے مطابق رمضان المبارک میں ہر نفل کام کا ثواب فرض کے برابر ہوتا ہے یعنی رمضان المبارک میں نفل کا ثواب عام دنوں میں فرض عمل کرنے کے برابر ہوتا ہے۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ پھر رمضان المبارک میں فرائض ادا کرنے کا ثواب کس قدر ہوگا۔ قیامت کے دن روزہ اور قرآن مجید بندے کی شفاعت کریں گے اور اللہ پاک ان کی شفاعت کو قبول و منظور فرمائے گا۔ قرآن مجید اور رمضان المبارک کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے لہذا رمضان المبارک میں کام پاک کی خوب تلاوت کرنی چاہیے تاکہ یہ دونوں قیامت کے روز ہماری شفاعت کریں۔ جو شخص اس ماہ مبارک کے روزے ایمان کی حالت میں بغیر ریاکاری کے ثواب کی نیت سے رکھے تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ ہر چیز کی ایک زکوٰۃ ہوتی ہے اسی طرح روزہ جسم کی زکوٰۃ ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ایک روزہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ جہنم اور روزے دار کے درمیان سو برس کا فاصلہ پیدا فرما دیتا ہے۔ روزے دار کا سونا بھی عبادت ہے اور خاموش رہنا تسبیح کرنے کے برابر ہے۔ اس کیلئے فرشتے دن رات اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ روزے دار کیلئے اللہ تعالیٰ جنت کو آراستہ ہونے کا حکم فرماتا ہے۔ رمضان المبارک کی آخری رات میں اللہ رب العزت روزے داروں کو بخش دیتا ہے۔

☆☆☆



صالحہ محمود

س: آپ کا پورا نام کیا ہے؟

ج: وردی والے باپ کی بیٹی ہوں۔ صالحہ باسط مجھے کہتے تھے۔ یہی نام زمانہ طالب علمی سے لے کر آج تک میری پہچان بنا۔ مسافر کا نام جب ساتھ لگا تو میں صالحہ محمود کہا جانے لگی لیکن لوگ مجھے آج بھی پرانے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔

س: لکھنے کا شوق کس طرح پیدا ہوا؟

ج: لکھنے کا شوق شاید قدرت نے میری گھٹی میں ڈال دیا تھا۔ زمانہ طالب علمی میں بچوں کی کہانیاں لکھا کرتی یا پھر گھر میں بیٹھ کر کسی ضعیف خاتون سے یا کام کرنے والوں کے گھروں میں جا کر ان سے پریوں اور جنوں کی کہانیاں سنا کرتی۔ اکثر مجھے اس بات پر ڈانٹ بھی پڑتی تھی مگر سرشت میں خمار گندم شامل تھا۔ پھر اچانک زندگی میں پہلی بار ایک انقلاب آیا۔ پھر نے مجھے بلا کر پوچھا ”کیا تم سلیم باسط کی بہن ہو؟“ میں نے کہا ”نہیں“۔ پھر میرے مضمون ”سمندر“ کی بے حد تعریف کی اور کہا ”میں اس کو میگزین کے لئے سلیکٹ کر چکی ہوں میڈم نے آپ کو بلایا ہے۔“ وہاں جواب طلبی تھی ”کیا واقعی یہ آپ نے لکھا ہے؟ کہیں سے نقل تو نہیں کی؟ اگر ایسا ہے تو اس کی سزا ملے گی۔“ وہاں پر مجھے پہلی بار یقین ملا میں لکھ سکتی ہوں۔

س: لکھنے کی ابتدا کہاں سے کی؟

ج: میں نے ابتدا اخبار جنگ میں بچوں کے صفحے

س: سلسلہ وار کہانی لکھتے لکھتے بیچ میں ایک بار غائب بھی ہو گئی۔ ظفر بھائی جان مجھے ڈھونڈتے رہ گئے اور یوں میں اس کہانی کا انجام نہ لکھ سکی۔ بس لکھنے کا ایک سلسلہ تھا جو چلتا چلا گیا۔ یہ زندگی کا بہت خوبصورت دور تھا۔ ایک طالب علم جلیل سلاسل کسی کالج یونین کے صدر تھے۔ انہوں نے ایک ادبی تنظیم بنائی تھی۔ تنظیم کی طرف سے ہونے والے فنکشنز میں لکھنے والوں میں سب سے زیادہ نمبر لے کر میں سرفہرست تھی۔ میرا نام پکارا گیا تو میں غائب۔ گھر سے جانے کی اجازت نہ مل سکی تھی۔

س: انسپائریشن کس سے ملی؟

ج: پڑھنے کا شوق اور انسپائریشن مجھے اپنے گھر سے ملی۔ ہمارے بڑے بھائی ڈاکٹر عزیز صدیقی بہت اونچا ادب پڑھنے والوں میں سے ہیں۔ ان کی لائبریری کی کوئی بھی کتاب ایسی نہ تھی جو میں نے نہ پڑھی ہو۔ ابھی وقت کی رفتار تھی بھی نہ تھی کہ زندگی کا ایک دوسرا دور شروع ہو گیا۔ یعنی میں صالحہ باسط سے صالحہ محمود بن چکی تھی۔ میرا زیادہ تر وقت پاکستان سے باہر رہ کر گزارنے لگا۔ کبھی کبھی ”کبھی کہیں“ دیار غیر میں رہتے ہوئے اشاعت کا سلسلہ تو بند ہو گیا تھا مگر لکھنے کا سلسلہ بند نہ ہوسکا اور آخر ایک دن تنگ آ کر میں نے اپنی ڈائری میں لکھا تھا۔

”کیسا یہ میرا عشق تھا مرنے کے بعد بھی

کاندھوں کا بوجھ بن کے مجھے ڈھونڈتا رہا“

میں تھے اور قلم تھا۔ کئی مسلسل ناول میں نے لکھا۔ کسی چرچ میں یا یونائیٹڈ گارڈن میں بیٹھ کر لکھتا ہوں۔

س: ردا کے اجراء کا خیال کیسے آیا؟ ردا کا بنیادی مقصد کیا ہے؟

ج: میرا اشد مقصد مواد تقریباً سات کتابوں پر مشتمل ہے۔ لیکن مجھے کبھی اشاعت کا خیال ہی نہیں آیا۔ جب

تہذیبی نے ہمیں بہت فاصلے پر کر دیا۔ شاید قدرت خود مجھ سے کوئی کام لینا چاہتی تھی یوں ردا کی بنیاد پڑی یا یوں کہہ لیں کہ لکھنے والوں کی ضرورت کے تحت میں نے اس کا اجراء کیا اور میں اللہ تعالیٰ کی بے حد شکر گزار ہوں کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب رہی ہوں۔ اس کی مقبولیت بنگ جزیشن میں پھیل چکی ہے۔ سرکولیشن بھی اسی رفتار سے بڑھ رہی ہے۔ میرے خدا نے مجھے میری اوقات



س: بڑھ کر نوازا ہے۔

ردا میں نے صرف اور صرف ردا گائیڈ کارنر کی حیثیت سے روشناس کروایا ہے۔ جہاں پر ہر نئے لکھنے والے کو میں ایک بار ضرور موقع دیتی ہوں کہ اس کے اندر کی صلاحیتیں ابھر کر سامنے آئیں۔

س: آج کی پاکستانی عورت کا کیا مقام ہے آپ کی

ایک ٹھکانے پر یعنی اپنے وطن لوٹی تو یہاں پر ادبی گروہ بندیاں نظریاتی اختلافات زوروں پر تھے ایک ماہنامے سے میری وابستگی زمانہ طالب علمی سے تھی جہاں مجھے Bound Writer کی حیثیت سے رکھا گیا تھا۔ میری ذاتی زندگی اس حد تک تھی کہ اکثر میں بیرون ممالک سے افسانے نگارین غزلیں بھیجا کرتی۔ لیکن نظریات کی

نظر میں؟

ج: میں ہر لکھنے والے کی طرح ایک عام سی لکھنے والی عورت ہوں۔ ہمارے ادارے میں صرف خواتین کام کرتی ہیں۔ مجھے محنت کرنے والی عورت بہت اٹریکٹ کرتی ہے۔ خواہ وہ گھر میں بچوں کی دیکھ بھال کرنے والی عورت ہو یا کھیتوں اور فیکٹری میں کام کرنے والی عورت۔ جدوجہد کرنیوالی عورت میری آئیڈل ہے۔

س: آپ کا پسندیدہ شعبہ؟

ج: مجھے تدریسی شعبے نے متاثر کیا ہے۔ اساتذہ کو ہلڑکی کے لئے انسپائریشن ہونا چاہیے۔ نیچر بن کر ماحول اور معاشرے کو تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ معاشی مسائل نیوٹن پڑھا کر بھی حل کئے جاسکتے ہیں۔ حسن اور خوبصورتی میرے قلم کے اہم جز نہیں۔ بلکہ ایک اہم کردار ادا کرنے والی وہ لڑکی ہے جو اپنی فکر و عمل سے معاشرے میں بہت ساری تبدیلیاں لاتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی تکلیف دہ باتوں پر خودکشی کا رجحان ختم کرنا اور علم عام کرنا۔ اس طرح سے ایک مضبوط ستون قلم کی گرفت میں ہوتا ہے۔

س: کیا آپ کی کہانیوں کے کردار آپ کے تخیل کی پیداوار ہوتے ہیں یا جیتے جاگتے انسان؟

ج: میری کوئی بھی کہانی خیالی نہیں ہوتی ہے۔ بچپن سے لے کر آج تک بننے والے خیالات بھی خود بخود ایک کردار کڑی ایٹ کرتے ہیں۔ مجھے کبھی خیالی کہانی لکھنے کا خیال بھی نہیں آیا۔ جب لکھنے بیٹھتی ہوں تو بہت سے کردار خود بخود میرے ارد گرد آکر بیٹھ جاتے ہیں اور پھر قلم کی رفتار یا میرا ذہن لگاؤ اس طرف مائل ہو جاتا ہے۔

س: آپ کی آئیڈل شخصیت؟

ج: آئیڈل انٹرنیشن میں مجھے میری ماں سب سے زیادہ پسند تھیں۔ مجھے ان سے عشق تھا۔ میں آج بھی ان

کے بغیر خود کو کمزور محسوس کرتی ہوں۔

س: تعلیمی سلسلہ کیا رہا؟

ج: گریجویشن میں نے ویمنز کالج فریئر روڈ سے کیا۔ گریجویشن سے پہلے ہی میری انجمنٹ اور پھر شادی کر دی گئی مگر تعلیمی سلسلہ میں نے جاری رکھا شادی کے بعد انگلش لٹریچر میں ایم اے کر رہی تھی مگر کپیٹ نہ کر سکی۔

س: آپ کی زندگی کا یادگار لمحہ؟

ج: ردا کی بھرپور کامیابی جس کا مجھے یقین بھی نہیں تھا کہ اس تیز رفتار سے اس کی سرکولیشن میں اضافہ ہوگا اور بیرون ممالک بھی اس کی ڈیمانڈ بڑھے گی۔

س: آپ کے پسندیدہ مصنف؟

ج: ایم سلطانہ فخر کو پڑھ کر میں نے لکھنا سیکھا۔ ان کی ہر تحریر مجھے بے حد پسند تھی اور آج بھی میں ان کی پرانی تحریریں نکال کر پڑھتی ہوں۔ ان کے علاوہ بشری رحمن، بانو قدسیہ، شفیق الرحمن۔

س: تقدیر پر بھروسہ کرتی ہیں یا تدبیر پر؟

ج: تقدیر پر ہی بھروسہ کرتی ہوں اور یہیں پر مجھے صبر اور یقین آ گیا ورنہ شاید میرا زندہ رہنا بہت مشکل ہو جاتا زندگی کا ایک لمحہ ایک ایک سانس انسان کا اس کی تقدیر کے ہر پہلو سے منسلک ہے تاہم تدبیر کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔

س: محبت کیا ہے آپ کی نظر میں؟

ج: محبت کے بغیر زندگی نامکمل ہے۔ کسی بھی شے میں کوئی تضاد اسل ہی نہیں مل سکتا جب تک محبت نہ ہو۔ محبت کا ایک وسیع لامحدود سلسلہ ہے جو ازل سے لے کر اب تک پھیلا ہوا ہے۔ محبت پوری کائنات پر محیط ایک الوہی جذبہ ہے جس میں یہ کائنات سانس لے رہی ہے۔

س: آپ مستقل مزاج ہیں یا موڈی؟

ردا ڈائجسٹ 32 اگست 2011ء

ج: میں مستقل مزاج ہوں۔ جب تک ایک کام ختم نہ کر لوں سچ میں کوئی دوسرا کام نہیں کر سکتی۔ یہ مستقل مزاجی کی اہم خصوصیت ہے۔

س: خوابوں پر یقین رکھتی ہیں؟ کوئی خواب جو سچ ثابت ہوا؟

ج: ہمیشہ میرے خواب سچ ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن ہر ایک کو اپنا خواب نہیں بنانا چاہیے کیونکہ بتانے والا جو بھی تعبیر دے گا وہی خواب کی تعبیر ہو جائے گی۔ اس لئے بہت محتاط رہنا چاہیے۔

س: بچپن کیسا گزرا؟ بچپن کی کوئی یادگار شرارت؟

ج: بچپن بہت خوبصورت گزرا۔ میں اور چھوٹی بہن شفو بے حد شرارتیں کرتے تھے۔ محلے کی ایک بوڑھی خاتون بی بی جنہیں ان کی بہو ستایا کرتی تھی اور وہ مجذب ہو گئی تھیں۔ انہیں ہم اکثر بے وقوف بناتے۔ اکثر ہم پر حال آیا کرتے ہم لوگ نت نئی فرمائشیں کرتے اور وہ ڈھول بجا کر ہماری فرمائشیں پوری کرتیں اور چھپائی ہوئی چیزیں ان کی فرمائش پر انہیں دیا کرتے۔ ہر بار وہ بے وقوف بن جاتیں۔ جب اماں کو خبر ہوتی تو وہ ہمیں ڈانٹتیں یوں بھانڈا پھوٹ جاتا۔

س: غصہ کن باتوں پر آتا ہے؟ غصے کا اظہار کس طرح کرتی ہیں؟

ج: غصہ مجھے بہت کم آتا ہے مگر جب آتا ہے تو سامنے والے کا بھگوان بھلا کر دے۔

س: پہلی ملاقات میں سامنے والے کی شخصیت کے کس پہلو کا جائزہ لیتی ہیں؟

ج: میں خاموشی سے بیٹھ کر اسے بولنے کا موقع دیتی ہوں۔ پوری شخصیت خود ہی سامنے آ جاتی ہے۔ بقول کنفیوشس ”شیریں زبانیں اور خوبصورت چہرے

دھوکا ہوتے ہیں“ سو میں انسان کو سمجھنے کی تھوڑی بہت صلاحیت رکھتی ہوں۔

س: خوبصورت متاثر کرتی ہے یا خوب سیرتی؟

ج: خوب سیرتی۔

س: کوئی شعر یا نغمہ جو آپ کو بے حد پسند ہو؟

ج: ایک شعر جو مجھے بے حد پسند ہے۔ ”برتر از اندیشہ سودوزیاں ہے زندگی ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی“

س: پسندیدہ کتاب اور مصنف؟

ج: پسندیدہ کتاب تو قرآن پاک ہے۔ مصنف اللہ میاں جنہوں نے یہ ہدایت نامہ انسان کیلئے تحریر کر دیا بزبان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن پر ہزاروں بار درود و سلام۔

س: کیا انٹرنیٹ آج میں کتاب کی افادیت باقی رہے گی؟

ج: کتاب کی اہمیت کسی دور میں کم نہیں رہی کتابی شکل میں کچھ بھی ہو وہ موجود رہتا ہے۔

س: کیا ڈائجسٹ معیاری ادب کے تقاضے پورے کر رہے ہیں؟

ج: یقیناً ردا تو کر رہا ہے۔

س: اپنی پسندنا پسند کے بارے میں کچھ بتائیں؟

ج: لباس میں مجھے سازی پسند ہے۔ خوشبو میں Versace Woman پسند ہے۔

مجھے بارش پھول اور خوشبو بہت اچھے لگتے ہیں۔ میرے پسندیدہ پھول ہار سنگھار کے ہیں۔ کھانے میں

میں خود تو سادہ غذا لیتی ہوں لیکن کوکنگ کا مجھے بہت شوق ہے۔ گارڈنگ کا بھی شوق ہے۔ میں ہر کام کرنا جانتی ہوں۔ کوکنگ اسچنگ بھی خود ہی کرتی ہوں۔ میں گھر میں

ردا ڈائجسٹ 33 اگست 2011ء

بھی ہر سال کچھ نہ کچھ تبدیلی پسند کرتی ہوں۔ بلیوکلر ہمیشہ سے پسند رہا ہے۔ ارہر کی دال میں اصلی گھی کا تڑکا اور چاول جواب میں نہیں کھا سکتی مجھے بہت پسند تھے۔

س: سال کا سب سے پسندیدہ مہینہ کون سا لگتا ہے؟
ج: اگست کا۔

س: 24 گھنٹوں میں پسندیدہ وقت؟
ج: صبح کا وقت۔

س: زمانہ طالب علمی کا کوئی یادگار لمحہ؟

ج: جب میں اپنے کالج کی وائس پریزیڈنٹ بنی تھی۔
س: پسندیدہ اخبار؟

ج: اس Dawn The Dawn

س: پسندیدہ رشتہ؟

ج: ناں۔

س: صبح سویرے بیدار ہوتے ہی کس کو دیکھنا پسند کرتی ہیں۔

ج: قرآن پڑھتی ہوں۔

س: چودھویں کا چاند دیکھ کر کیا سوچتی ہیں؟

ج: کاش میں بادل کا اک ٹکڑا ہوتی اور یوں ہی ہوا میں اڑتی رہتی۔

س: پسندیدہ مضمون؟

ج: میری ابتدائی تعلیم Convent میں ہوئی اس لئے مجھے اردو سے زیادہ انگریزی پر عبور تھا۔ 9th تک یہ عالم تھا کہ میں اردو لکھ سکتی تھی پڑھ سکتی تھی مگر معنی نہیں آتے تھے۔ مثلاً لفظ تشریح کیا ہے مجھے نہیں معلوم تھا۔

جب میں نے اس کا مطلب انگریزی میں معلوم کیا تو اس کے بعد میں نے سب سے اچھا شہر explain کیا۔

نچرنے چونک کر مجھ سے کئی سوال کئے تھے آپ کو اردو نہیں آتی آپ نے اتنی اچھی تشریح کیسے لکھی؟

س: کن لوگوں سے نفرت ہے؟

ج: دھوکا دینے والوں سے۔

س: کون سی چیز آپ کے ساتھ رہتی ہے؟

ج: ذہن کی رنگ اور میرے لگی اسٹون پیری ڈوٹ کی رنگ۔

س: آپ کی تاریخ پیدائش اور اشارہ؟

ج: میری تاریخ پیدائش 14 اگست ہے۔ بہن بھائیوں اور دوستوں کو یاد رہتی ہے۔ گویا پورا پاکستان میرے ساتھ جشن آزادی مناتا ہے۔ میرا اشارہ Leo ہے۔ اس کی تمام خصوصیات مجھ میں ہیں۔ میں چیتھر پر یقین کرتی ہوں۔ LEO پیدا کئی حکمران ہوتے ہیں۔

س: چودہ اگست آپ کی سالگرہ کا دن ہے۔ کبھی کسی نے کوئی خاص تحفہ دیا؟

ج: ہاں ہم چودہ اگست کے دن دوپہر میں نرسری جاتے ہیں۔

س: کوئی خواہش؟

ج: اپنے نام سے مسجد تعمیر کروانا چاہتی ہوں۔

س: بی وی دیکھتی ہیں؟

ج: بی وی دیکھنے کا قطعی شوق نہیں ہے۔ ہاں کبھی کبھار کوئی خاص پروگرام ہو تو دیکھ لیتی ہوں۔ مجھے عدنان مسیح خان بے حد پسند ہے۔

س: آپ بہت اچھی شاعرہ بھی ہیں۔ اپنا کوئی پسندیدہ شعر سنائیے۔

ج:

شب کے تاروں سے کہو مند لیس آنکھیں اپنی چاندنی آج تو اتری نہیں آنگن میں مرے

س: جب آپ انگریزی ادب میں ایم اے کر رہی تھیں تب کیا آپ نے مغربی ادب کا مطالعہ کیا؟

ج: جی ہاں میں Old classics پہلے بھی پڑھتی تھی آج بھی پڑھتی ہوں گون دودھ دی وند جیکا ان ربیکا

نہیں آزاد روٹس میرے آل ٹائم فیورٹس ہیں۔ خاص طور پر روٹس سے میں بے حد انسپائر ہوئی تھی کہ انسان کس طرح انسان پر ظلم کرتا ہے مغربی مصنفین میں ہمنگوئے چارلس ڈکنز، سڈنی شیلڈن، سرسٹ ماہم، شیورلٹ برائن، پریل ایس، ڈیفن ڈی مریو کو میں نے بہت پڑھا ہے۔ بچپن میں والد صاحب نے ہمیں گولڈن نریری لاکر دی تھی۔ بچوں کی نظمیں اور شیلے، شیکسپیر، کیٹس اور ڈورڈر تھ سب آج بھی یاد ہیں۔

س: اردو کے کلاسیکی ادب سے کتنی فیضاب ہوئیں؟

ج: اردو ادب میں غالب کو بہت زیادہ پڑھا۔ ان کے بعد فیض، ناصر کاظمی، احمد فراز اور محسن نقوی کو پڑھا۔ فرصت کے لمحات میں دیوان غالب، بانگ درا اور بال جبریل کا مطالعہ بار بار کرتی ہوں۔ ان کو جتنا پڑھتی ہوں ایک نیا احساس اور نئی امنگ محسوس ہوتی ہے۔ کوئی بھی تحریر لکھنے سے قبل میں ضرور کسی نہ کسی کتاب کا مطالعہ کرتی ہوں۔

س: آپ کے دن کا آغاز کس طرح ہوتا ہے اور دن بھر کی روٹین کیا ہوتی ہے؟

ج: صبح اٹھ کر میں نماز کے بعد قرآن پاک کا کچھ حصہ تلاوت کرتی ہوں۔ پہلے میں سب سے پہلے اخبار پڑھا کرتی تھی مگر اب میں نے یہ سلسلہ شروع کیا ہے کہ پہلے قرآن اور پھر اخبار پڑھتی ہوں۔ اسی دوران چائے پیتی ہوں اور پھر دنیا کے تمام سلسلے شروع ہوتے ہیں۔ آفس میں آ کر پہلے اپنی ڈاک دیکھتی ہوں۔ لُچ ہم سب ساتھ کرتے ہیں۔ شعبہ اشتہارات اور پریس کے تمام معاملات میں فون پر ہی طے کرتی ہوں۔ یا پھر ایک گھنٹہ کیلئے ڈرائیور کے ساتھ پریس جا کر کام دیکھ لیتی ہوں۔

شام پانچ بجے تک آفس میں ہوتی ہوں اس کے بعد میری بی بی عائشہ محمود زیادہ تر میرے ساتھ ہوتی ہے۔ میں اس کی دن بھر کی مصروفیات سنتی ہوں۔ پھر میرے بیٹے بلال محمود

جو مجھے بہت زیادہ چاہتے ہیں جو کبھی ہاتھ کبھی پیر تک چومتے ہیں ان کے ساتھ شام میں ہم اکٹھے چائے پیتے ہیں۔ صبح کیلئے کچھ نہ کچھ لکھتی ضرور ہوں کیونکہ میں افسانہ نگاری کے ساتھ ساتھ ایک مقامی اخبار میں کالمسٹ بھی ہوں۔ وہاں میرا کالم ہفتے میں دو بار ضرور لگتا ہے۔ میں صبح اخبار پڑھنے کے بعد لان میں بیٹھ کر لکھتی ہوں۔ دس بجے کے بعد آرام کرتی ہوں۔ چندرہ منت کے بعد میری ذمہ داری یعنی گھر کی صفائی ستھرائی اور کوکنگ شروع ہو جاتی۔

بارہ بجے سے پہلے تمام کام ختم ہو جاتے ہیں اور ردا کے کاموں میں مصروف ہو جاتی ہوں۔ وقت کسی کیلئے نہیں رکتا سو ہم بھی اسی وقت کا ایک حصہ ہیں۔

س: مستقبل کے کیا ارادے ہیں؟

ج: آج کل میں اپنے چوتھے ناول کی کتابی شکل میں اشاعت کی کوشش کر رہی ہوں۔ کچھ ایسے افسانے جو میں نے بیرون ملک میں لکھے تھے وہ ادھر ادھر ہو چکے ہیں جن کی تلاش جاری ہے۔ اخباری کالموں اور نظموں کا بھی کتابی شکل میں آنے کا امکان ہے۔ اس کے علاوہ اس کوشش میں ہوں کہ شعری دیوان بھی لے آؤں لیکن ردا کی مصروفیات بہت زیادہ ہیں اور اگر میں ذہنی طور پر ذرا بھی ڈسٹرب ہوتی ہوں تو ایک لائن بھی نہیں لکھ سکتی اور نہ ہی کوئی اور کام کر سکتی ہوں۔

س: ردا کے قارئین کے نام کوئی پیغام؟

ج: قارئین سے زیادہ ردا کی رائٹرز کے نام یہ پیغام ہے میرا کہ جب بھی جو کچھ بھی لکھیں اس بات کو ذہن میں رکھ کر لکھیں کہ یہ ردا کسی نہ کسی صورت سے کسی نہ کسی انسان کو انسپائر کرے گا غلط یا درست۔ لہذا جو بھی ردا کو تخلیق کریں اس میں اچھائی کا پہلو نمایاں کریں۔ برائی کی نشاندہی کریں تاکہ پڑھنے والے قارئین آپ سے کچھ نہ کچھ سیکھ سکیں۔

☆☆☆

رداؤ انجسٹ 35 اگست 2011ء

شازیہ مصطفیٰ

قسط نمبر 2۔

سلسلے وار ناول

گہری عین دور دورہ حال



”شہر ان! تمہارے منہ میں جو آتا ہے بولتے جاتے ہو کتنی شرم کی بات ہے جو تم ایسی باتیں کر کے امی کو ہی دکھ دے رہے ہو اس سے تمہیں کیا حاصل ہوگا بولو.....“ ذیشان نے اسے کار سے پکڑ کے درشت لہجے میں سرزنش کی۔

”اس طرح کر کے کسی کا بھی کچھ نہیں جا رہا ہے صرف تمہارا نقصان ہو رہا ہے سب اپنی جگہ ٹھیک ہیں نقصان میں تم جا رہے ہو۔“

”جب اس زندگی نے کوئی فائدہ ہی نہیں دیا تو نقصان کی بھی پروا نہیں۔“ شہر ان کا لب و لہجہ اتنا کڑوا ہوتا تھا ذیشان ملول سا ہونے لگتا جتنا وہ اسے سنبھالنا چاہتا تھا وہ اتنا ہی گرتا جا رہا تھا۔

”زندگی ابھی تمہاری شروع ہی کب ہوئی ہے جو تم فائدہ کی بات کر رہے ہو۔“ تیز لہجے میں اس سے پوچھنے لگا۔

”یہ زندگی نہیں ہے تو کیا ہے ہمیں دیکھ کر لوگ منہ پھیر لیتے ہیں خاندان میں کوئی منہ نہیں لگاتا ہے یہ سب کس وجہ سے ہے آپ جانتے ہیں۔“ وہ پسینے پسینے ہونے لگا تھا۔

”ضروری ہے تم بھی ویسے بن جاؤ سدھار پیدا نہیں کر سکتے ہم زندگی میں۔“

”یہ زندگی کے لوگ سدھار پیدا کرنے دیں گے.....؟ ارے بھائی! آپ بھی کتابی باتیں کرتے ہیں یہ دنیا کے لوگ کبھی بھی کسی کو سدھار ہی نہیں سکتے بلکہ تباہ ہی کریں گے۔“ اتنا کنیلا اور ترش ہو رہا تھا۔ ذیشان نے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا جو کسی طرح بھی اس کے قابو آتا ہی نہیں تھا۔

”اچھا سب باتوں کو چھوڑو مجھے کچھ سمجھتے ہو ناں؟“

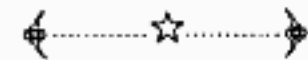
”کیوں..... آپ کو نہیں سمجھوں گا تو پھر کس کو سمجھوں گا۔“ طنزیہ کرنے لگا۔

”پھر میں جو کہتا ہوں اپنی پڑھائی شروع کر دو۔“

”پھر وہی بات..... میرا دل ہی نہیں ہے تو کیا کروں گا پڑھ کے۔“ وہ اکتا کے کھڑا ہو گیا۔

”عجیب سر پھر اڑ کا ہے میری بات ہی نہیں سمجھ رہا ہے پڑھو گے تو اچھی جاب مل جائے گی۔“

”جاب ایسے بھی مل رہی ہے دین چلاؤں گا یا پھر ہو سکتا ہے چنگ جی چلا لوں گا۔“ ہر وہ کام کرنا چاہ رہا تھا جو اس کی شخصیت سے بالکل میچ نہیں کر رہا تھا۔ ذیشان نے افسردگی سے اسے جاتے ہوئے دیکھا اتنا ناراض اور بے زار تھا اپنی پرواہ تک نہیں تھی۔



ماٹھے کا زخم اب قدرے بہتر تھا۔ ایک ہفتے سے زیادہ ہو گیا تھا ہسپتال سے آئے ہوئے اس نے سوچا کہ راجیل سکندر کے آفس آج ہی جائے۔

بلیوڈریس چینٹ پر ڈارک بلیو شرٹ میں نفاست سے سنورے بال و جیہد چہرے پر اس بلا کی سنجیدگی ہوتی تھی سامنے والا شخص مودب ہو کر ہی ملتا تھا۔ لمبا چوڑا کسرتی بازو کھنی موٹھوں تلے اس کے عتابی لب جو ہمیشہ بھیجے رکھتا کیونکہ کم گو جو تھا۔

”جینا! بسم اللہ پڑھ کے آفس میں جانا۔“ امی کو تو بہت خوشی ہوئی تھی ان کے بیٹے نے کسی طرح تو کہیں جانے کی حامی بھری ورنہ تو وہ اپنی ڈگری اٹھائے کہاں کہاں نہیں مارا مارا پھرا۔

”بھائی جان! آج آپ بہت ہی پیارے لگ رہے ہیں۔“ مصباح نے حمد ان کو ستائشی لہجے میں کہا۔ اس نے جھینپ کے مصباح کے سر پر چپٹ لگا لی۔ اسے اپنی بہن کی پڑھائی بھی ادھوری رہ جانے پر افسوس ہوتا تھا اتنے کے بعد حالات نے اجازت ہی نہیں دی کہ وہ مزید آگے پڑھتی۔ عدین تو پھر بھی پڑھ رہا تھا کیونکہ امی اس کی پڑھائی

ادھوری نہیں چھڑوانا چاہتی تھیں اس لئے کہ اس کا مستقبل تو آگے جا کر بہتر ہوگا جبکہ مصباح لڑکی تھی اس کی ایک دن شادی ہو جانی تھی گھریار اور بچوں میں ہی اسے پڑنا تھا۔ حمد ان نے اس پر بھی ان سے کشنی بحث کی تھی مصباح کو بھی آگے پڑھنا چاہیے۔

وہ امی کی دعا میں لیتا ہوا گھر سے نکلا تھا آج بہت دن بعد وہ اتنے تک سک سے تیار ہوا تھا ورنہ تو اس نے اپنا حلیہ بھی ملگجاسا رکھا ہوا تھا۔

اونچی سی بلڈنگ پر اس نے بھرپور نگاہ ڈالی۔ لفٹ سے وہ سیکنڈ فلور پر آیا جدید طرز پر بنی اس بلڈنگ کی ہر چیز پنچمار ہی تھی۔ کوریڈور سے گزر کے وہ ہال کمرے میں آیا فل اسے سی تھا کاؤنٹر پر جا کر اس نے لڑکی کو مخاطب کیا۔

”میں حمد ان احمد ہوں مجھے راجیل سکندر نے بلایا تھا۔“ اس نے شیشے کے پار اس لمبی سی لڑکی کو اپنا مدعا بیان کیا۔ اس نے سر ہلایا حمد ان کھڑا ہوا آفس کا جائزہ لینے لگا۔ سب اپنے اپنے کیمن میں کاموں میں مگن تھے۔

”آپ اندر جاسکتے ہیں۔“ حمد ان نے چونک کے سر ہلایا اور لڑکی کی رہنمائی میں اندر آیا۔ شیشے کا روم تھا وہ چلتا ہوا جا رہا تھا۔

”پلیز.....“ لڑکی نے روم کا ڈور کھول کے اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ حمد ان کچھ نرمی سے بھی ہونے لگا۔ آفس خاصا فرنشڈ تھا اندر قدم رکھا اسے سامنے دیکھ کر کوفت میں مبتلا ہو گیا۔ لیسن کمرے کے پرنٹ لمبی سی شرٹ اس پر پلین ٹراؤز بڑا سا ہم رنگ دوپٹہ شانوں پر پڑا تھا میک اپ کے نام پر صرف لائٹ کھرکی پنک لپ اسٹک اسے اور زیادہ پروقار اور دلکش بنا رہی تھی۔

حمد ان نے اسے سلام کیا اریشماء نے خاصے دلکش انداز میں مسکرا کے جواب دیا ساتھ ہی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ حمد ان نے اسے دیکھنے سے اجتناب برتا اسے کوئی تجربہ نہیں تھا آفس میں کسی لباس نما لڑکی سے بات کرنے کا اسے بے زاری بھی ہوئی ادھر ادھر دیکھنے لگا روم بھی فرنشڈ تھا صوفہ سیٹ تک پڑا تھا بڑی سی ٹیبل اس کے پیچھے جدید اسٹائش ریو الونگ چیئر سے اٹھ کر وہ اس کے استقبال کیلئے آگے آئی تھی۔

”ہاں تو مسٹر حمد ان! ہم اب کام کی بات کریں؟ اگر آپ نے پورے روم کا جائزہ لے لیا ہو تو۔“ مسکرا کے وہ بولی تھی۔ حمد ان جھل سا ہو گیا پہلو بدل کے اپنا زانو یہ درست کیا اور نا چاہتے ہوئے بھی اسے اس کی جانب متوجہ ہونا پڑا۔

”ایجوکیشن آپ نے بتائی نہیں ہے جبکہ آپ کی پوزیشن دیکھ کر تو اندازہ ہو رہا ہے کچھ تو ایجوکیشن ہوگی ہی۔“ اریشماء نے اس کا جائزہ لینے کے بعد گویا خوشدلائے طنز کیا۔ حمد ان پہلو بدل کے رہ گیا اس کی غیر متوقع بات سن کے یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا ایسے اندازے بھی وہ لگا سکتی ہے۔

”اگر اس دن جیسے حلیے میں آپ کے آفس آتا تو شاید مجھے کوئی اندر آنے تک نہیں دیتا۔“ وہ پزل سا ہو گیا۔

”ہوں یہ بھی ٹھیک کہا۔“ وہ ادھر ادھر روم میں چکر لگا کے اس سے بات کر رہی تھی۔

”آپ کا اشارہ کیا ہے۔“ وہ بے ٹکا سوال کرنے لگی۔

”دیکھئے آپ مجھ سے اس طرح کے فضول سوال نہیں کریں تو بہتر ہے ورنہ.....“ آگے بولتے بولتے وہ رک گیا۔

”ورنہ کیا؟ آپ مجھے اغوا کر والیں گے۔“ وہ بے ساختہ بولی اور ہنسنے لگی۔

حمد ان اندر ہی اندر غصہ میں کھول رہا تھا دل کر رہا تھا یہاں سے اٹھ کر ایسے بھاگے کہ مڑ کے نہیں دیکھے مگر مجبوری تھی ایسا نہیں کر سکتا تھا۔

”میں ایسی فضول باتوں سے پرہیز کرتا ہوں مناسب یہ ہوگا کہ کام کی بات کی جائے تو بہتر ہے۔“ سخت سے

لہجہ میں گویا ہوا۔ اریشما کے لب مسکرانے لگے ایسے ہی شخص کی تو تلاش ہے جو کم بات کرے اور اپنی بات پر ڈٹا رہے چہرے پر اس کے اتنا تناؤ تھا کہ اسے بھی ڈر لگ رہا تھا مگر خود کو نہ اعتماد بھی بنایا ہوا تھا۔

”کمپیوٹر چلانا آتا ہے؟“

”جی تھوڑا بہت چلا لیتا ہوں۔“ اس نے خود ہی جان بوجھ کے ایسے کہا جبکہ کمپیوٹر پر تو اس کا کام ہی سارا ہوتا تھا۔ سارے ڈیزائن وہ اسی پر بناتا تھا۔

”مسٹر حمدان احمد! آپ کو یہ کرنا ہوگا جتنی بھی ای میلز اور لینز آئیں گے سب کو آپ سیو کر کے مجھے بتائیں گے پھر میں انہیں خود دیکھوں گی۔“ وہ اسے سمجھانے لگی۔

”انگلش تو پڑھ لیتے ہیں ناں؟“

”جی پڑھ لیتا ہوں۔“ مارے پاندھے گویا ہوا۔

”آف کتنا مشکل بندہ ہے یہ کتنی دقتوں سے بول رہا ہے۔“ اریشما سوچ کے رہ گئی۔

”ٹھیک ہے پھر باہر جو لڑکی پہلے آپ کو ملی تھی وہ آپ کی ہیلپ کرے گی باقی ہیلپ سمجھانے کی میں کروں گی۔“ فوراً ہی پھر گویا ہوئی۔ حمدان اٹھنے لگا اسی وقت کوئی بلیک ٹھری پیس سوٹ میں تیزی سے اندر آیا تھا۔

”آف یہ کہاں سے آ گیا؟“ اریشما نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

”آپ کی تعریف.....“ مقابل نے حمدان کا اوپر سے نیچے تک بھرپور تنقیدی جائزہ لیا حمدان جیسے اس سے ذرا بھی مرعوب نہیں ہوا تھا۔

”یہ میرا کلاس فیلو ہے۔“ اریشما نے اچانک ہی دھماکا کیا۔ حمدان کی حیرت سے آنکھیں پھٹ گئیں جبکہ تہہ در کا منہ اتر گیا۔

”آؤ حمدان! تمہیں ملو آؤں۔ یہ تیمور کامران ہیں میرے چاچو کے بیٹے یاد ہے ناں میں تمہیں اکثر اس کے بارے میں بتاتا کرتی تھی۔“ اریشما نے حمدان کا بازو پکڑا اور تیمور کو جلانے کیلئے مسکرا کے بتانے لگی۔ حمدان کے تو خاک بھی پلٹے نہیں پڑ رہا تھا اس نے اپنا بازو اریشما کی گرفت سے نکالا۔

”یہ اچانک تمہارا کلاس فیلو کہاں سے آ گیا.....؟“

”بس آ گیا اب یہ ہمارے آفس میں کام کرے گا۔“ وہ اور اسے مزید بتانے لگی۔ حمدان سپاٹ سے چہرے کے ساتھ کھڑا تھا اریشما کو ڈر بھی لگ رہا تھا وہ کہیں کچھ بول نہ دے۔

”حمدان! آپ باہر بیٹھے میں آتی ہوں۔“ وہ سمجھ گئی تھی اسے بہت ناگوار گزر رہا ہے وہ تیزی سے نکل گیا۔

”میں اور اس کا کلاس فیلو..... یہ لڑکی پاگل تو نہیں ہے۔“ حمدان باہر آ کر سوچنے لگا۔

”کہیں یہ مجھے کسی اور جھنجھٹ میں تو پھنسا نا نہیں چاہتی ضرور کوئی بات ہے اور یہ لڑکا..... کچھ تو گڑبڑ ہے۔“ وہ کاؤنٹر پر آ کر رکڑ کا لمحوں میں فیصلہ پر پہنچ گیا اسے کیا کرتا ہے۔

”سنئے مس! آپ اپنی باس سے کہہ دیجیے گا مجھے یہ جاب نہیں کرنی ہے۔“ وہ یہ کہہ کر رکڑ کا نہیں تیزی سے لمبے ڈگ بھرتا ہوا نکل گیا۔ ابھی وہ لفٹ سے نیچے آیا ہی تھا کہ وہ ہانپتی کا ہنپتی اس تک پہنچ گئی۔

”مسٹر حمدان! یہ فائل ہے آپ ایسے کیسے جاسکتے ہیں۔“ اس کی سانس پھول رہی تھی شولدر کٹ بال دائیں بائیں بکھر گئے تھے کبسا دو پٹہ شانے پر پڑا تھا۔

”ابھی اوپر آپ کیا فرما رہی تھیں.....؟“ وہ تو تن فن کرنے لگا۔

”ایک جھوٹ ہی تو بولا ہے اور کچھ نہیں۔“

”دیکھیے محترمہ! اگر آپ کے دماغ میں کچھ ہے تو آپ کسی دوسرے بندے کا انتخاب کریں آپ کی باتوں میں میں بالکل نہیں آ سکتا۔“ وہ تو مشتعل ہو رہا تھا۔

”ہماری رقم دیئے بغیر تو آپ جاب نہیں سکتے۔“ فوراً اریشما اپنے موقف پر آ گئی۔ حمدان کے اٹھتے قدم رک گئے یہ تو وہ بھول ہی گیا تھا۔

”اگر آپ یہ جاب چھوڑ کے گئے تو یہ آپ کی بزدلی ہوگی مسز.....“ وہ پھر اسے گھبرانے لگی۔

”خودکشی حل ہے تو کیجیے سامنے جو روڈ جا رہا ہے یہاں بہت ایکمیڈنٹ ہوتے ہیں جا کر کھڑے ہو جائیے مگر ہماری رقم دے کے۔“

”میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا آپ حد سے زیادہ گری ہوئی چھوٹی سوچ رکھنے والی لڑکی ہیں۔“ حمدان نے دانت پیسے۔

”اب تو پیہ چل گیا تو بولے..... کیا کرنا ہے۔“ وہ اطمینان سے گویا ہوئی۔

”پتہ نہیں کون سی گھڑی تھی جو میں آپ کے فادر کی گاڑی کے آگے آ گیا۔“ وہ دوڑتی بھاگتی گاڑیوں کو دیکھنے لگا۔ اریشما نے سکون کا سانس لیا کیونکہ وہ کچھ ٹھنڈا پڑتا ہوا لگ رہا تھا۔

”یاد رکھئے گا اگر مجھے فضول خرافات میں پھنسانے کا سوچا بھی تو میں وہ شخص ہوں جو مقابل کی ہستی مٹا سکتا ہوں۔“ اتنا شدت پسند تھا مٹھیاں بھیجنے کے اندر کے انتشار کو روک رہا تھا۔ اریشما نے متوش زدہ ہو کر دیکھا اسے ایسے ہی کھرے اور سچے شخص کی تلاش تھی جو اسے بچا سکے مگر کیسے؟ یہ بندہ تو ابھی مشتعل تھا ایسے تو بالکل بھی اس کے قابو میں نہیں آ سکتا۔

”او کے میں سمجھتی ہوں چلئے اندر۔“ وہ آہستگی سے بولی۔ حمدان اور وہ لفٹ میں ساتھ تھے۔ اس نے اریشما کو بغور دیکھا اسی وقت لفٹ رکی اور وہ باہر تھا۔

تیمور چلا گیا تھا۔ اس نے ہی پھر حمدان کو روم دکھایا جو اس کے ساتھ ہی تھا۔ رومیل سکندر کے روم میں وہ تھی جبکہ اپنے روم میں حمدان کو رکھا تھا۔

پورا وقت کام سمجھایا حمدان پہلی بار ہی میں سمجھ گیا تھا۔ ایسے کام میں مصروف ہو گیا جیسے شروع سے یہاں آتا ہو اریشما بھی مطمئن ہو گئی تھی۔ سچ نام میں رومیل سکندر آفس آئے تھے۔ حمدان سے وہ بہت خوش ہو کر ملے تھے۔ وہ ان کے مسیحا کا بیٹا تھا اس کیلئے تو وہ کچھ بھی کرنے کو تیار تھے۔ تنخواہ وغیرہ اریشما نے اسے ابھی نہیں بتائی تھی نہ ہی حمدان نے شاید پوچھنا ضروری سمجھا تھا۔ وہ مسلسل پورا وقت اسے چیک بھی کرتی رہی تھی جو اس کی طرف تو مارے پاندھے تک دیکھنا نہیں چاہتا تھا اریشما نے یہ اندازہ کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”پچھو! آپ کو لایہ آئی نے بلایا ہے۔“ زین نے اسے آ کر اطلاع دی۔ وہ ڈائجسٹ پڑھنے میں اس قدر مہلک تھی کہ ایک دم اچھل ہی گئی۔

”اچھا۔“ ڈائجسٹ بند کیا اور روم سے باہر آ گئی۔ امی سے پوچھ کے ہی جاسکتی تھی ورنہ تو اجازت تک نہیں تھی نہیں بھی محلے میں آنے جانے کی۔

”امی! لایہ بار ہی ہے چلی جاؤں؟“ اس نے ڈرتے ڈرتے مننا کے پوچھا۔

”ہر وقت اسے کیوں بلانے کی پڑی رہتی ہے خود ہی کیوں نہیں آ جاتی ہے۔“ انہیں ہمیشہ کی طرح پھر اعتراض

ہوا وہ الماری سے پرانے کپڑوں کی کانت جھانٹ کر کے نکال رہی تھیں۔

”ابھی تو صرف پانچ بجے ہیں آ جاؤں گی۔“ اس نے کھاک پر نگاہ ڈالی۔ ویسے بھی آج سندھے تھا یونیورسٹی کو چھٹی تھی وہ بھی اپنی کچھ ایکٹوٹیز میں لگ جاتی تھی۔ حرما اپنا سوٹ سلائی کر رہی تھی اسے ویسے بھی گھر داری کا شوق بھی بہت تھا۔

”ابو مجھے پتہ ہے مغرب کی نماز پڑھ کے گھر آئیں گے جب تک میں آ جاؤں گی۔“ وہ ان کی رضا مندی سے بغیر جلدی سے سر پر دوپٹہ جما کے صحن عبور کر کے مین گیٹ کھول کے باہر آئی دیکھا تو وہ جھاز و ہاتھ میں لئے پھر گئی کچرا جمع کر رہا تھا۔

”اوں ہوں۔“ دھول اور مٹی اڑتی دیکھی تو ناگواری سے دوپٹہ ناک پر رکھ دیا۔
”جانے اس انسان کو گلی سے اتنا عشق کیوں ہے ہر وقت کچرا جمع کرتا رہتا ہے مزاج شہزادوں جیسے اور کام چماروں جیسے۔“ لیل ماہ نے نخوت سے سوچا۔

دونوں کی نگاہوں کا تصادم ہوا نیوی بلیو پرنٹڈ کپڑوں میں ملبوس اس کے سامنے تھی اور وہ بلیک پینٹ پر ڈھیلی سی پنک شرٹ میں ملبوس ہلکی سی بڑھی شیو کے ساتھ اسے گھور رہا تھا۔

”اس کے علاوہ آپ کو اور کوئی کام نہیں ہے کسی کمپنی میں جا کر لگ جائیں۔“ وہ کلس کر بولی۔
”میں نے آپ سے کچھ کہا جو فضول میرے منہ لگنے لگیں۔“ وہ تن کے اس سے مخاطب تھا۔
”کچرا ادھر سے ہٹاؤ ورنہ پھر ہمارے ابا کو دیکھا ہے ناں تم نے۔“
”کیا کر لیں گے تمہارے ابا؟“ وہ بھی دوہو ہو گیا۔

آج اسے بھی اسد مرزا سے الجھنے کا موقع ملنا چاہیے وہ تلاش میں تھا کسی طرح بھی وہ ان سے اڑ جائے۔
”دیکھو مسٹر! ہمارے ابا کی اس محلے میں بہت عزت ہے۔“ لیل ماہ نے گویا اس پر طنز کر کے بتایا۔ شہران کی تیوریوں پر اسی وقت بل پڑ گئے ایسے ہی جملے تو اس کے اندر آگ لگاتے تھے۔

”جانتا ہوں کتنی عزت ہے۔“ دانت پیسے۔
لیل ماہ نے گلی کے لوگوں کی آمد و رفت کو دیکھا پھر اسے ڈر بھی ہوا اگر گھر میں سے بھابی وغیرہ کو آواز چلی گئی تو الگ تماشا ہوگا وہ تیزی سے جانے لگی۔

”ہٹو آگے سے مجھے جانا ہے۔“ وہ اس کے سائیڈ سے نکل گئی جبکہ شہران کا اس وقت دل کر رہا تھا لیل ماہ کی طبیعت صاف کر دے مگر وہ برداشت کر گیا سامنے لائے کے گھر کی قیل بجا رہی تھی وہ بغور اسے ہی دیکھ رہا تھا۔
”ہائے یہ تو گھور بھی رہا ہے ظالم تو کام پتاروں والا کیوں کرتا ہے۔“ وہ سوچتی ہوئی تیزی سے اندر غائب ہو گئی۔

”اتنا بانپ کا ہے کور ہی ہو۔“ لائے بھی گھبرا گئی۔
”بچ گلی میں جھاز دے کر گلی کا کچرا جمع کر کے کھڑا تھا وہ۔“ اس نے بتایا۔
”کون؟“ وہ شاید سمجھی نہیں۔

”تمہارے ساتھ والوں کا بیٹا۔“ دھم سے وہ چیخ پر بیٹھی۔
”اچھا شہران بھائی ہوں گے۔“ لائے سمجھ گئی تھی۔
گھر میں کافی خاموشی تھی لیل ماہ کو تشویش بھی ہوئی وہ طائرانہ نگاہوں سے جائزہ لینے لگی۔
”آئی نہیں ہیں کیا؟ اور باقی لوگ۔“

”امی بھائی کے ساتھ دوائی لینے گئی ہیں حنا کچن میں ہے۔“ لائے اسے اپنے روم میں لے آئی تھی۔
”ابہ تمہیں بہن بھائی تھے۔ گھر خوب خاصا خوبصورت اونچا سا بنا لیا تھا۔ لائے کے ابو انکم ٹیکس میں تھے مگر جائزہ اور اہل مالی سے وہ گھر کو چھڑا رہے تھے۔

”بول کیوں بلایا تھا؟“ لیل ماہ کو یاد آیا۔
”ایک بچی کو نیوشن پڑھوانا ہے۔“
”نیوشن کیوں تم نے پڑھانا چھوڑ دیا ہے؟“ اس نے حیرانگی کا اظہار کیا۔

”نہیں وہ اصل میں میرے پاس بچے زیادہ ہو گئے ہیں میں چاہ رہی تھی اس بچی کو تم پڑھاؤ۔“
”کس بچی کو؟“ وہ کچھ سمجھی نہیں۔
”شہران بھائی کی سب سے چھوٹی بہن بسمہ کو۔“

”کیا شہران کی بہن بسمہ کو ذہنی خراب تو نہیں ہو گیا ہے ابو کو جانتی ہو ان کے گھر دیکھنے تک کے خلاف ہیں اور اس لڑکی بچی کو میں نیوشن پڑھاؤں معاف کرو مجھے تو نہ ہی مجھے نیوشن وغیرہ کا شوق ہے۔“ لیل ماہ نے فوراً ہی صاف انکار کر دیا۔ اپنے گھر کے ماحول کو بھی جانتی تھی اپنے ابو کے مزاج کو بھی جو یہ تو بالکل بھی پسند نہیں کریں گے۔
”انگل سے پوچھ کے ہی دیکھ لو۔“

”لائے! کیوں تم مجھے مردانے کے کام کرتی ہو ہم بہنوں کو یونیورسٹی میں پڑھنے کی اجازت مشکل سے ملی ہے اس اگر میں نے نیوشن کا کہہ دیا تو ابو اچھی طرح طبیعت صاف کر دیں گے۔“ لیل ماہ ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتی تھی جس کی وجہ سے اسے سننے کو ملے۔

”فیس ٹھیک ٹھاک ملے گی۔“ لائے نے لالچ دیا۔
”معاف رکھو مجھے۔“ وہ کپڑے جھڑے کھڑی ہو گئی۔
”ارے بیٹھو تو کہاں چل پڑیں۔“

”میں سمجھی بہت ضروری کام ہوگا اس لئے بلایا ہے جو بھی کام ہوا کرے تم خود ہمارے گھر آ جایا کرو امی اجازت میں دیتی ہیں ابو پسند نہیں کرتے ہیں پڑوس میں جانا۔“ سر پر اچھی طرح دوپٹہ جمایا روم سے نکل کے صحن میں آ گئی۔ لائے نے بہت روکنا چاہا مگر وہ رکی نہیں۔

وہ سامنے پھر کھڑا تھا۔ کچرے کا ڈھیر اس نے گلی کے بیچ میں لگایا ہوا تھا۔ لیل ماہ نے پاؤں مار کے پورا کچرا پھیلایا شہران کی تیوریوں پر غصے سے بل پڑے گئے۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو تاک تاک کر جواب دیتے تھے۔
”آئندہ تم نے ہمارے گھر کے سامنے کچرا جمع کیا تو یاد رکھنا تمہارے گھر کے اندر پھینک کے آؤں گی۔“ آنجل کو پر ہاتھوں سے جمائے اسے گویا وارننگ دینے لگی۔

شہران حیرانگی سے اس کی دیدہ دلیری پر دنگ رہ گیا جبکہ وہ تو خود غصہ میں اپنے کام کرتا تھا ایک لڑکی اسے وارننگ دے کر چلی گئی تھی۔

☆.....☆.....☆
تین دن سے وہ آفس جا رہا تھا اریشام اس کے ساتھ ٹھیک ٹھیک چل رہی تھی ورنہ اس نے سوچ لیا تھا اگر اس نے ذرا بھی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو طبیعت صاف کر دے گا دے گا وہ بالکل نہیں چاہے وہ باس تھی مگر اس نے آگے خود کو گرائے گا نہیں۔

پارکنگ ایرے میں مارکیٹ بنائی جائے جبکہ اریٹھما چاہ رہی تھی اپارٹمنٹ کے سب سے نیچے مارکیٹ ہونی چاہیے۔
 ”تایا ابو! اگر مارکیٹ اوپر بنے گی تو اپارٹمنٹ کے لوگوں کو بھی فائدہ ہوگا۔“ تیمور نے آخری کوشش کی۔
 ”ڈیڈی! مارکیٹ گراؤنڈ فلور پر بنے۔“ اریٹھما بھی ڈنی ہوئی تھی۔ حمدان ان دونوں کی ضد اور بحث کو بغور سن رہا تھا جبکہ اسے اریٹھما کی بات زیادہ معقول لگی تھی۔

”سر! اگر مارکیٹ نیچے بنے گی تو زیادہ اینڈوائیج ہے اس لئے کہ پارکنگ کی جگہ آپ دیکھتے محدود ہے اور پھر مارکیٹ کی وجہ سے رش بڑھے گا تو لوگوں کو پرالیم ہوگی! اگر نیچے کے حصے میں مارکیٹ بنائی جائے اور اس کا راستہ بیک سے رکھا جائے تو زیادہ بہتر رہے گا۔“ پروجیکٹر سے اسکرین پر اپارٹمنٹ کا نقشہ بنا ہوا تھا۔ اریٹھما اسٹک سے جگہوں کو نمایاں کر رہی تھی۔ حمدان نے اس کے نازک سے ہاتھ سے اسٹک کی لمبہ بھر میں دونوں کی انگلیوں نے ایک دوسرے کو چھوا تھا۔ اریٹھما تو مسر اتری ہوئی اس کی گفتگو سن رہی تھی۔

”نوںو! تایا ابو! یہ ٹھیک نہیں ہے۔“ تیمور نے پھر نکتہ اعتراض اٹھایا۔ حمدان نے مڑ کے اس کے چہرے کو تنقیدی دیکھا جو ناگواری سے پرتھا۔ اسٹک اس نے دوبارہ اریٹھما کو تھما دی تھی۔

”حمدان کی بات بالکل معقول ہے۔“ روجیل سکندر نے تائیدی اور ستائش بھرے انداز میں سر ہلایا۔ تیمور ہتھیلی پر مکہ مارتے مارتے رہ گیا۔ لب بھینچ کے وہ دھڑ سے چیئر گھسیٹ کے بیٹھ گیا۔

اریٹھما کو حمدان نے حیرت و انبساط میں مبتلا کر دیا تھا، کیسے خود کو نا بلند ظاہر کرتا ہے جبکہ اس نے جس طرح رہنمائی کی تھی وہ ڈیڈی تک کو قائل کر گیا! اس کے لب مسکرا اٹھے تیمور کی شکست پر۔ تیمور کا اس لمحے چہرہ دھواں دھواں اور احساس شکست سے اتر گیا تھا۔ اریٹھما نے بڑی جانتی اور تشویش بھری نگاہیں اوپر اٹھائیں تو تیمور جزبہ سا ہو گیا۔

”واؤ ڈیڈی! یہ حمدان نے بالکل ٹھیک کہا ہے تیمور! تم نے بھی یہ نہیں سوچا۔“ پروجیکٹر اس نے آف کیا اس کے لب مسکرا رہے تھے۔

حمدان خود کو نارمل ہی ظاہر کرنے لگا وہ ویسے بھی خود کو ان سب کے درمیان فٹ نہیں سمجھتا تھا وہ فائل اٹھا کے کھڑا ہوا۔

”حمدان! شام سات بجے ریڈی رہنا ہے آپ کو۔“ اریٹھما اس کی پریشان پیشانی کو بغور دیکھنے لگی۔
 ”اوکے۔“

”تایا ابو! میں بھی چلوں۔“

”نہیں آج تمہاری وہاں ضرورت نہیں ہے حمدان ساتھ ہوں گے انہیں بھی آفس کے کاموں میں عادت ہونی چاہیے۔“ حمدان کے جاتے ہی اس نے تیمور کو مزید تپایا۔ روجیل سکندر کا سیل اسی وقت بیپ دینے لگا شکر تھا وہ کچھ بولے نہیں تھے ورنہ تیمور ضد کرنے لگتا۔



وہ جیسے ہی گھر میں گھسا محمد احمد کی استغیامیہ اور تنقیدی نگاہوں نے اس کا تفصیلی جائزہ لیا وہ پہلے کچن میں گیا وہاں شیمارات کے کھانے وغیرہ میں مصروف تھی۔

”کچھ چاہیے شہران بھائی!.....!“ آنا گوندھنا اس نے شروع نہیں کیا تھا پہلے شہران سے پوچھنے لگی۔
 ”دوپہر میں کیا سالن بناتا تھا؟“ وہ پتیلی کے ڈھکن ہٹا کے دیکھنے لگا۔

”ڈرائیونگ آتی ہے آپ کو؟“ لمبی سی شرٹ پر ٹراؤزر اور وائٹ پرنٹڈ دوپٹہ بلیوکلر رج رہا تھا شرٹ کے گلے پر وائٹ کڑھائی کی ہوئی تھی بالوں کی اونچی سی پونی ٹیل بنائے لائٹ سی پنک لپ اسٹک لگائے اس کا سر اپاؤگلش لگ رہا تھا اس نے اچھتی نگاہ ڈال کے دوبارہ مانیٹر پر نگاہ جمادی۔

”حمدان! میں آپ سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔“ اریٹھما کو اس کی سر دھری پر غصہ آ گیا۔

”جی آتی ہے ڈرائیونگ مگر میں آپ کے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گا۔“ اس نے مدھم لہجے میں جتایا۔

بلیک ڈریس پینٹ پر لیسن کلر کی کائن کی کلف لگی ہاف سلیوز شرٹ میں ملبوس نفاست سے سنورے بالوں میں وجہ لگ رہا تھا۔

”میں تو آپ کو گاڑی دینا چاہ رہی ہوں! آنے جانے میں مسئلہ نہیں ہوگا۔“ کرشل کی غیبل پر ہاتھ جمائے اس کی پشت کو گھورنے لگی جو مصروف انداز میں تھا۔

”مجھ پر ہی مہربانی کیوں؟“ استغیامیہ اور طنزیہ انداز تھا۔

”یہ مہربانی نہیں ہے گاڑی تھی ایک فاضل تو آپ کو دینے کا سوچا۔“ اریٹھما کو اس کے اکھڑ پن پر افسوس ہو رہا تھا جو ذرا بھی متوجہ ہو کر نہیں دیکھ رہا تھا۔

”میڈم! کسی اور کو دے دیں! میں اپنی عادت خراب نہیں کرنا چاہتا گاڑی استعمال کر کے۔“ لہجے میں اس قدر اس کے ٹھہراؤ اور زکھائی ہوتی تھی وہ گنگ رہ جاتی۔

”اوکے۔“ وہ روم سے باہر نکل گئی۔

مگر ذہن پریشان تھا حمدان کو کیسے اپنے میں انوالو کرے وہ تو نگاہ تک اٹھانا جیسے عبث سمجھ رہا تھا تیمور سے الگ پریشان تھی وہ بلاوجہ اس کے معاملے میں مداخلت کرتا رہتا تھا۔

”حمدان احمد! ایسے تو تمہیں میں نہیں چھوڑوں گی۔“ چیئر پر بیٹھی ہوئی سوچوں میں غلطیاں تھیں۔
 انٹرکام پر اسے کال کر کے اندر بلایا۔

وہ ناک کر کے اندر آ گیا چہرے پر اس کے سختی تھی اریٹھما نے بغور جائزہ بھی لیا۔

”ڈیڈی اور مجھے آج کسی اپارٹمنٹ پر ڈسکس کیلئے PC جانا ہے آپ کو بھی آج سات بجے چلنا ہوگا۔“ وہ دروازے کھول کے فائل نکالنے لگی اور اس کے سامنے ڈالی۔

”اسے آپ دیکھ لیں اور کمپیوٹر میں سیو کر دیں۔“

”میرا کام آفس تک ہے آؤٹ ڈور تک نہیں کہ میں آپ کے ساتھ جاؤں نہ ہی میری اتنی نالج ہے۔“ حمدان کی پوری کوشش تھی خود کو وہ ذرا بھی قابل ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

”اوکے مجھے پتہ ہے مگر یہ آپ کی ڈیوٹی ہے آنا جانا پڑے گا۔“ وہ اس کی جانب دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔ حمدان نے پھر ذرا بحث نہیں کی فائل اٹھائی اور روم سے تیزی سے نکلا۔ اریٹھما کے لب پہلی فتح پر مسکرا دیئے۔

”یعنی حمدان احمد کو توجہ ذرا پسند نہیں ٹھیک ہے تمہارے ہی انداز میں تم سے بات کروں گی۔“ وہ خود سے ہمکلام ہوئی وہ سمجھ گئی حمدان کو اہمیت دیا جانا ذرا پسند نہیں ہے اپنی طرح کا ہی مزاج دوسروں سے بھی چاہتا ہے اکھڑا اور رکھا۔

روجیل سکندر سے پوچھ کے اس نے شام کی میٹنگ کے لئے سارے پوائنٹ لکھ کے تیار کر لیے۔ روجیل سکندر نے حمدان کو بھی ساتھ بٹھایا تاکہ وہ بھی میٹنگ کی نوعیت جان سکے کسی اپارٹمنٹ کا نقشہ تیار ہوا تھا تیمور کی رائے تھی

کھانے سے فارغ ہو کر کھڑا ہونے لگا تاثر ہمیشہ یہی دیتا تھا کہ اس پران باتوں کا جیسے کوئی اثر نہیں ہونے والا ہے۔

”کیا سنوں..... روز آ پ وہی اپنے شوہر کی طرفداریاں کرتی ہیں مجھے ہی برا کہتی ہیں۔“

”انہوں نے ابھی بیٹا سمجھا.....؟ شروع سے جھڑکیاں ہی دیکھی ہیں امی! آپ کو یہ سب کیوں

”گھر سے باہر نکال دوں انہیں۔“ وہ اپنے عقل کھربے بیٹے کی باتوں سے بہت فکر مند اور رنجور سی ہو۔

”مجھے ہی اس کھر سے ٹکنا پڑے گا، میرا ہی رونا ہے ناں اس کھر میں میری ہی وجہ سے کھر کا سکون برباد ہوتا

”جب بھی بولے گا انسانی بولے گا، بیٹھا ادھر سکون سے۔“ انہوں نے بازو پکڑا اور بیڈ پر بٹھا دیا۔

”جو جواب میں مانتا ہوں وہ لوگ نہیں دے رہے ہیں۔“ نگاہیں اس نے فرس پر نکالی ہوئی تھی۔

وہ تعلیم سے سنبھل سنبھل جانے لگا ہوشیہ..... اس نے مسخرانہ انداز میں ہنکارا بھرا۔

”میں چنگ چلی جانا چاہتا ہوں۔“ انداز میں اطمینان تھا۔

”شہزاد! ہوٹل میں تو ہے یہ چنگ پکی چانا ناجاب ہوتی۔“

فائدہ ہے۔

”محنت ہے اور جنگ تھی جانا کوئی گناہ تو نہیں ہے۔“ وہ جیسے کسی بات کو سیریس نہیں لینا چاہتا تھا۔

”میرا شوق ہے۔“ اسے تو ہر بات کی ضد ہو جاتی تھی۔

”کیسا شوق ہے، دونا کیا سوچے گی؟“

”میں جو بھی کروں گا انہی مصلحتوں سے کروں گا“ اس نے

انگیم اپنے اس سر پھرے منے کو دیکھتی رہ گئیں۔ ہر اثنی بات وہ کرتا تھا، ہر وہ کام کرنا چاہتا جو اس

”تمہارا بے ابوسینس گے تو وہ بھی غصہ کریں گے۔“

مجھے مزید آپ نے کچھ بولا تو یاد رکھئے گا اس گھر سے تکی نکل جاؤں گا ڈھونڈتی رہے گا۔ وہ اپنی دکھبھاری ماں

رداؤ انجسٹ 47 اگست 2011ء

”مجھے دو پہر کی دال دو اور روٹی ہے تو دے دو“

باتھا مگر کہیں سے بھی معقول جواب نہیں مل رہا تھا آگے بڑھنے کی ضد باندھ رہی تھی ہر وہ کام کرنا جو اس کی

”ارے سہ! کہاں ہے تمہاری ماں؟ آگیا اس کا لڈلا؟“ نہیں کہاں کام کرتا ہے۔ محمد احمد کو بھی چین نہیں ہوتا

”کام کیسے کوئی دے گا؟ آپ کی شہرت ہی اتنی ہے سن کے ہی منع کر دیتے ہیں۔“ شہران بھی کب چپ رہتا، مزاح

جواب دیا۔

”اس لئے دیتا ہوں کہ آپ نے جوان لڑکی کو بھگا کے شادی کی جبکہ

جو دتھی کسا بڑی تھی کرنے کی آج ہمیں منہ دکھانے کا نہیں چھوڑا۔ شہزاد بھی ان کے سامنے ہی بیٹھا تھا۔ حمیرا

”تو گھر میں آتا ہے اور ہنگامہ ہوتا ہے، کبھی تو شہران سیدھی بات کیا کر پینا!“ وہ اسے ہی الناعن ملعن کرتی تھیں۔

”زیادہ بک بک مت کیا کر“۔ انہوں نے اس کے تھپڑ لگایا۔

”آپ بھی کچھ لفظ کیا کریں جو ان اولاد ہے اس کا کتنا منہ کھلا

راحمہ کو بھیجا یا۔

صحیح ہے۔ وہ بھی کب و بنے والوں میں سے تھے۔ شروع سے حمیرا بنیم کو مار پیٹ کے دبا کے رکھا۔ بچوں نے سچ

اپنے گھر میں بیٹی دیکھا۔ سہرا ان میں غصہ زیادہ آیا جبکہ دیوان کے لیے سید کے سر پر مارا اور ہر بات سے فری اور

بے جھجکی ہر بات بھائی کوئی شتائے کے تیس چوٹی کی سبزیوں کو کھانے کے لیے پائے تھے۔ یہ سبزیوں کے پائے تھے۔

نذر، ترہور، ترہڑے اس کے آگے رکھی جو جوتوں سمیت بند پر دراز تھا۔

”کون کون سا تاجدار؟“ شہزادہ نے پوچھا۔

”بھئی بھئی! حسمہ! جگمگتے ہو، انہیں تنہا کی ہمارنگی کی فکر بھی رہتی تھی، وہ اس کے روم میں چلی آئیں۔“

”نہ وقت، نہ ریل، نہ راست رکھا کرو، کبھی مزاج کو دھسایا بھی رکھا جاتا ہے۔“ انہوں نے اسے سکھایا۔ شہر ال

46 اگست 2011ء

تک کا کبھی خیال نہیں کرتا 'صرف غصہ و خمد کی وجہ سے' اسے وہ توجہ اور پیار نہیں ملا تو اس کی شخصیت میں اکھڑ پن آ گیا تھا۔ دوحیال والوں سے تو ملنا تک نہیں چاہتا تھا اگر کبھی کوئی گھر میں آ بھی جاتا وہ بغیر سلام دعا کے گھر سے نکل جاتا تھا۔

”خجے ذیشان ہی سجھائے گا میرے تو بس کا نہیں ہے۔“ وہ اکتا کر بے زاری سے کھڑی ہو گئیں۔

”بھائی جان کو میں نے پہلے ہی بتا دیا ہے میں چنگ چلی چلاؤں گا وہ بھی مجھے نہیں روک سکتے۔“ اس نے پھر اپنی

ضد پرائز کے کہا۔ حمیرا بیگم اس سے بحث کر کے مزید اس کی ضد کو پکائیں کرنا چاہتی ہیں۔

بند پر زور سے تویہ پھینکا اور لیٹ گیا وہ خود بھی اپنی عادت اور غصہ کی وجہ سے تنگ آ جاتا تھا۔ وہ غصہ اور ضد نہیں کرنا چاہتا تھا مگر جب جب اسے ابو کی باتیں یاد آتیں امی کا رونا بلکنا..... جب انہوں نے آج سے پندرہ سال پہلے شادی کی تھی کیسا ماحول ہو گیا تھا امی کوئی بی ہو گئی تھی پھر اپنڈ کس کا آپریشن کتنا طوفان آیا تھا۔ ابو کو جب بھی امی کا خیال نہیں آیا تھا اور امی آج بھی مشرقی بیویوں کی طرح شوہر کی خدمت میں لگی رہتی تھیں۔ دوسری بیوی انہیں چھوڑ کے دس سال بعد اپنے دو بچوں کو لے کے چلی گئی تھی ابو نے اسے بھی خوب مارا پیٹا تھا مگر ابو میں ان پندرہ سال میں یہ تبدیلی آئی تھی امی کو مارتے پیٹتے نہیں تھے۔

بلیک ایئر لائن اور ٹراؤزر پر شولڈر کٹ بالوں کی اونچی سی پونی ٹیل بنائے ذرا ایوگک سینٹ سے اتری تھی حمدان فرنیٹ سٹ بر تھا، گلازوں کی آگے پیچھے لمبی قطار تھی۔

فرنٹ سیٹ پر تھا، گاڑیوں کی آ کے پیچھے ہی قطاری۔
 ”حمدان! آپ اندر چلے میں گاڑی پارک کر کے آتی ہوں۔“ وہ دوبارہ جٹھی۔ حمدان کو عجیب لگا کہ وہ اتنے رش کو کراس کر کے گاڑی پارک کرنے جائے گی، وہ چلتا ہوا ڈرائیونگ کی طرف آیا۔
 ”نہیں! یہاں سے باہر نکلیں۔“

کو کراس کر کے گاڑی پارک کرے جائے وہ چمکا ہوا درخت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔
 ”آپ باہر نکلے گاڑی پارک میں کروں گا۔“ چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔ اریشما نے اپنی مسکراہٹ کو روکا۔
 زیادہ تر وہ بھی نہیں کیا، فوراً کھول کے باہر نکلی، فائل حمدان نے اس کے ہاتھ میں پکڑائی اور وہ مخصوص کلوں کی بھینسی بھینسی
 مکرر کر رہی تھی۔

مہنگ اس کے گرد بکھیر کے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ چکا تھا وہ لہتے دیٹھی۔
وہ جب تک گاڑی پارک کر کے آیا اس کے انتظار میں کھڑی رہی۔ ڈیڑی کو کہیں اور بھی جانا تھا اس لئے پہلے
اریشما کو صبح دیا۔

”چلیں اندر“۔ اریشما نے مسکرا کے اجازت لی۔ حمدان نے کی رنگ اسے تھمائی اور اثبات میں سر ہلا کے اس کی تقلید میں گلاس ڈور سے اندر آ گیا۔ بلیک ڈریس چینیٹ پر ہاف وائٹ فل سلیو کی شرٹ میں ملبوس اتنا ڈیسنٹ لگ رہا تھا کہ اریشما کی نگاہ بار بار اس پر پھسل رہی تھی۔

تھا کہ اریٹشماؤ کی نگاہ بار بار اس پر پھسل رہی تھی۔
 ہال کمرے میں وہ دونوں داخل ہوئے، لائٹوں کی روشنیوں میں پورا ہال جگمگا رہا تھا، لوگ بھی وہاں جمع تھے سب
 نے ہی ان دونوں کا پر تپاک خیر مقدم کیا تھا۔ حمد ان کو گزرے ہوئے دن یاد آ گئے جب ایسی ہی میٹنگ میں وہ ابو کے
 ساتھ داخل ہوتا تھا۔

ساتھ داخل ہوتا تھا۔
کچھ دیر میں روجیل سکندر بھی آ گئے تھے اور پھر مینگ کا آغاز ہو چکا تھا۔ حمدان نے بھی اپنے پوائنٹ دے کر اس سب کو حیران ہی کر دیا تھا۔ اریشما تو ہلکی پھلکی ہو گئی تھی، کوئی تو آیا ان کے بزنس کو سنبھالنے والا ورنہ تیور اور کامرانی چاچوڑیوں نے کاموقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔

چاچوڑ بولے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیے گئے۔
ڈنر دس بجے شروع ہوا تھا۔ حمد ان بار بار ریٹ وائچ دیکھے جارہا تھا۔ سات بجے سے وہ یہاں موجود تھا۔ وقت

کُڑنے کا احساس تک نہیں ہوا تھا۔

”سرا میں اب چلوں اگر آپ کی اجازت ہو تو؟“ اس نے روجیل سکندر کو مخاطب کیا جو لوگوں سے گفت و شنید میں مصروف تھے۔

”میں بھی چل رہی ہوں آپ کہاں کنوئیں کیلئے پریشان ہوں گے۔“ اریشما کی پورا وقت نگاہ ہی اس کی حرکات و سکنات پر تھی وہ فوراً ہی چلی آئی اپنا شولڈر بیگ سنبھالا۔

”میں چلا جاؤں گا ایسا مسئلہ نہیں ہے۔“ اسے ٹھیک نہیں لگ رہا تھا اپنی وجہ سے اسے تکلیف دینا۔
 ”آئے یہ فارمیسیں بہت نبھائے ڈیڈی! میں تو جا رہی ہوں پلینز آپ بھی جلدی آ جائے گا ورنہ می بہت
 پریشان ہوں گی۔“ وہ ردھیل سکندر کے بازو پر ہاتھ رکھ کر اشارے سے ہدایت دیتی چلی گئی۔

اس کے تازک سرخ و سپید دو دھیپا پاؤں پر ڈالی، لمبی ہائی ہیل تھی۔

”آف می! مجھ سے تو بھلا بھی نہیں جا رہا ہے۔“ وہ سی سی کرنے لگی۔ پارکنگ ایریا میں رش کم تھا مگر گاڑی تک جانا مشکل ہی تھا۔

”سیدھا کریں پاؤں۔“
 ”کیسے کروں..... نہیں ہو رہا ہے۔“ جھنجھلایا اکتایا ہوا لہجہ تھا۔
 ”گاڑی کی چابی دیجیے میں گاڑی تو لے کے آؤں آپ سے تو ذرا نیو بھی نہیں ہوگی۔“ وہ ناگواری سے دیکھنے

اک۔ کی رنگ اریثماء نے اسے تھمائی اور خود رنگ تھام کے کھڑی ہوئی۔
 ”عجیب شخص ہے پاؤں کو پچڑکے دیکھ تو لیتا۔“ اریثماء کو حمدان کے روکھے اور سرد مہر انداز پر کچھ غصہ آیا۔
 فرنٹ سیٹ پر وہ خود کو ہستی ہوئی بیٹھی۔ حمدان نے سہارا دینے کی ہمدردی تک نہیں کی۔ چہرے پر اتنی لامع

رکھتا وہ تو گنگ رہ جاتی۔ رات کے گیارہ بجے اس نے کسی ڈاکٹر یا ہسپتال کی طرف رخ تک نہیں کیا بلکہ اس کے بچنے کے اپنی گیٹ سے گاڑی اندر لا کے روکی۔ پورے راستے وہ گائیڈ کرتی رہی مگر حمدان ایسے بیٹھا گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا جیسے سن ہی نہیں رہا تھا، حیران رہ گئی جب مطلوبہ جگہ پر اس نے گاڑی روکی۔

”یہ لیجیے آپ کی منزل“۔ وہ گاڑی سے اترنے لگا۔
 ”کیا مطلب..... آپ اندر نہیں چلیں گے؟“ وہ بھی مشکلوں سے اتری چہرے پر تکلیف کے آثار تھے۔ پاؤں
 بندل سے آزاد کیے اس کے سامنے کھڑی تھی۔
 ”گاڑی، راسٹر کے آب کے گھر تک لے آنا اور نہ میرے

”بہت دیر ہو گئی ہے، میں صرف آپ کی تکلیف کی وجہ سے گاڑی ڈرائیو کر کے آپ کے کھر تک لے آیا اور نہ یہ ایسا ارادہ نہیں تھا۔“ گویا اس نے احسان ہی کیا۔

”ارے حمدان! میری بات تو سُنئے۔“ اس نے پھر پکار لیا۔ حمدان اس کے جدید عطر پر بے بسے بودیچہ سردارِ مہربان نہیں ہوا تھا۔ بڑا سا ہرا بھرا الان ہمیش بہا پودے اور درخت سب ہی کچھ قرینے سے لگے تھے۔

”حمدان کے ناگواری سے قدم رک گئے، دانت پیسنے جتنا اس لڑکی سے بچ رہا ہے یہ کیوں اس کے اعصاب پر سوا

2014ء - [49] -

ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ پرل ہی ہوگئی لان میں برقی قلموں کی روشنی میں حمدان کا چہرہ غصے سے تہمتار ہاتھا۔

”آپ ہر بات کو الٹا کیوں سوچتے ہیں؟“

”جب میرا پتہ ہے تو پلیز آئندہ مجھ سے بلاوجہ مخاطب ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ پھراتی تیزی سے گیا۔
ریٹشما کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا۔ ذرا بھی اس بات کا پاس نہیں رکھتا تھا کہ وہ اس کی پاس ہے اور وہ ایسا لائی ہے وہ تو ویسے بھی اس کے پاس زبردستی ہی کام کر رہا تھا اگر اسے اپنی باتوں میں الجھاتی نہیں تو وہ تو کبھی قابو نہیں آتا۔
اریٹشما کو یقین تھا وہ خود ہی اس کی جانب مائل ہو جائے گا۔

.....

کلاس لے کے نکلی تو ذیشان پر ہی اس کی نگاہیں تھیں جو بہت پریشان لگ رہا تھا کلاس میں بھی وہ غائب و مانع سے بیٹھا ہوا تھا۔ حرمانے کئی بار تشویش بھری جاگتی نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا تھا۔ ابھی بھی وہ خاموش بیٹج پر بیٹھا تھا۔

حرما کی سمجھ میں نہیں آیا اسے مخاطب کیسے کرے ہمیشہ کام کے حوالے سے ہی دونوں کے درمیان بات چیت ہوتی تھی مگر ذیشان کے معنی خیز جملے بھی کبھی ان کام کی باتوں میں ہوتے تھے وہ نروس بھی ہو جاتی تھی۔

”آپ اتنے چپ کیوں ہیں؟“ ہمت کر کے مخاطب کر ہی لیا۔ ذیشان نے چونک کر پنک پر غلط فہمیوں میں اس سادہ سراپے کو دیکھا اس لڑکی کو دیکھ کر اکثر اس کی تھکن پتہ نہیں کیوں اتر جاتی تھی۔

”شکر ہے آپ نے نوٹ تو کیا ورنہ میں تو سمجھا یہ بھی مجھے ہی بتانا پڑے گا۔“ اس نے مسکراتے لہجے میں خوش دلانہ طنز کیا۔ وہ جھینپ کے لب بھیننے لگی اس کی جگہ گائی آنکھوں میں وہ زیادہ دیر تک دیکھ ہی نہیں سکتی تھی۔

”آپ پورے لیچر کے دوران بالکل خاموش رہے تو مجھے حیرانگی ہوئی۔“

”واہ آج تو ہماری قسمت جاگ گئی کہ آپ نے لیچر چھوڑ کے صرف ہمارا جائزہ ہی لیا ورنہ ہم تو آپ کو دیکھتے تھے کہ آپ بھی ہم پر نگاہ ڈالیں۔“ ذیشان اس لمحے بالکل بھی ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ پریشان ہو بلکہ لہجے میں شوخیاں اور معنی خیزیاں موجود تھیں۔

”میں آپ سے یہ پوچھنے آئی تھی کوئی پریشانی ہے کیا؟ اتنے چپ کیوں ہیں۔“ وہ جھینپ گئی لیکن فوراً ہی خود کو نارمل بھی کیا۔

”پریشان ہوں۔“ وہ لمبی سانس بھر کے مسکرانے لگا۔

”میں ویسے ہی پوچھ رہی تھی آپ کی ذاتیات کے حوالے سے میں کچھ پوچھنا نہیں چاہ رہی آپ غلط نہیں سمجھئے گا۔“

”حرما! آپ خود اتنی نروس ہو رہی ہیں مجھے تو آپ خود پریشان لگ رہی ہیں۔“

”میں..... نہیں تو۔“ پلکوں کی جھلر عارض پر گھبراہٹ میں لرزنے لگی۔

”تم فکر نہیں کرو تعلیم مکمل ہوتے ہی آپ کو بھی اپنی پریشانیوں میں شامل کر لوں گا اگر آپ نے موقع دیا تو۔“ ذیشان کی آواز میں حسرت بھی تھی۔ حرمانے کچھ گھبرا کے جانے کیلئے پشت پھیری وہ سمجھ گیا کہ اس کی باتوں سے بوکھلا گئی ہے وہ بھی اس کے مقابل کھڑا ہوا۔ دو بج رہے تھے کچھ ہی دیر میں حرما کو نکلنا تھا لیل ماہ اس کا انتظار کر رہی ہوگی۔

”حرما! میری پریشانی سنے بغیر آپ چلی جائیں گی؟“ وہ قدرے توقف کے بعد پھر مخاطب ہوا۔

”آپ کی مرضی ہے بتانے والی ہے تو بتا دیں ورنہ چھوڑیں۔“ وہ ذیشان کی قربت سے پھلے سی لگی اس کے وجود کا احساس سانسوں کی آوازیں بھی محسوس ہونے لگیں۔

”حرما! آپ میرے چھوٹے بھائی کو تو جانتی ہیں ناں؟“

”جی۔“ اتنا ہی بولی۔

”وہ اپنی ایجوکیشن ادھوری چھوڑ کے بیٹھا ہے میں کہتا ہوں پڑھ لے مگر وہ ضد باندھ کے بیٹھا ہے پڑھنا ہی نہیں ہے۔“ ذیشان نے سنجیدہ لہجے میں اسے ساری بات بتا دی۔

”گھر میں پھر کوئی مسئلہ اٹھا اس کی وجہ سے۔“ حرمانے لب کھولے۔

”ہمارے پورے گھر کیلئے وہ مسئلہ ہے۔“ اس کی نگاہ لیل ماہ پر تنک گئی جو حواس باختہ اور پریشان بھی لگی۔

”آپ! میں تو پوری یونیورسٹی گھوم کے آگئی آپ کا کچھ آتا پتا نہیں تھا۔“ وہ پھولی پھولی سانسوں کے ساتھ بیٹج پر بیٹھی۔ ذیشان کے لب بے ساختہ مسکرا دیئے حرما بھی جھل سی ہو گئی۔

”آپ سمجھیں کہ آپ کی آپنی کو ذیشان احمد لے اڑا۔“

”جی نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔“ وہ شرمندہ سی ہونے لگی۔ حرما کے رخسار گرمی شوق سے تھما اٹھے اپنا بیک شولڈر پر درست کیا۔

”چلو۔“

”ارے سانس تو لینے دو مجھے۔“ لیل ماہ سمجھ گئی وہ کیوں گھبرانے لگی۔ ذیشان احمد کی دلچسپ اور پر شوخ نظریں حرما پر جو ٹھہری ہوئی تھیں۔ لیل ماہ کو بھی مزا آتا تھا ان دونوں کو آسنے سانسے دیکھ کر۔

”چلتی ہو یا میں جاؤں۔“ حرما کا لہجہ تیز ہو گیا۔

”اچھا اچھا۔“ وہ بھی کھڑی ہو گئی۔ ذیشان مسکرائے جارہا تھا۔ حرمانے ایک چورنگا اس پر ڈالی وہ اسے ہی بخور دیکھ رہا تھا۔

”میں بھی چلتا ہوں حرما! میں کل آپ کو تفصیل بتاؤں گا۔“ وہ گھر سے پینٹ پر بیوٹرٹ میں کتا ڈیسٹ لگ رہا تھا۔ لیل ماہ کی نگاہیں ستائی اس پر انھی ہوئی تھیں۔

”آپنی! کیا بتانے کو کہہ رہے تھے ذیشان احمد؟“ لیل ماہ نے اس کے بعد سرگوشی میں اس سے پوچھا۔

”تم تو بات کے پیچھے پڑ جاتی ہو جلدی چلو یہ لائے کدھر گئی۔“ حرمانے اب لائے کی بابت دریافت کیا۔ وہ منہ بسور کے رہ گئی مگر ضد کی تو وہ پوری تھی حرما کو ایسے تو بالکل بھی نہیں چھوڑے گی آخر بات کیا ہے جو ذیشان احمد نے تفصیل سے بتانے کو کہا۔

پوائنٹ میں تینوں سوار ہو چکی تھیں گھر سے چند اسٹاپ پہلے پوائنٹ اتار دیتا تھا ادھر سے پھر انہیں بس یا پھر رکشہ سے جانا پڑتا تھا مگر آج رکشہ بھی نہیں تھا۔

”لائے! وہ دیکھ ذیشان احمد کا بھائی چنگ جی چلا رہا ہے۔“ لیل ماہ کی توجہ حیرت سے آنکھیں پھٹ گئیں۔ حرمانے بھی چونک کر دو رنگا اٹھائی وہ سوار یوں کو ہٹا رہا تھا۔ سمجھ گئی ذیشان کیوں پریشان تھا۔

”لائے! مجھے یقین کیوں نہیں آ رہا ہے یہ چنگ جی چلا رہا ہے کیا ہو گیا ہے اس انسان کو سارے انوکھے کام لیں کرتا ہے۔“

”لیل ماہ! آہستہ بولو ہم سڑک پر کھڑے ہیں۔“ حرمانے دبی دبی آواز میں اسے سرنش کی۔ وہ جریزی ہو کر

چپ ہوگئی چنگ جی چلاتا وہ ان کے پاس ہی آیا۔ لیل ماہ کی ہر نی جیسی آنکھوں نے بلیک چنٹ پر بلیک فی شرٹ میں لمبوس شہران کی لمبی چوڑی شخصیت کو حیرانگی سے دیکھا۔

”آئیے کہاں جانا ہے؟“ وہ مخاطب تھا۔ حرمانے اپنی چادر کو سر پر ٹھیک کیا۔ لائب ان دونوں کو ہونٹوں کی طرح دیکھنے لگی اگر وہ بیٹھنے کو تیار ہوں گی تو وہ بھی بیٹھ جائے گی۔

”نہیں جانا ہمیں“۔ لیل ماہ نے اس دن کا گویا بدل لیا۔ شہران کو یہ تک چڑھی لڑکی جانے کیوں چونکا تھی وہ متوجہ ہونا نہیں چاہتا تھا مگر وہ ضرور الجھتی تھی۔ وہ پھر زکا نہیں اپنی چنگ جی کو آگے بڑھالے گیا، لیل ماہ بڑبڑا کے رہ گئی۔



اس کے پاؤں میں موج آئی تھی ڈاکٹر نے چین کمر وغیرہ بھی دیا تھا مگر اس کا پاؤں زمین پر رکھا ہی نہیں جا رہا تھا بیڈ پر ہی لیٹی تھی دو دن ہو گئے تھے آفس بھی نہیں جا رہی تھی۔ کامران چاچو اور چاچی نے سنا تو وہ فوراً ہی اپنی محبت دکھانے کے لئے اس کے پاس چلے آئے۔ وہ اتنا ہی کوفت اور بے زاری محسوس کرتی تھی۔

”بھابی! اریشما کی نظر وغیرہ بھی اتاری؟ ہماری اریشما ویسے ہی بہت حسین پری جیسی ہے۔“ چاچی کی مکھن بازی مبالغہ آرائی پر اس نے آنکھیں ہی بند کر لی تھیں۔ فوز یہ سکندر سمجھ رہی تھیں اریشما کو بہت ناگوار گزر رہا ہے۔

”میں نے سب سے پہلے نظر اتاری، صدق بھی دے دیا تھا۔“ وہ چاہ رہی تھیں کسی طرح اریشما کے روم سے نکل کے وہ باہر آ جائیں مگر وہ بیڈ پر دھرتا دے کے بیٹھی تھیں۔

”ہماری اتنی سی بی بی ہے پورے آفس کا کام سنبھالا ہوا ہے۔“

”چاچی! کچھ دیر کیلئے میں سو جاؤں۔“ اریشما کافی دیر سے ان کی چکنی چڑی باتوں کو برداشت کر رہی تھی۔

”ہاں کیوں نہیں لو مجھے خیال ہی نہیں رہا میں کیسے یہاں بیٹھ گئی سوچا بھی نہیں تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ وہ خود ہی شرمندہ ہوتی ہوئی انہی تھیں۔

اریشما نے سکون کا سانس لیا فوز یہ سکندر انہیں ہال کمرے میں لے گئی تھیں۔ اریشما نے کلاک پر نگاہ ڈالی تین بج رہے تھے اور اسے خبر تھی حمدان اپنا کام نہایت دلیلی سے کر رہا ہو گا مگر اسے جو کانٹریکٹ ملا تھا اس کی ساری تفصیل چاہیے تھی۔ ڈیڈی اسے آفس جانے نہیں دے رہے تھے چلا بھی تو نہیں جا رہا تھا ڈیڈی کو وہ جانتی تھی تیمور کی مداخلت پر کچھ نہیں بول رہے ہوں گے۔ ٹیلی فون سیٹ اٹھایا حمدان کے روم کا نمبر ملایا۔

”السلام و علیکم! میں اریشما بات کر رہی ہوں۔“ قدرے توقف کے بعد حمدان کی گیسیر آواز سامعتوں سے نکل آئی۔

”لیس میڈم! فرمائیے۔“

”کام کیسا ہو رہا ہے؟“ اس نے جھٹ پوچھا۔

”ٹھیک ہو رہا ہے مگر میں نے اس دن کی میننگ والے دن کی فائل کو کمپیوٹر میں سیو نہیں کیا ہے سر کہہ رہے تھے آپ کو چیک کروانی ہے۔“ وہ آرام سے بڑے پراعتماد انداز میں ساری تفصیل سے اسے آگاہ کر رہا تھا۔ اریشما اس کی بے مروتی پر دنگ تھی بھولے سے بھی اس کے پاؤں کے درود کا نہیں پوچھا تھا اتنا روکھا پیچا کیوں تھا کسی بات کو بھی اہمیت دینا شاید اس کے نزدیک عبت تھا۔

”آپ فائل لے کے گھر آجائیے۔“

”سوری میم! میں ابھی تو بڑی ہوں میں فائل سر کو دے دوں گا آپ آج رات تک اسے دیکھ لیجیے گا کل پھر سر لے آئیں گے آفس۔“ وہ خود ہی سب سیٹ کر کے اسے بتانے لگا۔ اریشما لب بھنج کے رہ گئی اس سے بحث کر کے اپنے متھے ہی لگانا تھا مگر فائل کی سب سے زیادہ فکر تھی۔

”مگر مجھے فائل ابھی دیکھنی ہے آپ اسی وقت آئیے فائل لے کے میں مجبور ہوں آفس نہیں آ سکتی آپ تو یہاں لے کے آ سکتے ہیں۔“ طنز میں ڈوبا لہجہ تھا۔ حمدان نے کچھ نہیں کہا اور ریسیور شیخ کے ہی رکھا۔ اریشما نے ناگواری سے ریسیو کوکان سے ہٹا کے گھورا جیسے وہ حمدان ہی ہو۔

”انداز اس انسان کے ایسے ہیں جیسے کسی ملک کا شہزادہ ہو۔“ وہ تن فنی کر رہی تھی۔

”شہزادوں کی طرح لگتا تو ہے، کبھی غور سے دیکھو۔“ دل کے اندر سے آواز آئی۔

بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔ چاچی کی وجہ سے کمرے سے نکلنا نہیں چاہتی تھی ورنہ پھر ان کی لامتناہی باتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔

”حمدان احمد! مجھے بھی تم سے جانے کیوں دلچسپی سی ہو گئی ہے تمہیں میں متاثر کر کے رہوں گی۔“ وہ مصمم ارادہ باندھ چکی تھی۔

”میں بھی دیکھتی ہوں کب تک نہیں آتے ہو تمہیں ضد ہے تو مجھے بھی ہو گئی ہے آنا تو پڑے گا تمہیں فائل لے کے۔“ سیل اٹھا کر ڈیڈی سے بات کرنے لگی ان سے حمدان کو ہی فائل لے کے بھیجنے کا کہہ دیا۔

”ہوں اب مزہ آئے گا مسٹر حمدان۔“ مسکرا کے آنکھیں بند کیں۔ حمدان کا انتظار کرنے لگی اتنا پہ تھا وہ آئے گا سرور کیونکہ ڈیڈی کا حکم رد تو کر ہی نہیں سکتا تھا۔

ایک گھنٹے کے بعد ہی ملازم نے اطلاع دی حمدان کے آنے کی۔ اریشما کی آنکھیں خوشی سے چمک گئی تھیں بیڈ سے پاؤں اتار مگر تکلیف کا احساس ہوا تو واپس اوپر کر لیے۔

”تم ایسا کرو انہیں ادھر ہی لے آؤ۔“

”بی بی وہ تو زکے کے موڈ میں ہی نہیں ہیں وہ تو مجھے بیگم جی نے کہا کہ آپ کو بتا دوں۔“ وہ تیز تیز آواز میں اس کے کان کے پردے پھاڑ دیتی تھی۔

”اچھا چلو آتی ہوں۔“ وہ دقتوں سے کھڑی ہوئی۔ مرجنڈا جا رجٹ کا پرنسٹن اس پر پلیم دوپٹہ شانوں پر سیٹ کے وہ پاؤں کو مشکل سے زمین پر رکھتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آ گئی چاچی ابھی تک موجود تھیں۔

حمدان نے اپنی نگاہ ڈالی اور کھڑا ہو گیا۔ اریشما نے بھی اپنا چہرہ سنجیدہ بنایا ہوا تھا۔

”یہ فائل ہے دیکھ لیں میں چلوں گا اب۔“ چہرے پر اتنی ناگواری اور درشتگی تھی۔

”بیٹھ جائیے آپ۔“ اس نے بھی حکم انداز میں کہا۔

فائل اٹھائی اور ورق گردانی کی کرشل کی نیمل پر ڈال دی۔

”آپ اتنے غصہ میں کیوں رہتے ہیں؟“ اریشما نے گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ مسز ڈائٹ پر فان ٹکری کلف لگی فل آستین کی شرٹ میں اپنی عمر سے زیادہ ڈینٹ لگتا۔

”آپ کو جو بھی کام کی بات کرنی ہے پلیز کیجیے میں غیر ضروری گفتگو ذرا پسند نہیں کرتا ہوں۔“ انداز سپاٹ اور نوت زد تھا۔

”اتنی اکر پتہ نہیں کیوں ہے اس میں۔“ وہ خفیف سی ہو کر پہلو بدل کر رہ گئی۔

تیس، دو تیز کے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اس کی چھنی حس کتنی تیز تھی فوراً ہی چونک گیا تھا وہ پھر ہٹ گئی کیونکہ شہر ان کے انوار پتوں دور سے بھی واضح ہو رہے تھے۔ اس نے جلدی جلدی پورا کھن دھویا بالٹی ٹب واش روم میں رکھے اور اپنے شانوں پر برابر کرتی ہوئی نیچے آ گئی۔

”پھپھو! دھل گئے سارے کپڑے“۔ دعا نے پوچھا۔
”ہوں“۔ وہ کچن میں آ گئی۔

”آئی! کیا بنا رہی ہو رات میں؟“ اپنے لئے چائے کا پانی چوبے پر رکھنے لگی۔
”لوکی گوشت“۔ حرما نے کام میں مصروف تھی۔
”یہ بھی کوئی انسانوں کے کھانے کیلئے ہے؟“

”نیل ماہ! زبان سنبھال کے بولا کرو جو بھی بپے صبر شکر کر کے کھایا کرو“۔ امی نے اس کی بات سن لی تو خشکیاں لہجے میں سمجھانے لگیں۔

”آپ کو پتہ ہے ناں مجھے لوکی نہیں پسند“۔ وہ منہ بنانے لگی۔
”پھپھو! آپ لوکی ہٹا کے صرف گوشت کھائیے گا“۔ دعا نے معصومیت سے مشورہ دیا، حرما مسکرانے لگی۔
”تم چپ کرو دادی اماں مت بنا کرو“۔ دعا کے سر پر چپٹ لگائی وہ ہنستی ہوئی بھاگ گئی۔
”حرما کے رشتہ کے لئے آرہے ہیں آج شام میں کچھ لوگ تمہارے ابو کے دوست کے جاننے والے ہیں“۔
”اتھ ہی امی نے یہ دھماکا بھی کیا۔

”کک..... کیا..... آئی کو دیکھئے“۔ نیل ماہ کے ہاتھ سے چائے اٹھ پلٹے ہوئے چھلک ہی گئی۔
حرما کی آنکھوں میں دیکھا وہ چپ چاپ روٹیاں بنانے میں لگ گئی۔
”ای! اتنی جلدی کیا ہے؟“ اسے اعتراض ہوا۔

”چپ کرو تمہارے ابو نے سن لیا تو اور شامت آئے گی میری میں نے ہی بیٹیوں کو سر پر چڑھا رکھا ہے جلدی سے کام ختم کر کے تیار ہو جانا“۔ وہ اسے سرزنش کرتی ہوئیں حرما کو ہدایت دیتی ہوئی چلی گئیں۔
”آئی! اذیشان احمد کا کیا ہوگا؟“ وہ سرگوشی میں فکر مند سی اس کے کان میں گویا ہوئی۔
”چپ کر جاؤ کیوں ہر وقت نام لیتی ہو“۔ وہ تو پہلے ہی پریشان تھی۔ کسی سے کیا کہتی ابو کے فیصلے کے آگے تو کسی لڑھی چوں چوں کرنے کی ہمت تک نہیں تھی۔

”مگر آئی! یہ تو فکر کی بات ہے ناں تمہاری پڑھائی بھی ادھوری اور اذیشان احمد کی بھی ادھوری ہے“۔
”نیل ماہ! کیوں تم بکواس کرتی رہتی ہو؟“ روٹیاں پکانے کے بعد رومال میں لپیٹ کے ہاٹ پاٹ میں رکھیں اور لب میں ہاتھ دھونے لگی۔

نیل ماہ خفیہ سی ہو گئی۔ حرما کا چہرہ اس دلچسپ سگتا ہوا ہور ہا تھا اس کے دل کی حالت بھی الگ تھی ابھی کون سے پتہ نہ کہنے شروع کئے تھے گھر والوں کو اس کی شادی کی فکر سوار ہو گئی۔ ابو سے تو وہ کچھ بول بھی نہیں سکتی تھی شروع سے اس نے فیصلوں کو ہی سنتی آئی تھی امی کو ہمیشہ ان سے ڈرتے ہوئے دیکھا، اب باز بھائی بھی کچھ تھیکے مزاج کے تھے وہ ان سے بحث وغیرہ کر لیتے تھے اور مزید آ کر ان کی بیوی نے ان کا مزاج اور ٹھیکھا بنا دیا تھا۔

(جاری ہے)

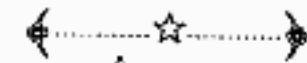
”میں نے ایسی غلط بات تو نہیں پوچھی“۔
”او کے میں چلتا ہوں“ آفس میں اور بھی کام پڑے ہیں جو کرنے ہیں“۔ اس پر جیسے اریشما کی کسی بات کا اثر ہی نہیں ہور ہا تھا جانے کیلئے تن کے کھڑا ہوا۔

”بیٹھ جائیے فائل ساتھ ہی لے کے جائیے گا“۔ اس نے بھی حاکمانہ انداز میں اشارہ کیا اور فائل اٹھا کر ورق گردانی کرنے لگی۔ حمد ان چہرے پر سنجیدگی ناگواری سجا کے رکھتا تھا، سامنے والا جھجک کے مودب بن کے رہ جاتا۔
ملازمہ نسرین لوازمات کے ساتھ کولڈ ڈرنک بھی لئے آئی۔ حمد ان نے حیرانگی سے اتنا کچھ دیکھ کر کوفت کا مظاہرہ کیا۔ ناشتہ ہی ابھی تک ہضم نہیں ہوا تھا بسکٹ نمکو چپس وغیرہ دیکھ کر گھبراہٹ ہوئی۔
”میم! میں یہ سب کچھ بالکل نہیں کھاؤں گا کیونکہ ناشتہ میں ٹھیک ٹھاک کر کے گھر سے نکلتا ہوں“۔ نسرین کو وہ لوازمات کی ٹیلیں ٹیل پر رکھتے دیکھ رہا تھا۔

”کوئی بات نہیں چکھ لیجئے گا“۔ خود کو فائل میں مصروف ظاہر کئے ہوئے تھی جبکہ وہ اس ناظم ذرا بھی فائل پر توجہ نہیں دے رہی تھی۔ وہ چپ ہی رہا۔ تقریباً بیس منٹ بعد فائل حمد ان کو دی۔
”باقی میں ایک دو دن میں آفس آ کر دیکھ لوں گی“۔ کولڈ ڈرنک سرو کرنے لگی جو حمد ان نے بلا تردد لے لی۔
”مجھے آپ سے تیمور احمد کے متعلق کچھ کہنا ہے“۔ سب لینے کے بعد اریشما کے چہرے پر نگاہ جمائی۔ وہ چونک گئی سمجھ تو گئی تھی ضرور تیمور اس کے پیچھے حمد ان سے اتنی سیدھی کر رہا ہوگا۔
”آپ تیمور کو بتا دیجیے گا میں آپ کا کلاس فیلو نہیں ہوں، فضول کے مجھ سے سوالات کرتے ہیں“۔ وہ خاصا برہم ہور ہا تھا۔

”پلیز حمد ان! صرف یہ جھوٹ بھالیں میں آپ سے التجا کرتی ہوں میں نے کسی مجبوری کی وجہ سے بولا ہے“۔
وہ جتنی لہجے میں گویا ہوئی۔ حمد ان نے بغور چونک کے اس کے لہجے پر غور کیا وہ واقعی پریشان تھی۔
”دیکھئے میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کسی خرافات میں پھانسنے کی کوشش مت کیجیے گا“۔
”ایسا کچھ نہیں ہے صرف مجبوری ہے اور کچھ نہیں اس کے علاوہ آگے کچھ نہیں ہوگا آپ بے فکر رہیں“۔ اریشما اس کے مشتعل ہونے پر بوکھلا گئی۔ حمد ان کو کچھ اس پر ترس بھی آیا کیونکہ بہت سنجیدہ لگ رہی تھی مگر وہ اریشما کی نگاہوں کو پہلے دن سے سمجھ رہا تھا وہ کیسے اسے دیکھتی ہے۔

”او کے میں اب چلوں گا“۔ یکدم ہی کھڑا ہو گیا۔ اریشما اسے روک بھی نہیں پائی۔



کپڑے بہت زیادہ جمع ہو گئے تھے نیل ماہ نے سوچا کہ مشین لگا لے اور سارے کپڑے دھو ڈالے۔ یونیورسٹی بھی دو دن سے وہ دونوں ہی نہیں جاری تھیں حرما نے پورے گھر کی جھاڑ پونچھ کی اور وہ ادھر چھت پر کپڑے دھو رہی تھی سیکنڈ فلور پر ہی مشین تھی وہیں وہ اور بھائی بھی کپڑے دھوتی تھیں۔

اس کا پورا دن ہی لگ گیا تھا 4 بج گئے تھے وہ مشین دھونے کے بعد کپڑے پھیلانے لگی پھر یونی اس نے بالکونی میں جا کر دیکھا اذیشان احمد کی چھت پر کوئی کتابیں پھیلائے بیٹھا تھا۔
”اوہ یہ شخص کر کیا رہا ہے؟“ نیل ماہ کو حیرانگی بھی ہوئی۔

شہر ان ڈاک گر سے ٹراؤزر پر ہاف سلیو کی شرٹ میں جیئر پر بیٹھا کسی کتاب میں منہمک تھا۔ وہ سائیڈ پر ہو کر دیکھنے لگی مگر اسے کافی دیر تک مبہوت زدہ سی دیکھتی رہی شہر ان کو بھی شاید خود پر نظروں کی تپش محسوس ہوئی نگاہیں ملی

نائلہ طارق

مکمل ناول

سرسبز

کڑا کے کی سردراتوں میں ضروری نہیں کہ ہر مخلوق اپنے اپنے ٹھکانوں میں جا کر دیک جائے کچھ مخلوقات کے لئے یہ ضرور دینے والی راتیں اہمیت رکھتی ہیں اور ان ہی ویران سنسان راتوں میں ظاہر ہوتی ہیں یہ رات بھی ان

اور ان میں سے ایک تھی شہر خوشاں سے جڑی اس طویل سڑک پر سرد اور خشک ہواؤں کے جھکڑ چل رہے تھے سرسبزاتی
بہاؤ اور سوکھے کھجورے پتوں کے درمیان بھاری قدموں کی دھمک بڑھتی جا رہی تھی وہ جانے کہاں سے نمودار ہوا
مکان اس وقت قبرستان کی دیوار کے ساتھ تیز قدم اٹھاتا چل رہا تھا عقب سے ہی بہت سارے کتوں کے بھونکنے کی
اور اس آدنی تھیں قدموں کی رفتار کم کئے بغیر اس نے گردن موڑ کر دیکھا تھا اگلے پل اس کے قدم رک گئے تھے
اس پادری والے گرتا پڑتا اپنی طرف آتا دکھائی دے رہا تھا اور اس کے تعاقب میں آتے وہ کہتے جو تعداد میں چار یا
پانچ تھے وہ دیوالہ بانٹتا ہوا اس کے قریب آچکا تھا۔

”مجھے بچاؤ“ تقریباً پانچ فٹ کی وہ مخلوق پھولی سانسوں کے درمیان اس سے التجا کر رہی تھی اگر نہ بھی کرتی
وہ کسی اب اسے اپنے بچاؤ کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا کیونکہ کتوں کا جلوس قریب آتا جا رہا تھا فائر کی دھماکے دار
ہاں چڑوینے والی آواز ہیبت ناک خاموشی کو چیرتی چلی گئی تھی کتے بدک کر بھونکنے واپس پلٹ بھاگے تھے
والور جلیٹ کی اندرونی جیب میں رکھتے ہوئے اس نے بس ایک نگاہ پانچ فٹ کی مخلوق پر ڈالی تھی جو فائر کی



آواز پر مٹھنوں میں سر چھپائے نیچے گری تھی مگر اب دوبارہ اٹھ کر اس کے پیچھے جاری تھی جو ایک بار پھر تیز قدموں کے ساتھ اپنی راہ ہولیا تھا۔

”اگر تم میری مدد نہ کرتے تو وہ کتنے مجھے قبر بھی نصیب نہ ہونے دیتے۔“ سردی سے کانپتا وہ لڑکا اس کے قدموں کا ساتھ دینے کی کوشش کر رہا تھا جو اس کے وجود سے بالکل بے نیاز چلتا چلا جا رہا تھا وہ لڑکا بھی اب خاموشی کے ساتھ اس کے ہمدردی کی سیدھ میں بڑھ رہا تھا۔ تاریک سڑک کا اختتام ہوا اور قبرستان بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ مین روڈ پر اس وقت رونق زیادہ نہیں تھی اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں پہلی بار اس نے تعاقب میں آتے لڑکے کو دیکھا تھا۔ اس کے قدم رک گئے تھے یکدم ہی اس مخلوق سے کراہت محسوس ہوئی تھی گرد سے اٹنے چھوٹے چھوٹے بال گردو غبار سے لتھڑا چہرہ عجیب بدہیت سا تھا۔ بد رنگی پنٹ کے ساتھ اس کے وجود پر ایک بھاری بھر کم جیکٹ لگی ہوئی تھی اس کے ہاتھ ہر کالک سے اور بدنما لگ رہے تھے جبکہ کندھے پر ایک تھیلے نما بیگ لٹکا تھا۔ بیزاری کے ساتھ سر جھٹکتا وہ پھر آگے بڑھنے لگا تھا مگر چند قدم دور جا کر اسے رکتا ہوا تھا۔

”اب اگر تم میرے پیچھے آئے تو میں ماروں گا تمہیں۔“ غصیلے انداز میں اس نے لڑکے کو وارن کیا تھا۔

”مجھے کچھ روپے دے دو کھانا کھاؤں گا۔“ صبح سے بھوکا ہوں۔“ میلے کپیلے اس لڑکے کی التجا کو وہ مستقل نظر انداز کرنا آگے بڑھ رہا تھا جب اس نے یکدم ہی پیروں میں گر کر کہا تھا۔

”آخری بار مدد کرو۔ میں سچ کہہ رہا ہوں مجھے صرف کھانے کے لئے روپے.....“ لڑکے کی التجا ادھوری رہ گئی تھی اس کی ایک ہی ٹھوکرنے اسے لڑکھا دیا تھا تب ہی قریب سے گزرتے بزرگ راہ گیر نے سرعت سے اسے سہارا دے کراٹھایا تھا۔

”بھلے انسان لگتے ہو اگر کچھ نہیں دے سکتے تو نہ دو مگر اللہ کی مخلوق کو ٹھوکرتا مارو۔“ اپنی جیب سے روپے نکالتے وہ نرم لہجے میں اسے شرمندہ کر گئے تھے۔

”آپ اپنے پیسے واپس رکھ لیں ورنہ یہ کل کسی اور کے سامنے ہاتھ پھیلائے گا میں اسے کھانا کھلا دیتا ہوں۔“ بزرگ سے مخاطب ہو کر اس نے ناگواری سے لڑکے کو دیکھا تھا۔ سڑک کے کنارے اس ہوٹل کے سامنے بیچ پر بیٹھا وہ لڑکا دونوں ہاتھوں سے کھانے پر ٹوٹا ہوا تھا جبکہ وہ خاموشی سے اس کی رفتار کو دیکھ رہا تھا۔

”مجھے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھانا چاہئے ورنہ پھر مجھے نیند آئے گی میرے پاس تو سونے کے لئے کوئی جگہ بھی نہیں ہے۔“ یکدم کھانے سے ہاتھ روک کر وہ لڑکا پھٹی آواز میں بولا تھا۔

”گھر سے بھاگ کر آئے ہو.....؟“ اس نے ناگوار انداز میں ہی پوچھا تھا۔

”گھر ہوتا تو بھاگتا..... کچھ دن پہلے میرا باپ مر گیا مکان مالک نے مجھے گھر سے نکال دیا میں جس ورکشاپ میں کام کرتا تھا اس کے مالک نے مجھے رات میں ورکشاپ کے اندر رہنے کی اجازت دے دی مگر پھر چوری کا الزام لگا کر آج مجھے ورکشاپ سے نکال دیا۔“ وہ لٹکے چہرے کے ساتھ بتا رہا تھا۔

”چوری کیوں کی تم نے.....؟“ اس نے پوچھا تھا۔

”کھانے کے لئے پیسے نہیں ہوتے تھے۔“ وہ منمنایا تھا۔

”دیکھو تمہیں کھانا چاہئے تھا وہ تمہیں مل گیا ہے مجھے تمہاری داستانوں سے کوئی غرض نہیں اور کھانا چاہئے تو بتا دو

میں اب مزید نہیں رک سکتا۔“ کوفت کے ساتھ اس نے کہا تھا۔

”میں تمہارے گھر کے سارے کام کروں گا چوری بھی نہیں کروں گا مجھے اتنی سردی میں یہاں مرنے کے لئے

پہوز کرمت جاؤ۔“ وہ لڑکا سبے انداز میں التجا کر رہا تھا۔

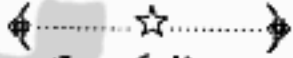
”میرے کندھے پر نہ چڑھو مرنے ہو تو مر جاؤ۔“ انتہائی اکثر انداز میں اسے جھڑک کر اس نے ہوٹل کے ملازم کو اشارے سے اپنی طرف بلا یا تھا کھانے کی رقم کی ادائیگی کے بعد جاتے ہوئے اس نے پلٹ کر بھی لڑکے کو نہیں دیکھا جو بقیہ کھانا جلدی جلدی ننگے ہوئے اس کی پشت کو ہی دیکھ رہا تھا۔



بوسیدہ تنگ و تاریک عمارت کی تیسری منزل کے فلیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے وہ ایک بل کے لئے سیڑھیوں پر رکتے ہوئے لڑکے کی طرف متوجہ ہوا تھا اور اندر چلا تھا جبکہ وہ لڑکا بھی سر جھکائے اسکے پیچھے داخل ہوا تھا مختصر سے کمرے کے وسط میں کھڑا وہ زرد بلب کی روشنی میں دیواریں تنگ رہا تھا جب دوسرے کمرے کا دروازہ کھلا تھا سرعت سے اس نے اپنی طرف پھینکے گئے ٹکٹے اور چادر کو سنبھالا تھا۔

”ایک طرف سو جاؤ اور صبح تمہاری شکل مجھے یہاں نہ دکھائی دے۔“ سختی سے تاکید کرتا وہ دروازے کے پیچھے گم ہو گیا تھا۔ دیوار کے ساتھ تکیہ لگا کر اس نے اطمینان سے سر تک چادر تان لی تھی پتا نہیں کتنا وقت گزر گیا تھا مٹھی نیند میں غوطے لگاتے ہوئے اسے اپنا وجود ہوا میں ازنا محسوس ہوا تھا اگلے ہی بل اس کا سر کسی سخت چیز سے ٹکرایا تھا بلبل کر رہا تھا وہ ہوش کی دنیا میں لوٹا تھا۔

”صبح ہو چکی ہے اب تم یہاں سے چلے جاؤ۔“ دھاڑتے ہوئے اس شخص نے اسکا تھیلہ بھی اس پر پھینکا تھا اگلے ہی بل دھماکے سے دروازہ بند ہو چکا تھا۔



کل کی طرح آج کی رات بھی رگوں میں خون منجمد کرنے جیسی سرد تھی تن بج رہے تھے جب وہ سیڑھیاں چڑھتا اب اسے دیکھ سکتا تھا جو اس وقت بھی سر جھکائے بند دروازے کے قریب بیٹھا تھا مگر اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اس خاموشی کے ساتھ اس کے پیچھے فلیٹ کے اندر داخل ہو گیا تھا۔

”اس میں تمہارے لئے کھانا ہے۔“ دروازہ بند کر کے اس نے شارپ لڑکے کی طرف بڑھا دیا تھا کمرے کی اکلوتی کرسی پر بیٹھا وہ اسکے فارغ ہونے کا انتظار کر رہا تھا جو بھوک سے بے تاب زمین پر بیٹھا رغبت سے گرم چاول نگل رہا تھا اور منٹوں میں سب چٹ کر گیا تھا۔

”نام کیا ہے تمہارا.....؟“ وہ پوچھ رہا تھا۔

”شر.....“ لڑکا منمنایا تھا۔

”شر..... تم نے جو کچھ اپنے بارے میں بتایا تھا اگر وہ سچ ہے تو تمہیں اندازہ نہیں کہ تم کس مشکل میں گرفتار ہو پانچ دن بے آسراہ سڑکوں پر بھٹکتے رہے تو تمہیں زمین ننگے گی یا آسمان تمہیں خود معلوم نہیں ہوگا اگر تم چاہو تو میں تمہیں ایسے ادارے تک پہنچا سکتا ہوں جہاں تم جیسے بے سہارا بچوں کو تحفظ دیا جاتا ہے۔“

”میں کسی ادارے میں نہیں جاؤں گا میں بچہ نہیں ہوں پورے سترہ سال کا ہوں۔“ لڑکا جھکے سر کے ساتھ بولا تھا۔

”تو پھر میری گردن سے بھی کیوں لٹکے ہو یہ جگہ تمہیں فلاحی ادارہ نظر آتی ہے؟“ غصیلی نظروں سے وہ اسے دیکھتا

ہوا تھا۔

”مجھے تو سمجھ نہیں آ رہا میں تمہیں برداشت کس طرح کر رہا ہوں اپنی حالت دیکھو کہیں سے انسان نظر نہیں

خالی شاہر ایک طرف پھینک کر اس نے قریب آتے شکر کو دیکھا تھا بہت زیادہ فرق تو نہیں پڑا تھا مگر کل کی نسبت وہ صاف سحر آدھائی دسے رہا تھا شاید اس نے اپنی بھاری جیکٹ بھی دھو کر پہن رکھی تھی۔

”کچھ کھایا تھا تم نے؟“ اس نے پوچھا تھا۔

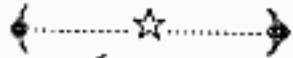
”صرف ڈبل روٹی تھی وہی کھائی تھی“۔ وہ سر جھکائے بولا تھا۔

”کل میں کچھ سامان لے آؤں گا روز پکاؤ گے تو کھاؤ گے“ میں مزید تنہاری خاطر مدارات نہیں کروں گا۔“
لہانے کی پلیٹ اسے تھا کر وہ اکھڑے لہجے میں جتا رہا تھا۔ فرش پر بیٹھا وہ کھانا کھاتے ہوئے ادھ کھلے دروازے کو بھی دیکھ رہا تھا جہاں سے ابھرتی عورت کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

”میرا شو ہر لندن سے کچھ دنوں کے لئے آرہا ہے اس لئے ہمارا رابطہ نہیں ہو سکے گا“ کیا تم کل بھی مجھے برداشت کر دے گے؟“ جواباً ہم بھاری آواز کو سننے کی کوشش کرنے کی تھی مگر ناکامی ہوئی تھی کچھ دیر بعد دروازہ مکمل بند ہو گیا تھا۔

غٹو دگی میں چڑیوں کے چہچہانے کی آوازوں کے ساتھ ایک واضح آواز سنائی دی تھی۔

”میرا ڈرائیور بہت بھروسہ مند آدمی ہے مگر اس کی وقت کی پابندی کی عادت اس وقت نہ رہی ہے۔“ بس یہیں تک اس کے ہواں بیدار ہوئے تھے اس کے بعد دوبارہ نیند گہری ہوئی چلی گئی تھی۔



نرے میں بہت سلیقے سے اس نے گرم چائے کا گلاس اور سینکے ہوئے ڈبل روٹی کے پیس رکھے تھے اور تیزی سے کمرے کی سمت بڑھ گیا تھا گیلے بالوں پر تولیہ پھیرتے ہوئے اس نے بس ایک نگاہ شہر پر ڈالی تھی اور پھر تولیہ وہیں بند پر پھینک کر شرٹ اٹھالی تھی۔

”کمرے میں داخل ہونے سے پہلے دستک دیا کرو“۔ شرٹ پہنتے ہوئے وہ اسے تاکید کر رہا تھا جس نے اثبات میں سر ہلا کر دوبارہ کمرے کی صفائی شروع کر دی تھی بند پر پھیلا کپڑا ملے کرتے ہوئے اسے ایک نازک سی ریٹ ایج ملی تھی جو کہ اس نے خاموشی سے لے جا کر نمبل پر رکھ دی تھی جہاں وہ کھڑے کھڑے ہی ناشتہ کر رہا تھا کچھ دیر بعد شہر نے وہ نوٹ بھی بھٹکے کے نیچے سے نکال کر نمبل پر رکھ دیئے تھے جو تقریباً ہر صبح ہی بھٹکے کے نیچے سے برآمد ہوتے تھے وہ اب حیران نہیں ہوتا گزرے کچھ ہفتوں میں اسے عادت ہو چکی تھی شکر کو یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ اب وہ جائے گا تو رات گئے تک ہی واپس آئے گا اور تنہا بھی نہیں ہوگا اور جو چہرہ اس کے ہمراہ ہوگا وہ کل یا پرسوں آنے والی مختلف عورتوں کا نہیں بلکہ کوئی نیا ہی چہرہ ہوگا اکثر صبح کسی آرائشی زیور کا کمرے سے دریافت ہونا بھٹکے کے نیچے سے گزارے نوٹ ملتا اب کوئی معذرت نہیں رہ گیا تھا گزرے دنوں میں اس نے تین یا چار راتیں باہر گزاری تھیں ہر بار وہ شکر کو باخبر ضرور کر گیا تھا کہ وہ رات باہر رہے گا اگر وہ نہ بھی بتاتا تو بھی شہر نے کوئی سوال نہیں کرنا تھا کیونکہ اس چھت کی اہمیت کا اندازہ اسے تھا سو خاموشی کے ساتھ وہ معاہدے کے عین مطابق یہاں مقیم رہنا چاہتا تھا آئینے کے سامنے بال سنوارتے ہوئے وہ کچھ چونک کر شکر کی طرف متوجہ ہوا تھا جو کچھ ہنگامہٹ کے ساتھ دونوں ہاتھ آپس میں رازتاً کچھ فاصلے پر آ رہا تھا۔

”تم باہر سے دروازہ بند کر کے مت جایا کرو دم گھٹتا ہے“۔ سبھی نظروں سے اسے دیکھتا وہ انک انک کر بولا تھا۔
”میں وعدہ کرتا ہوں ایک قدم بھی باہر نہیں نکالوں گا“۔ کمزور آواز میں بول کر شہر نے سر جھکایا تھا مگر اگلے ہی لمحے اس کے دل کی دھڑکن ساکت ہوئی تھی جب سامنے کھڑے شخص نے اپنے سر ہاتھ کے شکنجے میں اس کا چہرہ

آتے۔“
”کوئی مجھے انسان نہیں سمجھتا میری ماں بھی نہیں اسی لئے تو مجھے چھوڑ گئی۔“ یکدم لڑکے کی سسکی آواز پرو ساکت نظروں سے اسے دیکھتا چند لمحوں تک کچھ بول نہیں سکا تھا۔

”تمہاری ماں کہاں چلی گئی؟“ وہ پوچھ رہا تھا۔

”وہ اپنے دوسرے شوہر کے پاس ہے میرے باپ کی بیماری نے اسے مجھ سے بھی بیزار کر دیا تھا وہ گئی تو پچھلے کر نہیں آئی۔“ آنکھیں رگڑتا وہ لڑکا بھرائی آواز میں اسے کسی گھٹی ہوئی قبر میں اتار گیا تھا جس کی ہولناک تاریکی میں اس کی زندگی کے کئی قیمتی لمحات سسک رہے تھے ہچکچاہٹ بھرتے اس لڑکے میں اسے اپنا آپ دکھائی دیا تھا۔
”میں تمہیں یہاں رہنے کی اجازت دے سکتا ہوں اگر تم میری مرضی کے مطابق رہو گے تب۔“

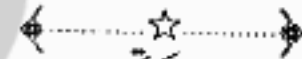
”میں ہر کام تمہاری مرضی سے کروں گا۔“ لڑکا فوراً ہی بولا تھا۔

”تو پھر غور سے سن لو یہاں رہتے ہوئے تم آس پاس کے کسی بھی شخص سے رابطہ نہیں رکھو گے یہاں کون آتا۔ کون جاتا ہے اس کے بارے میں کوئی سوال نہیں کرو گے کیونکہ مجھے مداخلت پسند نہیں میری غیر موجودگی میں قد باہر نہیں نکالو گے نہ ہی کوئی من مانی کرو گے۔“

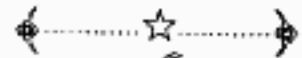
”میں ایسا ہی کروں گا۔“ لڑکے نے فرمانبرداری سے کہا تھا۔ ناگواری سے اسے دیکھتا وہ کرسی سے اٹھا تھا۔

”اور سب سے اہم بات یہ کہ مجھے گندگی سے نفرت ہے لہذا اکل تک اپنی حالت سدھار لینا۔“ اسے ہدایہ دے کر وہ جاتے جاتے رکا تھا۔

”اب آئندہ اس عورت کے لئے مت رونا جو تمہاری آہیں روندتی تمہاری زندگی سے نکل گئی تھی۔“ سرد لہجے میں اسے تاکید کرتا وہ کمرے میں جا کر بند ہو چکا تھا۔



کچن کی کھڑکی سے سورج کی تیز روشنی کمرے تک آچکی تھی جب وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا تھا سامنے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا بے قدموں جب وہ اندر گیا تو وہاں کوئی موجود نہیں تھا اس کمرے میں فرنیچر موجود تھا سینٹ کے فرش پر اسے کوئی چیز نظر آئی تھی اگلے ہی لمب وہ دنگ ہوا تھا وہ ٹوٹی ہوئی چوڑیاں تھیں اب تک اسے یہاں کسی عورت کا وجود دکھائی نہیں دیا تھا پھر یہ چوڑیاں؟ دماغ پر زور ڈالے بغیر اس نے کمرے اور ہاتھ روم کا جائزہ لیا تھا باہر والے کمرے اور ہاتھ روم سے زیادہ یہاں یہ دونوں بہتر حالت میں تھے کمرے سے باہر آ کر اس نے بیرونی دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر وہ باہر سے مقفل تھا۔



رات گئے دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے چونک کر گھٹنوں سے سر اٹھایا تھا اندر آتی اس عورت کے قیامت خیز وجود کو دیکھتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

”عارج! یہ لڑکا کون ہے؟“ حیران نظر شہر پر ڈالتی وہ عورت اس کے پیچھے کچن کی طرف گئی تھی مگر وہ خاموشی کے ساتھ شاہر میں سے کھانا نکالتا رہا تھا شہر آنکھیں پھاڑے اس عورت کو دیکھ رہا تھا جو اس شخص سے کچھ بول رہی تھی۔

”جلدی آ جاؤ میں انتظار کر رہی ہوں۔“ سریلی آواز میں بولتی وہ عورت لہراتی بل کھاتی کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

جکڑتے ہوئے اپنی طرف اٹھایا تھا۔

”اور اگر تم نے اپنے وعدے پر عمل نہ کیا تو یہاں سے نکالنے سے پہلے میں جو حشر تمہارا کروں گا ایک بار اس کے بارے میں ضرور سوچ لینا۔“ اس کے مدھم سخت لہجے پر شمر آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتا رہا تھا جو قدرے اس پر جھکا چند لمحوں تک اس کے خوفزدہ چہرے کو دیکھتا رہا تھا پھر ملنے سے جھٹکے سے اسے پیچھے بنانا کمرے سے باہر نکل گیا تھا مگر اپنی ٹھنڈی مسکور کن مہک اس کے ارد گرد چھوڑ گیا تھا جس کی ہتھیلیاں پسینے میں سوج گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

پکن کی کھلی کھڑکی سے آتی صبح کی تیز دھوپ کی روشنی اس مختصر سے کمرے میں بھری تھی وہ تولیے سے بھیجا چہرہ خشک کرتا کمرے سے باہر آیا تو پہلی نظر اس پر گئی تھی جواب تک سویا ہوا تھا اسے چکانے کی غرض سے قریب جاتے ہوئے وہ کچھ خٹکا تھا شمر نے منہ تک کبل اوڑھ رکھا تھا مگر اس کا ایک پیر کبل سے باہر پھیلا ہوا تھا کچھ عجیب محسوس کرتے ہوئے وہ بچیوں کے بل اس کے قریب بیٹھا تھا اور بغور اس کے پیر کو دیکھا تھا ٹخنے سے لے کر ذرا اوپر تک سنہری جلد کی سطح چکنی تھی صاف ستھرے پیر پتلی پتلی انگلیوں کی وجہ سے کچھ اور نازک دکھائی دے رہے تھے یکدم ہی چہرے کے بدلے تاثرات کے ساتھ وہ اسے جگائے بغیر اس کے پاس سے ہٹ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

بیڈ پر وہ کہنیوں کے بل مزے سے لینا کارٹون فلم ٹی وی پر دیکھ رہا تھا جب بے وقت دروازہ دھڑ دھڑایا تھا بوکھا کر کمرے سے بھاگتے ہوئے وہ ٹی وی بند کرنا ہی بھول گیا تھا جب تک اتارتے ہوئے عارج نے ایک نگاہ ٹی وی اسکرین پر اور دوسری نگاہ اس پر ڈالی تھی جو دروازے کے پاس کھڑا کسی شکل کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا اس کے سراو گردن کے گرد لپٹے مظفر نے اس کی شکل کو اور مضحکہ خیز بنا رکھا تھا۔

”میں نے کمرے کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا بس ٹی وی۔“ اس کی خاموشی پر شمر خوفزدہ ہو کر بولا تھا۔

”ایک گلاس پانی لے کر آؤ۔“ اسے حکم ملا تھا جان بخشنے پر وہ دوڑ کر ایک گلاس پانی لے آیا تھا اور اس کے غار ہونے کا انتظار کرنے لگا تھا جو بیڈ کے کنارے بیٹھا جوتے اتار رہا تھا جوتے ایک طرف بناتا وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا شمر کی ربڑ کی ہڈی میں سرد لہریں دوڑیں تھیں جب عارج نے ایک گہری نظر سر سے لے کر پیر تک اس پر دوڑائی تھی اور پانی کا گلاس اس سے لے لیا تھا۔

”ایک کپ چائے بھی بنا دو گے۔“ بغور شمر کے فق ہوتے چہرے کو دیکھتا وہ بولا تھا جو خشک ہوتے حلق کے ساتھ سر ہلاتا سرعت سے باہر نکل گیا تھا لرزتے ہاتھوں سے چائے بنا کے تیاری کرتے ہوئے اس نے گردن موڑ کر کمرے کی جانب دیکھا تھا جہاں وہ پانی کے گھونٹ لینا عجیب سی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا شمر کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو رہے تھے گزرے دنوں میں عارج نے کبھی اس پر توجہ نہیں دی تھی نہ ہی کبھی ایک گلاس پانی لانے کا حکم دیا تھا اور سب سے حیرت انگیز بات کے وہ کبھی سر شام واپس نہیں آتا تھا مگر آج یہ سب کام وہ کر رہا تھا اور شدید ٹھنڈ کے باوجود شمر کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

بیدار ہونے کے بعد بھی وہ کچھ دیر تک آنکھیں بند کئے گھن گرج کے ساتھ ہوتی بارش کی آواز سناتا رہا تھا سر ہانے رکھی شرٹ پہنتا وہ کھڑکی کی سمت آیا تھا آسمان کے تیور واقعی خطرناک تھے چند لمحوں تک وہ باہر کا جائزہ لینا رہا تھا اور پھر بھرے بالوں میں انگلیاں پھیرتا دروازے کی سمت بڑھا تھا ایک قدم ہی کمرے سے باہر نکلا تھا جب نظر

رداؤ انجسٹ [62] اگست 2011ء

میں جانب گیلری کے کھلے دروازے کی طرف گئی تھی جہاں شمر مکمل بھیگا گیلری میں جمع ہوتے پانی کو باہر کی طرف پینٹ رہا تھا اس کی کوشش کے باوجود کافی پانی کمرے میں آ گیا تھا عارج نے ایک نظر سامنے دیوار پر لگی بھاری برتنی جیکٹ کو دیکھا تھا اور پھر دوبارہ جانچتی نظروں سے اسے جو اس کی موجودگی سے قطعی لاعلم تھا شدید سردی سے بڑا ہوتا وہ برتنی بارش کا پانی سمیٹ رہا تھا مگر جہاں بادل بھیانک آواز میں گڑ گڑاتے وہ دونوں بازو سر پر لپیٹ کر ٹخنوں کے درمیان پھنسا لیتا۔

گیلے کپڑے بدل کر اس نے کانوں کے گرد اچھی طرح مظفر لپٹا تھا اور جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ از سے چولہے لے پاس جا کھڑا ہوا تھا جہاں چائے ابل رہی تھی سردی سے کانپتے ہوئے وہ وہیں کھڑا گرم چائے کے گھونٹ بھر کر گرم کرنے کی کوشش کر رہا تھا جب خوشبو کے تیز جھونکے نے اسے چونک کر پلٹنے پر مجبور کیا تھا سیاہائی نیک کے ساتھ سیاہ لیدر کی جیکٹ میں ملبوس اس قد آور شخص کو دیکھنے کے لئے شمر کو کافی حد تک سراو پر اٹھانا پڑا تھا۔

”دوبارہ بارش میں مت بھیگنا۔“ اس کے سرد لہجے اور چھٹی نظروں پر شمر کا چہرہ مزید سفید پڑ گیا تھا جھٹکے سر کے ساتھ وہ لیدر کے جوتوں کو دیکھ رہا تھا جو بیرونی دروازے کی سمت جارہے تھے۔

☆.....☆.....☆

اپنی مخصوص جگہ پر گرم کبل میں دبکا چور نظروں سے وہ کمرے کی جانب دیکھ رہا تھا جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر وہ آئینے کے سامنے موجود بھیگے بالوں اور شانوں کو تو لے سے خشک کر رہا تھا شمر کو حیرت ہو رہی تھی کہ اتنی سردی میں اور اتنی رات میں وہ ٹھنڈے پانی سے نہا کر بغیر شرٹ کے کتنے آرام سے کھڑا ہے وہ واقعی بہت مضبوط انسان ہے اسے دیکھتے ہوئے شمر متاثر ہو رہا تھا چاہتے ہوئے بھی وہ اپنی نظر اس پر سے نہیں ہٹا رہا تھا اکثر ہی اس کا دل چاہتا تھا کہ اس شخص کو دیکھتا رہے اس سے باتیں کرے مگر کبل ناک تک چڑھائے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا جواب اپنے چمکتے بال سنوار رہا تھا کوئی کشش تھی اس میں وہ ساری حسین اور امیر عورتیں بلاوجہ تو اپنے روپے نچھاور نہیں کرتیں خیالات کا تسلسل ٹوٹا تھا جب شمر نے اسے یکدم اپنی جانب متوجہ ہوتے دیکھا تھا سرعت سے وہ کبل میں پورا چہرہ چھپا گیا تھا اس کے دل کی دھڑکن بڑھنے لگی تھی قدموں کی آہٹ اب قریب آچکی تھی۔

”بارش پھر ہو سکتی ہے تم یہاں سو نہیں سکو گے؟ چاہو تو کمرے میں آ جاؤ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“ گمبیر آواز پر کبل کے اندر اس کی روح فنا ہوئی تھی۔

”نہیں..... میں یہیں سونا چاہتا ہوں۔“ کبل میں منہ چھپائے وہ کمزور آواز میں بولا تھا۔

☆.....☆.....☆

گیلری کی باؤنڈری پر لڑکا وہ سڑک کی چہل پہل کو دیکھ رہا تھا جب نیچے رکتی لمبی سیاہ کار پر اس کی نظر میں ٹھہر گئی تھیں کار میں سے پہلے برآمد ہونے والا شخص سوٹ بوٹ میں ملبوس تھا جبکہ برآمد ہوتے دوسرے شخص نے شمر کو بری طرح چونکا تھا وہ یقیناً عارج تھا جو بگڑے تیوروں کے ساتھ کچھ کہتا سونڈ بونڈ شخص کی گرفت سے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ شخص اس سے بھی زیادہ بگڑے انداز میں اس کا بازو کھینچتا اب عمارت کے اندر آ رہا تھا سرعت سے بھاگتا ہوا شمر دروازے کے پاس جا کھڑا ہوا تھا جب دروازہ دھماکے دار آواز کے ساتھ لرزٹھا شمر تیزی سے دروازہ کھول کر بدک کر پیچھے ہٹا تھا اور دنگ ہو کر عارج کو دیکھا تھا جو اس شخص کے دھکیلے جانے پر لڑکھڑاتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا تھا۔

”کہاں جا رہے تھے تم اس عورت کے ساتھ؟ بتاؤ مجھے ورنہ میں آج تمہیں جان سے مار دوں گا۔“ ٹائی کی ناٹ

رداؤ انجسٹ [63] اگست 2011ء

ڈھیلی کرتا وہ شخص اس پر دھاڑ رہا تھا، جوں بے خوفی سے اس شخص کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا تھا۔
 ”کچھ نہیں بولو گے، گونگے بہرے بنے کھڑے رہو گے، تمہیں بہت پہلے ہی مر جانا چاہئے تھا۔“ قیمتی لباس میں ملبوس وہ شخص غصے میں بھڑکتا اس کے قریب گیا تھا اور بے دریغ بھاری پھپھڑاس کے چہرے پر مارنے شروع کر دیئے تھے جبکہ کوئی مزاحمت کئے بغیر وہ خاموشی سے اس شخص کے تھپڑ کھاتا رہا تھا، شدید اشتعال میں وہ شخص اس کی گردن دبوچے کھینچتا ہوا کمرے میں جا رہا تھا، دروازے سے چپکے شمر کو سانپ سونگھ گیا تھا، وہ شخص مسلسل دھاڑتے ہوئے اب اپنا جوتا اتار کر اس پر تازہ توڑ برسا رہا تھا۔

”تم نے مجھے کسی کے سامنے سرائٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا جیتے جی مجھے موت کے شکنجے میں پھینک دیا ہے، تم نے خود کو نہیں مجھے تباہ کر دیا ہے۔“ بغیر رکے جوتا اس کے سر اور پشت پر برساتا وہ شخص چلا رہا تھا۔
 ”تمہاری ماں نے بھی میرے ساتھ یہی کیا تھا، اس کا گندہ خون تمہاری رگوں میں دوڑ رہا ہے، تم بھی اس کے نقش قدم پر چل رہے ہو، نہ اس کا کوئی کردار تھا نہ تمہارا ہے۔“

”مجھے اس عورت کا طعنہ مت دیں۔“ اس تمام عرصے میں پہلی بار وہ جس طرح چلایا تھا، ساکت کھڑے شمر کا دل دھڑکنا بھول گیا تھا۔

”اپنی ناکامیوں کا بدلہ مجھ سے لینے کے بعد اب سکون سے بیٹھتے کیوں نہیں؟ آپ سب نے رلنے کے لئے دھکیلا ہے اس غلامت میں مجھے یہی انجام ہونا چاہئے تھا میرا۔“ خون آلود ہوتے چہرے کے ساتھ حلق کے بل وہ چیخا تھا۔

”میں نہیں، تم بدل لے رہے ہو مجھ سے، صرف تمہارے لئے میں اس عورت کو برداشت کرتا رہا تھا، اس لئے نہیں کہ وہ میری بیوی تھی بلکہ اس لئے کہ وہ تمہاری ماں تھی، میں تمہیں اس سے محروم نہیں کرنا چاہتا تھا، مگر دولت کی ہوس نے اسے اندھا کر دیا تھا، تمہارے آنسو تمہاری پکاریں بھی اس کے قدم نہیں روک سکی تھیں، تم بتاؤ کیا قصور ہے میرا؟ صرف یہی کہ اس عورت کی ضد میں، میں روپے بنانے کی مشین بن کر کچھ وقت کے لئے تمہیں بھول گیا تھا، میری بھول کی اتنی کڑی اور طویل سزا مت دو مجھے، نکل آؤ اس غلامت سے، یہ جگہ تمہارے لئے نہیں ہے، تمہارے علاوہ کون ہے میرا، تم سے بڑھ کر مجھے کوئی شے عزیز نہیں، اپنی زندگی بھی نہیں، مت بڑھاؤ میرے صبر کا امتحان، بھول جاؤ اسے جس نے تمہاری قدر نہیں کی، وہ تو کمن ہے اپنی زندگی میں مگر ہزاروں بار پھانسی تم مجھے لگاتے رہے، ہو میرا سب کچھ تمہارا ہے کس چیز کی کمی ہے جو تم ان غلط طور طریقوں میں غرق ہو، مان لو میری بات، نکلو اس گڑھے سے، میں اور برداشت نہیں کر سکتا۔“ تھکے لہجے میں وہ شخص اس سے التجا کر رہا تھا، جو آگ کی طرح تپتے چہرے کے ساتھ سرعت سے جا کر ہاتھ روم میں بند ہو گیا تھا۔

”عارج.....“ وہ بری طرح بھڑک کر چلائے تھے۔

”یہ حقیقت ہے تم اپنی ماں جیسے ہو، میں نے اس سے محبت کی تو وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی، میں نے تم سے محبت کی تو تم نے بھی وہی سزا دی، فرق صرف یہ ہے کہ اس بار ساری دنیا مجھ پر تھوک رہی ہے۔“ ہاتھ روم کے بند دروازے کے پاس کھڑا وہ شخص چیخ رہا تھا، مگر کب تک..... تھکے ہارے انداز میں وہ کمرے سے باہر نکلنے کے لئے آگئے آئے تھے۔

”کون ہو تم؟“ کڑی نظروں سے اس شخص نے شمر کے خوف سے زرد ہوتے چہرے کو دیکھا تھا۔

”نوکر.....“ وہ بمشکل بول رہا تھا جبکہ اس شخص نے پلٹ کر ہاتھ روم کے بند دروازے کو دیکھا تھا۔

رداؤ انجسٹ 64 اگست 2011ء

”یہ اوقات تھی تمہاری کہ تم ایسے نچلے گھنیا لوگوں میں رہو، لعنت ہے تم پر، تمہاری زندگی پر۔“ خونخوار انداز میں چیخا وہ شخص باہر نکل گیا تھا، جب سرعت سے جا کر شمر نے دروازہ بند کیا تھا، مبادا وہ دوبارہ نہ چلا آئے۔

”وہ چلے گئے میں نے دروازہ بند کر دیا، اب تم باہر آ جاؤ۔“ ہاتھ روم کا دروازہ تھپتھپاتے ہوئے اس نے اطلاع پہنچائی تھی، چند لمحوں بعد ہی دروازہ کھلا تھا وہ سرخ آنکھوں اور چہرے کے جن خطرناک تیوروں کے ساتھ شمر کی طرف آیا تھا، پشت کے ساتھ پیچھے ہٹتے ہوئے اس کی آنکھیں بھی خوف سے پھیل گئی تھیں جبکہ وہ لب بھینچے اسے گھورتا ایک جھٹکے میں اس کی گردن اپنے ہاتھ میں دبوچ چکا تھا، گھٹی گھٹی چیخوں کے ساتھ اپنی گردن آزاد کروانے کی کوشش میں شمر کا چہرہ متغیر ہو رہا تھا، اس کی سانس رک رہی تھی، دوسری جانب اس کی گردن اپنے شکنجے میں جکڑے وہ اسے بند پر گرا چکا تھا، شمر کی چیخیں بلند ہو گئی تھیں جب اس نے شمر کے مستعمل مزاحمت کے لئے چلتے ہاتھ گرفت میں لے کر اس کے سر کی طرف رکھ دیئے تھے، اس پر جھکاؤ شعلہ بار نظروں سے اسے گھور رہا تھا، جو اس کی گرفت میں تڑپتا مچلتا اب غصے میں چیخا بے قابو ہو رہا تھا۔

”ساری دنیا میں بے وقوف بنانے کے لئے میں ہی ملا تھا۔“ خونخوار نظروں سے اسے گھورتا وہ دھاڑا تھا۔

”ہاں میں لڑکی ہوں۔“ وہ ایک پل کو دنگ ہوا تھا، مگر پھر اس کا تھپڑ شمر کے چہرے سے لکرایا تھا، اس بار جوانی کا رروائی کے لئے شمر کا ہاتھ آزاد ہوا تھا، اس کے زوردار کئے نے ناک میں درد کی لہر دوڑادی تھی، اسی موقع کا فائدہ اٹھا کر شمر اس کی گرفت سے نکلا تھا، مگر وہ بھی فوراً سنبھلتا سرعت سے اس کے پیچھے دوڑتا ہوا گیا تھا، اس کے ہوش اڑے تھے جب اس نے شمر کو گیلری کی باؤنڈری پھلانگتے دیکھا تھا، بجلی کی سی تیزی سے اس نے شمر کا باؤنڈری پر رہ جانے والا بازو پکڑ لیا تھا، جبکہ باقی اس کا سارا وجود ہوا میں لٹکا ہوا تھا، عارج کے ہوا میں گم ہو چکے تھے شمر کی جینٹ کا کارڈ بوپے وہ بس اسے اوپر کھینچ لینا چاہتا تھا، ورنہ ذرا سی بھی غلطی اتنی اونچائی سے گرا کر اس کی ہڈیوں کا چور اپنا ڈالتی، اب ایک عجیب کشش تھی عارج اسے اوپر کھینچنے کی جدوجہد کر رہا تھا، اور وہ اس کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش میں مگر اس کی کوشش ناکام ثابت ہوئی تھی، اس کے کندھوں کے گرد بازو لپٹنے ہوئے عارج نے ایک آخری جھٹکے کے ساتھ اسے باؤنڈری سے کھینچا تھا، بگڑے توازن کے ساتھ اسے بھی گرفت میں پکڑے وہ پشت کے بل فرش پر گرا تھا، مگر اب اس چیز کی اسے پرواہ نہیں تھی، پسینے میں شرا ہو گھرے سانس بھرتا اس کے رونے کی آواز سن رہا تھا، جو اس کے سینے پر ڈھیر تھا، آہستہ آہستہ حواس بحال ہوئے تھے جب غصیلے انداز میں شمر کے بے جان وجود کو پرے دھکیلتا وہ اٹھ بیٹھا تھا، چہرے سے پسینہ صاف کرتے ہوئے اس کا دماغ ماؤف تھا، اگر وہ بروقت نہ پہنچتا تو کیا ہوتا؟ اب تک پولیس اس کے فلیٹ تک پہنچ چکی ہوتی اور پھر..... شمر کا بازو پکڑے وہ اسے کھینچتا ہوا واپس کمرے تک آیا تھا۔

”میں تمہیں سڑک سے اٹھا کر لایا، رہنے کے لئے چھت دی، کھانے کے لئے روٹی دی، اور تم نے یہ صلہ دیا کہ اپنے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر کر میرے لئے جیل کی سلاخیں تیار کرنے کا ارادہ کر لیا۔“ بلند آواز میں وہ اس پر چیخ رہا تھا، جس نے چہرہ بازوؤں میں چھپایا ہوا تھا۔

”مرنا ہی ہے تو سڑک پر جا کر مر، میرے سر پر بیٹھ کر میرا ہی بیڑا غرق کرنے پر کیوں تیار ہو تم؟“ وہ مزید دھاڑا تھا۔

”تو اور کیا کرتا میں؟ تم جو میرے ساتھ کرتے اس کے بعد بھی تو مجھے یہی کرنا تھا۔“ ہچکیوں کے درمیان اس نے کہا تھا۔

”کیا کرتا میں تمہارے ساتھ بتاؤ مجھے؟“ وہ پھر دھاڑا تھا۔

”دیر سے ہی سہی مگر تمہاری حقیقت جان لینے کے بعد بھی تبھی میں نے تمہیں اس چیز کا احساس ہونے دیا کہ تم

لڑکی ہو میں کبھی تمہارے پاس آیا ہاتھ لگا تمہیں؟“ شعلہ بار نظروں سے اسے گھورتا وہ بولا تھا۔
 ”اب میرے سامنے بیٹھ کر ماتم کر دیکھو بتاؤ اور کتنے جھوٹ بولے ہیں تم نے مجھ سے؟“ ورنہ حشر بگاڑ دوں گا تمہارا۔“

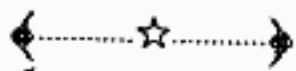
”میں نے اپنے بارے میں جو بتایا تھا وہ سچ تھا“ میں وہی ہوں جو نظر آ رہا ہوں میری ماں کو بیٹا چاہئے تھا اس نے مجھے اپنی خواہشوں کے مطابق ڈھال لیا میں خود نہیں جانتا میں کون ہوں کیا ہوں میری ماں میری شناخت کم کر کے خود بھی چلی گئی مگر مجھے اپنی اس روپ کا یہ فائدہ ہوا کہ جب میں اپنے باپ کے علاج کے لئے اس شہر آیا تو اپنے باپ کا بازو بن گیا اگر میں اس کی بیٹی بن کر رہتا تو کئی راتیں اس شہر کی سڑکوں پر وہ کیسے مجھے تحفظ دیتا ایک لڑکی کو کون ورکشاپ میں نوکری دیتا۔“ زار و قطار روتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

”اگر اس رات تم مجھے نہ ملے تو میں عزت کے ساتھ وہی کام کرتا جو کام ابھی کرنے سے تم نے مجھے روکا ہے اس دنیا میں زندہ رہنا مشکل ہے عزت کے ساتھ زندہ رہنا اس سے بھی زیادہ مشکل مگر تم یہ بات نہیں سمجھو گے تمہیں کیا معلوم عزت کیا ہوتی ہے۔“ اسی طرح روتے ہوئے اس کے قدم باہر کی طرف بڑھے تھے دوسری جانب چند لکھوں تک سنانے میں ساکت کھڑے رہنے کے بعد وہ اس کے پیچھے ہی آیا تھا خاموشی کے ساتھ وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتا رہا تھا جس نے چہرہ گھٹنوں میں چھپا رکھا تھا۔

”اس رات میرے ہی پیچھے آنے کا مقصد؟“ وہ پوچھ رہا تھا۔
 ”کیونکہ مجھے یقین تھا کہ تحفظ مجھے تم سے مل سکتا ہے اس دن ورکشاپ سے نکلنے کے بعد میں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ مجھے موت دے دے یا کسی فرشتے کو میرے لئے بھیج دے۔“ بیگلی آنکھوں سے اس نے عارج کو دیکھا تھا۔
 ”پھر..... دیکھ لیا تم نے فرشتے کا اصلی چہرہ؟“ تلخ لہجہ میں پوچھا وہ اس کے جھکے سر کو دیکھ رہا تھا اور پھر اس کی خاموشی پر سر جھٹکتا سامنے سے ہٹ گیا تھا۔

فرش کے اکھڑے سینٹ کو ناخن سے مزید کریدتے ہوئے اس نے قدموں کی آہٹ پر بھی سر نہیں اٹھایا تھا جبکہ اس کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے عارج نے کچھ شاپرز اور ایک سوٹ کیس اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔
 ”ان شاپرز میں تمہارے لئے کچھ کپڑے اور ضرورت کی چیزیں ہیں میں نے ایک ہاسٹل میں تمہارے رہنے کا بندوبست کر دیا ہے وہ جگہ تمہارے لئے بہتر اور محفوظ ہے ان میں سے کوئی لباس نکال کر پہن لو میں ایک گھنٹے بعد تمہیں ہاسٹل چھوڑ آؤں گا۔“ اس کی ہدایت پر شمرنے اسے دیکھا تھا۔
 ”مجھے کسی ہاسٹل میں نہیں جانا۔“ اس نے ہٹ دھرمی سے کہا۔
 ”تو پھر کیا جنم میں جانا ہے تمہیں۔“ وہ ہنرک اٹھا تھا۔

”یہاں رہنے سے تو اچھا ہے جا کر کسی فٹ پاتھ پر بیٹھ جاؤ یہاں سے جانے میں ہی تمہاری بہتری ہے اور میں تم سے جان چھڑا کر آسمانوں پر نہیں جا رہا ہوں“ ملنے آتا رہوں گا میرے باپ نے جاسوس چھوڑ رکھے ہیں میرے پیچھے اسے اگر ہنک بھی لگ گئی کہ میں نے اپنے ساتھ ایک لڑکی کو رکھا ہوا ہے تو وہ یہاں آ کر ہنگامہ اٹھا دے گا اور میں تمہارا اتنا شہ نہیں لگوانا چاہتا۔ وہی راستے ہیں تمہارے پاس یا تو میری بات مان لو یا پھر ہمیشہ کے لئے اپنی شکل گم کر لو ایک رات سڑک پر گزر اردو بھینڑیوں کا مجمع تمہارے گرد لگے گا تب تمہیں میں یاد آؤں گا مگر اس وقت تک بہت دیر ہو چکی ہوگی۔“ غصیلے انداز میں فیصلہ اس پر چھوڑتا وہ پلٹ کر اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔



ست قدموں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اس نے ایک نگاہ اپنی روم میٹ پر ڈالی تھی جو کانوں سے ہیڈ فون ہٹاتے ہوئے حیرت سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔
 ”ابھی تو تم گئی تھیں اتنی جلدی آگئیں کیا بس جھلک دکھانے گئی تھیں۔“ مدحت کی حیرانگی پر شاپر نیل پر بھیکتی وہ اوندمے منہ اپنے بیڈ پر گر گئی تھی۔

”معاف کر دو یار! میں بھول گئی تھی کہ وزینگ روم میں بیٹھ کر کوئی راز و نیاز نہیں چلتے وہ جب بھی آتا ہے تم سے بس تین سوال ہی تو کرتا ہے تم ٹھیک ہو؟ یہاں کوئی مسئلہ تو نہیں ہے؟ کسی چیز کی ضرورت ہے؟ اور ظاہر ہے جو اب تم نے صرف سر کو ہی حرکت دینی ہوئی ہے۔“ مدحت نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

”دیکھو تو آج کیا آیا ہے تمہارے لئے؟“ تجسس کے ساتھ شاپر اٹھائے مدحت اس کے بیڈ پر آ بیٹھی تھی۔
 ”یار پلیز! روٹا دھونا بعد میں کر لینا پہلے یہ پیزا کھا لو مجھ سے صبر نہیں ہو رہا۔“ مدحت نے زبردستی اسے اٹھایا تھا۔
 ”مجھے نہیں کھانا تم یہ سب کھاؤ۔“ آنکھیں رگڑتی وہ بھرائی آواز میں بولی تھی۔

”مجھے یہ سب تنہا ختم کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن اگر جو تمہارے کزن کو پتا چل گیا تو وہ جو کھانے پینے کی چیزیں تمہارے لئے لاتا ہے ان میں سے آدمی سے زیادہ میں ہڑپ کر جاتی ہوں تو اس نے تو میری گردن دبا دینی ہے ویسے وہ اتنا کیوٹ اور ہینڈسم ہے کہ میں تو کیا ہاسٹل کی ساری لڑکیاں اس پر مرنے کے لئے تیار بیٹھی ہیں۔“ پیزا کھاتے ہوئے مدحت نے شرارتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”ہاسٹل کی ان ساری لڑکیوں کی طرح مت بنو تم جو ہر ایرے غیرے مرد کے آگے ہنسی جاتی ہیں بات کرنے کے بہانے ڈھونڈتی ہیں پتا نہیں تم سب کو کیا ملتا ہے دوسرے مردوں پر نظر رکھ کے۔“ وہ شدید نفرت کے ساتھ بولی تھی۔

”بڑا برا لگتا ہے ذرا ادھر تو دیکھو۔“ مدحت نے ہنستے ہوئے اس کا چہرہ اپنی طرف کیا تھا اور پیزا اس کے منہ میں ٹھونس دیا تھا۔

”دن رات تم پر لگا کر تمہیں انسان بنایا ہے کیوں رو رو کر اچھی خاصی شکل بگاڑتی ہو۔“ مدحت نے اسے ڈپٹا تھا۔

”ایسی شکل کے ساتھ اس کے سامنے جاتی رہو گی تو جو تین سوال وہ کھڑے کھڑے کر لیتا ہے تم اس سے بھی جاؤ گی اب آئندہ ذرا تہذیب کے ساتھ اس کی پذیرائی کے لئے جانا۔“
 ”مجھے یہ سب کرنا نہیں آتا۔“

”اس سے چیزیں اور روپے لینا آتا ہے۔“ مدحت نے اسے گھورتے ہوئے بات کاٹی تھی۔
 ”میں نہیں لینا چاہتی مگر وہ تو مجھے منع کرنے کا وقت بھی نہیں دیتا ایسے سب کچھ تمہا کر نکل جاتا ہے جیسے میں کوئی فقیر ہوں۔“ وہ گلو کیر لہجہ میں بولی تھی۔

”کتنا غلط سوچتی ہو تم ہو سکتا ہے وہ اپنی مصروفیت کی وجہ سے ندرکتا ہو۔“ مدحت نے ناراضگی سے ٹوکا تھا۔
 ”کتنی پابندی سے وہ ہر دو تین دن بعد تمہاری خیریت دریافت کرنے آتا ہے ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو ہاسٹل کے چار جز دیتا ہے کپڑے جو تے یہاں تک کہ شیپو اور ٹوتھ پیسٹ تک تم اس کا ہی لایا ہوا استعمال کرتی ہو اور پاکٹ منی وہ الگ تمہیں دیتا ہے مگر تم نے کبھی اس کا شکر یہ ادا نہیں کیا ہو گا مجھے پتا ہے۔“ مدحت نے اسے گھورا تھا۔

”میں اس کی احسان مند رہنا چاہتی ہوں اس لئے شکر یہ ادا نہیں کرتی۔“ وہ پھولے چہرے کے ساتھ بولی تھی۔
 ”نظر آتا ہے کتنی احسان مند ہو وہ جب بھی یہاں آ کر واپس جاتا ہے گھنٹوں تم یا تو منہ بجائے بیٹھی رہتی ہو یا منہ سر لپیٹے آنسو بہاتی رہتی ہو بھال ہے جو کبھی مسکرا کر اس کا ذکر کرلو۔“ مدحت نے اسے گھر کا تھا جو خاموش بیٹھی تھی۔
 ”سنو! کچھ دن بعد ہمارا انگلش لئیکچر کورس مکمل ہو جائے گا میں سوچ رہی ہوں اس پارلر سے بیٹیشن کورس بھی کر لیں جس کا اشتہار اخبار میں ہم نے دیکھا تھا۔“

”مگر وہ تو بہت بھاری فیس لے رہے ہیں۔“ ثمر نے حیرت سے کہا تھا۔

”بے وقوف“ تم یہ تو دیکھو وہ اس شہر کا نمبرون پارلر ہے ان کا کورس مہنگا ہے مگر یہ بھی سوچوں کہ کورس مکمل ہونے کے بعد وہ ہمیں اپنے ہی پارلر کی برانچز میں جاب دیں گے اور ان کا تو شغلیٹ ہی کافی ہے شہر کے دوسرے پارلر بھی ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے یہ موقع ضائع مت کرو نہ ہی میں تمہیں ایسا کرنے دوں گی ذرا سوچو جاب ملنے کے بعد تم اپنا پیسہ خود کماؤ گی اپنی ضرورت کے لئے تمہیں کسی کی طرف دیکھنا نہیں پڑے گا اپنے اس کھڑوس کزن کی طرف بھی نہیں۔“ مدحت اسے کنوینس کرتے ہوئے بولی تھی۔

”لیکن ابھی اس کورس کے لئے تو تمہیں اس کی طرف دیکھنا ہی پڑے گا۔“

”نہیں مدحت! وہ پہلے ہی لئیکچر کورسز کے لئے مجھے بہت رقم دے چکا ہے مجھے اچھا نہیں لگے گا مزید کوئی مطالبہ کرنا اور پھر اتنی بھاری رقم وہ کہاں سے لائے گا اور کیوں دے گا۔“

”اس سے پہلے بھی تو وہ تمہاری ضرورتیں پوری کرتا رہا ہے اور پھر تم اسے یقین دلادینا کہ جاب ملنے کے بعد تم سال بھر میں ہی اس کی رقم واپس لوٹا دو گی۔“ مدحت کی بات نے اسے سوچ میں ڈال دیا تھا۔ وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی وہ کب تک اس شخص کے روپے خرچ کرتی رہے گی جس پر اس کی کوئی ذمہ داری بھی نہیں تھی وہ اگر دوبارہ پلٹ کر نہ آئے تو بھی وہ کوئی حق نہیں رکھتی تھی کہ اسے آواز دے اسے واقعی اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی ضرورت تھی آخر کب تک اس طرح چلے گا ایک نہ ایک دن اس شخص نے اس بوجھ سے نجات حاصل کر لی تھی ہے اسے مینے گزرنے کے باوجود اگر وہ ہاسٹل میں اسے رکھ کر نہیں بھولا ہے تو یہ اس کا عظیم احسان ہے۔“

☆.....☆.....☆

نفاست سے ڈیکورینڈ وزینگ روم کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی نظریں دروازے تک آ کر رک گئی تھیں جہاں سے وہ اندر داخل ہو رہی تھی آج پہلی بار اسے دیکھتے ہوئے وہ کچھ چونکا تھا ہاسٹل میں لڑکیوں کے درمیان رہتے ہوئے اس میں بہت تبدیلی آ چکی تھی اس کے بالوں کے ساتھ اس کے قدم میں بھی ہونے والا اضافہ آج بخوبی دکھائی دے رہا تھا سفید لفافہ ہاتھ میں تھا وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا تھا۔

”اس میں صرف پانچ ہزار کم ہیں وہ میں تمہیں کل دے دوں گا۔“ لفافہ اس کی طرف بڑھائے وہ بولا تھا۔
 ”یہ کس لئے ہیں؟“ وہ دنگ ہوئی تھی۔

”دو دن پہلے جب میں آیا تھا تو واپسی میں گیٹ پر مجھے تمہاری روم میٹ نے روک لیا تھا وہ بتا رہی تھی کسی کورس کے بارے میں۔“ وہ بتا رہا تھا جبکہ وہ نظر نہیں اٹھا سکی تھی مگر اسے مدحت پر بہت غصہ آ رہا تھا۔

”آئندہ اپنی ضرورت کے بارے میں مجھ سے جو کہنا ہے خود کہنا کسی دوسرے انسان کو میرے پیچھے بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ اس کے ناگوار لہجے پر شمر کا چہرہ اتر گیا تھا۔

”میں نے اسے نہیں بھیجا تھا میں نہیں جانتی وہ کب.....“

”بہر حال جو بھی ہے آئندہ خیال رکھنا۔“ کوئت کے ساتھ اسے روکتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھا تھا۔
 ”جواب ملتے ہی میں یہ ساری رقم واپس کر دوں گی۔“ شرمندگی اور خفت سے سرخ ہوتے چہرے کیساتھ وہ بول رہی تھی جبکہ عارج نے رک کر حیرت سے اسے دیکھا تھا۔
 ”میں بھی چاہتا ہوں کہ تم جلد از جلد جاب حاصل کر لو میں کب تک یہاں حاضری دینے آتا رہوں گا۔“ سرد لہجے میں وہ بولا تھا اور اگلے ہی پل اس کے دھواں دھواں ہوتے چہرے سے نظر ہٹاتا باہر نکل گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

شہر کی مصروف شاہراہ پر موجود پٹرول اسٹیشن پر وہ بھی دوسرے درگزر کی طرح مخصوص یونیفارم میں ملبوس آنے والی گاڑیوں کو پٹرول مہیا کر رہا تھا تب ہی اس کے سامنے ایک سیاہ کارر کی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر موجود شو فر نے حق و حق نظروں سے اسے دیکھا تھا مگر پھر اس کے پیشہ ورانہ انداز پر پٹرول کی مقدار بتا دی تھی پٹرول فل کرتے ہوئے عارج نے ایک نگاہ پچھلی سیٹ پر براجمان شخص پر ڈالی تھی جو بگڑے تاثرات اور چھتی نظروں سے اسے ہی گھور رہا تھا اسے معلوم تھا کہ اس کا باپ اس وقت شعلوں میں گھرا ہوا ہے وہ ہرگز یہ برداشت نہیں کر پارہا ہوگا کہ اس کا بیٹا یہ معمولی نوکری کر کے اسے مزید ذلت دے رہا ہے۔

☆.....☆.....☆

”جلدی کرو وہ انتظار کر رہا ہوگا۔“ مدحت نے اسے مزید حواس باختہ کیا تھا شانوں تک آتے تراشیدہ بالوں کو پونی ٹیل میں جکڑتے ہوئے اس نے غلٹ میں سلپرز پہنے تھے۔

”یہ لو اپنا گفٹ اتنی محنت سے پیک کیا ہے ذرا تمیز سے اور مسکرا کر دینا“ پہلی بار اس سے لینے کے بجائے کچھ دے رہی ہو۔“ پیکٹ اسے تھماتے ہوئے مدحت نے سختی سے تائید کی تھی۔

”اگر اس نے غصہ کیا تو میں کیا کہوں گی اس سے؟“ شمر کی جان نکلتی جا رہی تھی۔

”وہ ہرگز غصہ نہیں کرے گا یہ گفٹ دیکھ کر ویسے بھی تم پر جو کچھ وہ خرچ کر رہا ہے ایک نہ ایک دن سود سمیت واپس وصول کرے گا تو شروعات ابھی سے کر دو۔“ مدحت نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کہا تھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کے کمرے میں سے باہر دھکیل دیا تھا۔ وزینگ روم میں اس کا چہرہ دیکھتے ہی شمر کی زبان لنگ ہو گئی تھی۔

”کل رات میں کہاں تھیں تم؟“ اس کے سامنے کھڑا وہ پوچھ رہا تھا جبکہ شمر کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔

”میں..... یہیں تھی۔“ وہ ہکلائی تھی۔

”جھوٹ بول رہی ہو تم۔“ اس کی غراہٹ پر شمر کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔

”میری ساری فرینڈز باہر کھانا کھانے جا رہی تھیں وہ مجھے بھی.....“ آنکھوں میں بھرتی۔ چوں نے اس کی آواز حلق میں گھونٹ دی تھی۔

”دوبارہ تمہیں رات کے وقت باہر گھومتے دیکھ چکا ہوں مگر تیسری بار صرف دیکھوں گا نہیں۔“ اس کے سخت لہجے پر وہ سر جھکائے ساکت کھڑی تھی۔

”سارے کام دن کی روشنی میں ختم کیا کرو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا مگر رات کے وقت اس ہاسٹل سے باہر قدم مت نکالنا۔“ اس بار لہجے میں سختی بہت زیادہ نہیں تھی مگر شمر کا اتر چہرہ کھلنے لگا تھا یکدم ہی اسے باز پرس کرنے کا یہ انداز پرسکون کرنے لگا تھا وہ واقعی اس کی کتنی فکر کرتا ہے اسکے دن رات کی خبر رکھتا ہے یہ سب ایسے ہی تو نہیں ہے وہ مزید کیا بول رہا ہے اس پر کوئی توجہ نہ دیتے ہوئے اس نے دوپٹے میں چھپا پیکٹ نکالا تھا۔

”یہ کیا ہے؟“ عارج نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

”گفٹ ہے مجھے اچھا لگا تو.....“ جھجکتے ہوئے وہ بات مکمل نہیں کر سکی تھی۔ پکٹ کھولتے ہوئے عارج نے ایک نظر اس کے چہرے پر دوڑتی سرخی کو دیکھا تھا، نظر جھکائے وہ اس کے کچھ کہنے کی منتظر ہی تھی جب ماربل کے فرش پر چھناکے سے شیشی کی کرچیاں بکھر گئی تھیں۔ مساکت نظروں سے وہ اسے دیکھ رہی تھی جس کا چہرہ مکمل سپاٹ تھا۔

”ہاتھ سے پھسل گیا، مگر تمہارا بہت شکریہ۔“ وہ سپاٹ لہجے میں مخاطب ہوا تھا جبکہ وہ خاموشی اور تیز قدموں کے ساتھ وزینگ روم سے نکل گئی تھی۔

☆.....☆

تیز دھوپ میں وہ سڑک کے کنارے ایک شاندار ریزم کے پاس کھڑا تھا، روپے کی ادائیگی کر کے وہ اپنی پلیٹ ہاتھ میں لئے وہیں لکڑی کی بیچ پر آ بیٹھا تھا، بد مزہ چاول نکلتے ہوئے اس نے بس ایک نگاہ کچھ فاصلے پر رکئی سیاہ کار کو دیکھا تھا اور پھر اپنی توجہ کھانے پر ہی رکھی تھی، مگر چند لمحوں بعد اسے اپنی طرف آتے ہوئے ڈرائیور کی طرف متوجہ ہونا پڑا تھا۔

”آپ کو سرنے بلایا ہے۔“ ڈرائیور نے موڈب انداز میں کہا تھا، پلیٹ ایک طرف رکھ کر اس نے اپنی کہنیوں تک فولڈ آئین نیچے کر کے بٹن بند کئے تھے اور خاموشی سے ان کی طرف بڑھ گیا تھا، جو پھرے بیٹھے اس کے پسینے سے بھیکے سرخ چہرے کو گھور رہے تھے۔

”کیوں بلایا ہے مجھے؟“ دندو پر جھکتے ہوئے اس کا انداز پر اعتماد تھا۔

”میرا خون جلانے کی قسم کھا رکھی ہے تم نے، جو غلیظ کام تم نے کئے ہیں اس کے بعد یہ کسر رہ گئی تھی کہ تم غلاظت اپنے حلق میں انڈل رہے ہو۔“ وہ غصیلے انداز میں بولے تھے۔

”شاید اپنی قیمتی گاڑی کے اسے سی کی ٹھنڈک میں بیٹھ کر آپ کو اس سڑک پر چلتے پھرتے لوگ بھی کیزے کھڑے نظر آتے ہوں گے اور غلاظت کی بات مت کریں میں نے تو ہر سانس ہی غلاظت میں لی ہے میرے لئے یہ نئی چیز نہیں ہے۔“ وہ سرد لہجے میں بولا تھا۔

”چھوڑ دو اپنی ضد عارج! اس طرح کچھ کے لگا لگا کر تم مجھے قبر میں اتار دو گے۔“ عالم افروز بکھرے ٹونے لہجے میں بولے تھے۔

”سنا ہے آپ کی باؤفا بیوی بھی بہت ضدی عورت تھی۔“ عارج کے لہجے میں کچھ تھا جو ان کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے، شدید ناگواری کے ساتھ وہ اسے دیکھ رہے تھے جو سڑک کر اس کرنا دوسری سمت نکل گیا تھا۔

☆.....☆

کھڑکی سے آتی چاند کی تیز اور ٹھنڈی روشنی اس کے ارد گرد پورے بند پر پھیلی تھی مگر اس چاندنی کے حصار میں اس کا بے چین وجود سر سے پیر تک جھلس رہا تھا۔

”شر! کیا ہوا نیند نہیں آ رہی؟“ نیم غنودگی آواز میں مدحت پوچھے بغیر نہیں رہ سکی تھی دوسری جانب چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے مدحت کو دیکھا تھا۔

”مدحت اگر تمہیں یقین ہو کہ اس وقت تمہارا منگیتر کسی دوسری عورت کے ساتھ ہے تو کیا تم سکون سے سو سکتی ہو؟“ اس کے عجیب سے لہجے نے مدحت کو بھک سے اڑایا تھا۔

”آدمی رات کو کیسے کیسے سوال کر رہی ہوں پاگل ہو گئی ہو کیا؟“ مدحت کی حیرانگی پر وہ خاموش رہی تھی۔

☆.....☆

8 گھنٹے کی محنت و مشقت کے بعد جب وہ فلیٹ میں داخل ہوا تو جسم تھکن سے چور تھا، بند پر گرتے ہی اس کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئی تھیں، پتا نہیں کتنا وقت گزر گیا تھا، جب دروازے پر ابھرتی مسلسل دستک نے اسے بیدار کیا تھا۔ دنگ نظروں سے عارج نے اسے دیکھا تھا جو اس سے نظر چرائے اب اندر داخل ہو رہی تھی۔

”تم یہاں کس کے ساتھ اور کیوں آئی ہو؟“ وہ حیرانگی سے پوچھ رہا تھا۔

”مدحت اپنے منگیتر کے ساتھ کہیں جا رہی تھی وہ دونوں مجھے یہاں چھوڑتے ہوئے گئے ہیں۔ وہ مدھم آواز میں بتا رہی تھی۔“

”تمہیں کیا ضرورت تھی یہاں آنے کی؟ یہ جگہ اس قابل ہے جو تم بلا سوچے سمجھے یہاں تک آ گئیں۔“ وہ غصیلی نظروں سے اسے دیکھتا بولا تھا جو اب وہ سر جھکائے خاموش تھی۔

”میں یہاں تمہیں کچھ دیر بھی نہیں رکنے دوں گا ابھی واپس چلو میرے ساتھ۔“ جھنجھلائے انداز میں بولتا وہ کمرے میں چلا گیا تھا اور چند لمحوں بعد واپس باہر آتے ہوئے رک کر اسے دیکھا تھا، جو اس سے پہلے ہی جا کر دروازہ مقفل کر چکی تھی۔

”صرف دو گھنٹے کی بات ہے، مدحت مجھے یہاں سے لیتے ہوئے ہاشل جائے گی۔“ بلا خوف و خطر وہ اس کی غصیلی نظروں میں دیکھتی بولی تھی۔

”میں کل ہی تمہارے ہاشل جا کر بات کرتا ہوں اور پھر میں دیکھتا ہوں تم میری اجازت کے بغیر کیسے وہاں سے نکلتی ہو۔“ اس کے مشتعل ہو کر دھمکانے کا شر پر اثر نہیں ہوا تھا، بیگ شانے سے اتار لی وہ خاموشی سے پنن کی طرف بڑھ گئی تھی، ایک گلاس پانی بھر کر دھیرے دھیرے پیتے ہوئے اس نے اپنے اعصاب کو پرسکون رکھنے کی کوشش کی تھی اور پھر پلیٹ کر کمرے کی طرف آ گئی تھی۔

”دو گھنٹے تک مجھے تمہاری آواز سنائی نہ دے۔“ آنکھوں سے بازو ہٹائے بغیر وہ سخت لہجے میں اسے تاکید کر گیا تھا، چند لمحوں تک وہ خاموش کھڑی اسے دیکھتی رہی تھی، مگر پھر دبے قدموں چلتی بند کے نزدیک آ گئی تھی، بند آنکھوں کے ساتھ وہ اپنے قریب اس کی موجودگی کو محسوس کر سکتا تھا، بہت زیادہ وقت نہیں گزرا تھا، اس سے پہلے کہ وہ اس قفل ہو جاتے کرنٹ کھا کر اٹھتے ہوئے اس کا بھاری ہاتھ خود پر جھکے چہرے سے نکلایا تھا، ایک چیخ کے ساتھ وہ فرش پر گر چکی تھی، خونخوار نظروں سے اسے دیکھتا وہ کمرے سے باہر نکل جانا چاہتا تھا، مگر وہ سرعت سے اٹھ کر اس کے راستے میں آ کھڑی ہوئی تھی۔

”کیا ہے ان عورتوں میں جو میرے پاس نہیں ہے، تمہیں پیسہ چاہئے میں دوں گی۔“ اس کا گریبان جھنجھوڑتی وہ حلق کے بل چبھتی تھی۔

”بکو اس بند کرو۔“ وہ شدید اشتعال میں دھاڑا تھا۔

”میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔“ میرے سامنے خود کو پیش کر کے مت گراؤ اپنی ذات کو، مٹی میں مت ملاؤ میری دن رات کی محنت کو۔“ اس کے بال منگی میں جکڑے وہ شعلہ بار لہجے میں بولا تھا۔

”نہیں چاہئے مجھے تمہاری عزت، تمہاری خیرات۔“ آنسوؤں میں ڈوبتی آواز کے ساتھ وہ اب اس کا گریبان آنکھوں سے لگائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

”میں جانتی ہوں مجھے کوئی حق حاصل نہیں، مگر میں نہیں برداشت کر سکتی کسی دوسری عورت کو تمہارے نزدیک، میرا

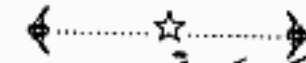
دم گھٹنے لگتا ہے میں نہیں برداشت کر سکتی یہ خوف کہ تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے میں مر جاؤں گی تمہارے بغیر میں تھک گئی ہوں خود سے یہ جھوٹ بولتے بولتے کہ میرا تم سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ دردی شدت سے گھنٹی آواز کے ساتھ وہ ہچکیاں لیتی سر سے پیر تک لرز رہی تھی اس سے پہلے کہ اس کا وجود بے جان ہو کر قدموں میں گر جاتا ساکت اور دم بخود کھڑے عارج نے سرعت سے اسے بازوؤں میں سنبھال لیا تھا اسے بیڈ کے کنارے بٹھاتے ہوئے عارج نے دھیرے سے اپنا ہاتھ اس کے کانپے ہاتھ کی گرفت سے نکالا تھا۔

”میں جانتا ہوں کہ تم کیا چاہتی ہو مگر میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم نادان ہو نا سمجھ ہو تمہیں اندازہ ابھی نہیں ہو سکتا کہ تم اپنے ساتھ کتنا غلط کر رہی ہو۔“ مہم لہجے میں بولتا وہ اس کے مسلسل بہتے آنسوؤں کو دیکھ رہا تھا۔

”مجھنے کی کوشش کرو گی تو یہ جاننا مشکل نہیں ہوگا کہ میں یا میرے جیسا کوئی مرد تمہارے قابل نہیں ہے میری حقیقت تم جانتی ہو اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ چکی ہو میں نہیں چاہتا کہ مجھ سے منسلک ہو کر تم خود پر ظلم کرو کسی بچھتاوے کا شکار ہو میں اپنی ذات سے کم از کم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔“

”میں سب سمجھتی ہوں سمجھنا تم نہیں چاہتے مجھے کسی حقیقت کی پرواہ نہیں ہے تم کس قابل ہو یہ تم نہیں جانتے مگر میں جس قابل ہوں یہ تو تم جانتے ہو کیا میں اس ہاسٹل کے کمرے میں ہی ایک دن مر جاؤں گی کون ہوگا اس دنیا میں جو مجھے قبول کرے گا کون مجھے عزت دے گا کون تمہارے علاوہ میری ذمہ داری اٹھائے گا۔“ بہتے آنسوؤں کے ساتھ وہ اس سے پوچھ رہی تھی جو کچھ بول نہیں سکا تھا ہاتھ کی پشت سے آنسو خشک کرتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

”مجھے ہاسٹل چھوڑ آؤ میں مدحت کو فون کر دوں گی کہ میں واپس پہنچ گئی ہوں۔“ اس سے نظر ملانے بغیر بولتی وہ کمرے سے نکل گئی تھی۔

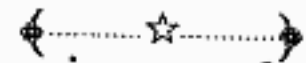


اپنے نام کی پکار پر اس نے بمشکل جلتی آنکھیں کھولی تھیں۔

”وہ آیا تھا مگر میں نے اطلاع بھیج دی ہے کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تم سو رہی ہو۔“ اس پر کسل ٹھیک کرتے ہوئے مدحت بتا رہی تھی جو اب کچھ بھی کہے بغیر اس نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

”بے وقوفی کی انتہا مت کرو مگر اس کے لئے کتنے آنسو بہاؤ گی جو تمہیں کوئی مقام دینے پر تیار نہیں ہے آگئی ہو گی اس کی زندگی میں کوئی دوسری عورت ورنہ کیا کمی ہے تمہارے اندر۔“ اس کی گھنٹی سسکیوں پر مدحت نے اسے گھر کا تھا جبکہ کبل میں منہ چھپاتے ہوئے اس نے دوسری جانب کروٹ بدل لی تھی۔

”تمہارے جانے کے بعد اس فلیٹ میں کسی عورت نے قدم نہیں رکھا ہے تم یقین کرو یا نہ کرو مگر یہ سچ ہے۔“ اسے یاد تھا اس رات ہاسٹل چھوڑ کر جاتے ہوئے عارج نے اتنا ہی اس سے کہا تھا۔



فلیٹ میں داخل ہوتے ہوئے آج اسے کچھ زیادہ ہی ویرانی اور تنہائی کا احساس ہوا تھا بوجھل قدموں کے ساتھ وہ گیلری کی تاریکی میں آ رکھا تھا آج ایک ہفتہ ہو چکا تھا ایسا پہلی بار ہوا تھا وہ اتنے دن تک اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا اسے معلوم تھا کہ وہ اس کا سامنا کیوں نہیں کرنا چاہتی مگر وہ خود کشکش میں گرفتار تھا کہ وہ کن لفظوں میں اسے سمجھائے۔

سگریٹ سلاگتے ہوئے اسے اپنے عقب میں قدموں کی آہٹ سنائی دی تھی ان قدموں کی چاپ کو وہ پہنچانا تھا یہ مخصوص مہک اس وقت بھی اس کے قریب تھی جب اس نے پہلی بار اس دنیا میں آنکھ کھولی تھی پلٹ کر دیکھے بغیر

اس نے جلتا سگریٹ نیچے پھینک کر بھاری جوتے تلے دبا دیا تھا۔

”میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔“ ابھرتی آواز پر وہ ان کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

”میں اس سے ملنا چاہتا ہوں جسے تم نے مجھ سے چھپا کر رکھا ہوا ہے جس کے لئے تم نے چھوٹی چھوٹی ملازمتیں شروع کر رکھی ہیں اور شاید وہی ایک ہے جس کی وجہ سے تم نے اپنی ساری اخلاق سے کڑی ہوئی حرکتیں ترک کر دی ہیں۔“

”کیوں ملنا چاہتے ہیں اس سے؟“ وہ سرد لہجے میں بولا تھا۔

”دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس میں اسی کون سی طاقت ہے جو طاقت تمہارے باپ کی محبت میں نہیں کیسے اس نے وہ سب کر دیا جو میں کرنے کی سر توڑ کوشش کرتا رہا۔“ وہ بغور اس کے چہرے کے تنے ہوئے تاثرات دیکھتے ہوئے بولے تھے۔

”آپ کو اس میں ایسا کچھ نظر نہیں آ سکتا جو اس عورت میں آپ کو نظر آیا تھا جس کے لئے آپ نے اپنی ساری زندگی تیاگ دی اور وحلیل دیا میری زندگی کو تار کیوں میں۔“ وہ سلگتے لہجے میں بولا تھا۔

”عارج! ہم کب تک ایک دوسرے کو اس عورت کا طعنہ دے کر زخمی کرتے رہیں گے اس عورت کی ضد میں تم میری محبت سے نظر چرائے بیٹھے ہو مجھے بتاؤ میں تمہارے سوا کس کے لئے زندہ ہوں؟“

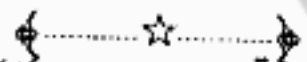
”اپنی دولت کے لئے اسے دن بدن بڑھانے کے لئے وہی دولت جس کے پیچھے میری ماں مجھے چھوڑ کر چلی گئی وہی دولت جس کے پیچھے بھاگتے ہوئے آپ مجھے ایک کونے میں پھینک کر بھول گئے اب مجھے کسی کی محبت کی ضرورت ہے نہ ہی توجہ کی سنا آپ نے مجھے آپ کی ضرورت نہیں ہے میں تنہائی کے دہانے پر بھی پہنچ کر آپ کو نہیں پکاروں گا۔“ اس نے مشتعل ہو کر کہا تھا۔

”تو پھر تم بھی یاد رکھو کہ میں تمہارا باپ ہوں میں مجبور کر دوں گا تمہیں پکارنے پر اپنی دہلیز تک آنے پر۔“ وہ بلند آواز میں بولے تھے۔

”ایسا ہرگز نہیں ہوگا یہ بھول ہے آپ کی۔“ وہ بھڑکا تھا۔

”ایسا بالکل ہوگا جب میں اس بدکار عورت تک پہنچوں گا جسے تم نے.....“

”اسے گالی مت دیں میں اس کی زندگی میں آنے والا واحد مرد ہوں اس کی معصومیت اور پاکیزگی پر میرا یقین میرا ایمان اتنا ہی مستحکم ہے جتنا اس سچ پر کہ میں آپ کی اولاد ہوں۔“ اس اشتعال انگیز لہجے پر عالم افروز خاموشی سے اس کے سامنے سے بہتے باہر نکل گئے تھے۔



نہانے کے بعد طبیعت بہت ہلکی پھلکی ہوئی تھی جو وہ آج روم سے نکل کر مدحت کے ساتھ ہی لان کی سبز گھاس پر بلی نرم دھوپ میں آ بیٹھی تھی۔

”کل تمہارے بار لڑ جانے کے بعد عارج آیا تھا۔“ گھٹنوں پر چہرہ نکائے وہ بتا رہی تھی۔

”اور تم چلی گئی ہو گی اس سے ملنے بے تاب ہو کر۔“ مدحت نے ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

”کیا کہہ رہا تھا؟“

”وہ بس چند لمحوں کے لئے رکھا تھا اور صرف ایک ہی بات کی تھی کہ اگر یہاں کوئی مجھ سے ملنے آئے تو ملنے سے انکار کر دوں وہ وارڈن اور چوکیدار کو بھی یہ ہدایت دے کر گیا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی مجھ سے ملنے آئے تو اسے

اطلاع دی جائے۔“

”ایسا کیوں؟“ مدحت حیران ہوئی تھی۔

”پتا نہیں میں خود پریشان ہوں اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا حالانکہ میں نے پوچھا بھی کہ.....“ بولتے ہوئے اس کی نظر گیٹ کی سمت گئی تھی اندر آتے عارج کو دیکھتی ہوئی وہ سلیپرز پیروں میں ڈالتے ہوئے تیز قدموں کے ساتھ اس کی طرف بڑھ گئی تھی۔

”تمہاری طبیعت اب کیسی ہے؟“ وہ بغور اس کے مڑھال چہرے کو دیکھتا پوچھ رہا تھا۔

”میں ٹھیک ہوں۔“ وہ اتنا ہی بولی تھی۔

”تو پھر آ جاؤ ابھی واپس لے آؤں گا۔“ اسے حیران کرتا وہ گیٹ کی طرف پلٹ گیا تھا۔

”مگر کہاں؟“ اس نے سوال کیا تھا۔

”جلدی آ جاؤ وقت نہیں ہے میرے پاس۔“ گھر کئے والے انداز میں وہ اس کا ہاتھ پکڑے باہر نکل گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

اس کے انتظار میں ہی لان میں شہلی مدحت نے جیسے ہی اسے گیٹ سے اندر آتے دیکھا سکون کا سانس لیا تھا۔ ”خیریت تو تھی“ گیٹ سے ہی تم اس کے ساتھ کہاں چلی گئی تھیں میں تو پریشان ہو گئی تھی۔“ مدحت نے رکے بغیر کہا تھا دوسری جانب شمر نے خاموشی سے ہاتھ میں پکڑا بڑا سا پیکٹ اسے تھما دیا تھا۔

”اتنا بھاری..... کیا ہے اس میں؟“ مدحت نے حیرت سے پوچھا تھا۔

”منجائی ہے۔“ اس کے ساتھ اندر کی جانب بڑھتے ہوئے وہ بتا رہی تھی۔

”اس نے کہا تھا اپنی دوستوں کو کھلانا۔“

”مگر کس خوشی میں؟“ مدحت مزید حیران ہوئی تھی۔

”اس لئے کہ اب میرے اور اس کے درمیان ایک ایسا رشتہ ہے جو ہمارا اپنا ہے جسے کبھی تقسیم نہیں کرنا پڑے۔“ اس کے پرسکون لہجے پر مدحت نے رک کر اسے دیکھا تھا جس کے چہرے پر بھی بہت اطمینان تھا اور اس کے ہونٹوں پر ایک ایسی دلچسپ مسکراہٹ جو مدحت نے پہلے کبھی اس کے لبوں پر نہیں دیکھی تھی۔

☆.....☆.....☆

آج پورے ہاسٹل میں چہل پہل تھی کیونکہ ہاسٹل کی انچارج کے گھر لڑکیاں جانے کی تیاری کر رہی تھیں ان کی بیٹی کی مہندی کی تقریب میں شرکت کے لئے۔

”بیوٹیشن جتنا بھی عذاب ہے یاں دوسرے کے چہرے رنگتے رنگتے اپنی تیاری رہ جاتی ہے۔“ کمرے میں آتی مدحت نے جھنجھلاہٹ کا اظہار کیا تھا۔

”یہ تمہیں ہو کیا رہا ہے آج کل؟“ بیڈ سے اپنے پر پس شدہ کپڑے اٹھاتے ہوئے مدحت نے چونک کر اسے دیکھا تھا جو ڈریسنگ کے سامنے کھڑی تھی۔

”کیوں کیا ہوا تم نے ہی تو کہا تھا یہ کپڑے پہننے کے لئے کیا اچھے نہیں لگ رہے؟“ وہ حقیقتاً پریشان ہوئی تھی مگر بے سبب لباس میں ہلکا سا فینسی بیچ تھا جو زی دار پانچاے اور خوبصورت لیس سے بچی شرٹ میں وہ اس وقت دوپٹے سے بے نیاز قیامت ہی تو ڈھارہی تھی زہی سکی کسٹریک اپ نے مکمل کر دی تھی۔

”بے وقوف کہاں کہاں سے حسن پھوٹ جا رہا ہے میں اس پر حیران ہوں اندازہ ہوتا تو بہت پہلے ہی تمہیں

کورٹ میرج کا مشورہ دیتی۔“ مدحت نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

”مگر یہ آئی شیڈ کس طرح لگایا ہے تم نے کتنے ٹکڑے کئے؟“ مدحت نے اس کی آنکھوں کا جائزہ لیا تھا اور پھر خود ہی آئی شیڈ ٹھیک کرنا شروع کر دیا تھا۔

”شر! تمہاری ملاقات آئی ہے۔“ دروازے سے اندر جھانکتی لڑکی نے آواز لگا کر اس کے اوسان خطا کر دیئے تھے۔

”ویسے آج اچھے موقع پر آمد ہوئی ہے اب جلدی چلی جاؤ۔“ لڑکی معنی خیز مسکراہٹ اس کی طرف اچھالتی غائب ہو گئی تھی۔

”اب کیا ہوگا میں نے تو اس سے اجازت بھی نہیں لی تھی جانے کی۔“ وہ بری طرح گھبرائی تھی۔

”اجازت لیتیں تو وہ کبھی نہ دیتا اور آج اس وقت وہ کیسے آ گیا ہے۔“ مدحت بھی کچھ پریشان ہوئی تھی۔

”میں منہ دھو کر کپڑے بدل لوں؟“

”پاگل ہے کیا؟ اس سے تو بہتر ہے کہ جا کر اس کی ڈانٹ کھاؤ۔“ اسے گھر کتے ہوئے مدحت رکی تھی۔

”ویسے مجھے نہیں لگتا کہ وہ اس وقت تم سے ناراض ہو سکتا ہے جو کہو گی آنکھیں بند کر کے مان لے گا چلو میرے ساتھ اور ذرا اپنی بات منواؤ آ خراب تم اس کی مسز ہو یاں!“

”چپ رہو۔“ دوپٹے شانے پر ڈالتے ہوئے اس نے خفت سے مدحت کو دیکھا تھا۔

ایک طائرانہ نظر دیواروں پر دوڑاتے ہوئے اس کی نگاہیں دروازے سے اندر داخل ہوتی شمر پر ساکت ہو گئی تھیں جس کے سج سنورے چہرے پر خوف کے تاثرات نمایاں تھے سببے انداز میں وہ اس کے سامنے آئی تھی جو خاموشی سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”سب لڑکیاں ایک تقریب میں جا رہی ہیں تو مجھے بھی جانا ہے۔“ نظر جھکائے وہ منمنائی تھی۔

”تم کسی تقریب میں نہیں جا رہی بلکہ میرے ساتھ جا رہی ہو۔“ اس کے یکدم ہی کہنے پر وہ دنگ ہوئی تھی۔

”کہاں؟“

”دومنٹ ہیں تمہارے پاس باہر سب کو یہ بتا کر آ جاؤ کہ تم ان کے ساتھ نہیں جا رہی۔“ بہت سنجیدگی کے ساتھ اس نے حکم دیا تھا۔

”وہ سب ناراض ہو جائیں گی۔“ وہ پریشان ہو انھی تھی۔

”ان کی ناراضی تمہارے لئے مجھ سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے؟“ اس کی سیاہ آنکھوں میں جھانکتا وہ پوچھ رہا تھا جواباً ترے چہرے کے ساتھ وہ نفی میں سر ہلاتی باہر جانے کے لئے پلٹ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

ایارٹمنٹ کا دروازہ کھول کر عارج نے پہلے اسے اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا تھا جو کچھ ہر اس کی کھڑی تھی اپنی نیران آنکھیں کھولے وہ اس وسیع و عریض ایارٹمنٹ کا جائزہ لیتی لاؤنج میں آئی تھی جو قیمتی اور دیدہ زیب فرنیچر سے سجاتا دیواروں پر خوبصورت پینٹنگز بھی نصب تھیں عارج نے ایک ایک کر کے ساری لائسن کیا آن کیں سب کچھ جگہ کاٹھا تھا۔

”یہ کس کا گھر ہے؟“ اس نے دنگ ہو کر سامنے سے گزرتے عارج کو دیکھا تھا۔

”میرے باپ کا۔“ اس کے ترنت جواب پر شمر کو کرنٹ لگا تھا۔

”مگر یہ کسی زمانے میں انہوں نے میرے نام کر دیا تھا اپنے باپ کا گھر چھوڑنے کے بعد میں چند دن یہاں رہا تھا مگر پھر یہاں سے نکل گیا کافی عرصے بعد یہاں آیا ہوں ہر چیز پر گرد جمی ہے۔“ اسے تفصیل بتانے لگا۔

”تم نے یہ گھر کیوں چھوڑا؟“ وہ پوچھ رہی تھی۔

”غیرت نے گوارا نہیں کیا کیونکہ یہ سب میرے باپ کا ہے میرا نہیں۔“ سپاٹ لہجے میں بولتا وہ اب اس کی جانب آ رہا تھا۔

”تو پھر آج یہاں کیوں آئے ہو؟“ وہ مزید پوچھ رہی تھی۔

”کیونکہ فی الحال تمہارے قابل صرف یہی جگہ تھی اس لئے ساتھ لانے کا فیصلہ کر لیا۔“ اس کے سنجیدہ سرسری انداز پر شمر نے الجھ کر اسے دیکھا تھا۔

”تم ان سے ناراض ہوؤ تم سے ناراض ہیں اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ تم مجھے یہاں لائے ہو تو.....؟“ وہ اندیشہ ظاہر کر رہی تھی۔

”تو کیا؟“ عارج نے اسے دیکھا تھا۔

”تم بیوی ہو میری۔“ وہ شاید اسے بھی یاد دل رہا تھا جبکہ پہلی بار اس سے یہ جملہ سنتے ہوئے شمر کے چہرے پر سرخی لہرائی تھی۔

”پھر تو وہ تمہارے ساتھ مجھے بھی بہت ماریں گے۔“ جھکے سر کے ساتھ وہ منمنائی تھی اسے عارج کے چہرے پر لگتے اس کے باپ کے تھپڑ اور جوتے یاد آئے تھے۔

”گھبراؤ مت تمہارے جیسے کا غصہ بھی وہ میری چڑی پر نکالیں گے۔“ وہ اطمینان سے بولا تھا۔

”ہم واپس ہاسٹل کب تک جائیں گے؟“ شمر کے سوال پر اس نے ایک نظر اپنی رست و اراج پر ڈالی تھی۔

”کل شام تک۔“ ایک سنجیدہ نگاہ اس کے حق ہوتے چہرے پر ڈالی تھی جبکہ وہ پیشانی پر ابھرتے پسینے کو خشک کرتی سامنے دروازے کی سمت بڑھ گئی تھی اس کمرے کے اندر داخل ہونے سے پہلے اس نے دائیں جانب دیوار پر نصب سوئچ بورڈ کے مٹن آن کئے تھے روشنیوں سے جگمگاتے کمرے میں سب سے نمایاں چیز وہ کنگ سائز بیڈ تھا کمرے کی آرائش کا جائزہ لیتی وہ ایک پل کو ٹھٹکی تھی مگر اگلے ہی پل بیڈ کی سائڈ ٹیبل پر خوبصورت فریم میں لگی تصویر کو اٹھالیا تھا بغیر پلک جھپکے وہ اس مسکراتے چہرے کو دیکھ رہی تھی جو بلاشبہ عارج کا ہی تھا اس کی محویت کو قریب آتے عارج نے حیرت سے دیکھا تھا۔

”کیا دیکھ رہی ہو اتنے غور سے یہ تصویر پانچ سال پرانی ہے۔“ تصویر واپس اس کی جگہ پر رکھتی وہ عارج کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

”اس تصویر میں ایک ہی چیز مجھے اجنبی لگ رہی ہے وہ ہے مسکراہٹ..... میں نے کبھی تمہیں مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔“ وہ درد دیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی دوسری جانب گہری سنجیدہ نظروں سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے عارج نے دھیرے سے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھرا تھا۔

”میری مسکراہٹ بہت پہلے ہی کہیں گم ہو چکی ہے شمر!“ بہت مدھم آواز میں بولتے عارج نے لودیتی نگاہوں سے اس کے ہلکے نیچرل شیڈ سے چپکتے لبوں کو دیکھا تھا۔

”تمہارے ہونٹوں سے لے لوں تھوڑی سی مسکراہٹ اپنے لئے دوگی مجھے۔“ سرگوشیاں لہجے میں پوچھتا وہ گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا مگر اگلے ہی پل وہ دنگ ہوا تھا اس کے ہاتھوں میں قید سنہری چہرے پر اذیت کے

تاثرات پھیل رہے تھے اس کی آنکھوں میں جھللاتے آنسو اور نازک لبوں سے نکلتی سسکاریوں نے عارج کو ساکت کر دیا تھا۔

”شمر! کیا ہوا ہے تم.....“ اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی جب وہ روتے ہوئے اس کے سینے سے لگی تھی۔

”وہ مجھے قبول نہیں کریں گے۔“ وہ ٹھٹکی سسکیوں کے درمیان لرزتے ہوئے بولی تھی۔

”مجھے اپنے باپ کی پرواہ ہے نہ کسی اور کی سارے اندیشے بھول جاؤں کیا تمہیں مجھ پر یقین نہیں؟“ اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے وہ بولا تھا تب ہی گونجتی ڈور بیل کی آواز نے ان دونوں کو ہی کچھ پریشان کیا تھا۔

”تم یہیں رکو میں دیکھتا ہوں۔“ اسے مخاطب کرتا وہ کمرے سے باہر نکل گیا تھا بھگیا چہرہ خشک کرتی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اس وقت کون ہو سکتا ہے تب ہی کچھ عجیب آوازوں پر وہ بری طرح ہول کر دروازے کی سمت بھاگی تھی مگر دہلیز پر ہی اس کے قدم ساکت ہو گئے تھے جب ایک اجنبی شخص کے وار پر اس نے عارج کو منہ کے بل گرتے دیکھا تھا اس کے قریب کھڑے دو محیم مردوں کو دیکھتے ہوئے شمر کی سانس رگ گئی تھی مگر اگلے ہی پل اس نے عارج کو ان مردوں کے ساتھ ہاتھ پائی کرتے دیکھا تھا پھٹی آنکھوں سے یہ منظر دیکھتے ہوئے شمر کے حلق سے چیخ بلند ہوئی تھی جب ایک شخص نے عارج کے سر پر کوئی چیز ماری تھی ایک اذیت ناک کراہ کے ساتھ سر کے گرد ہاتھ

رکھتا وہ گھٹنوں کے بل گرنا سجدے میں چلا گیا تھا اسے پکارتے ہوئے وہ دوڑتی ہوئی جا کر اس کی پشت سے لپٹ گئی تھی جس کا دماغ تاریکیوں میں ڈوبتا ابھرتا جا رہا تھا اسے شمر کی آواز سنائی دے رہی تھی وہ کسی حالت میں اپنے ہوش نہیں کھونا چاہتا تھا۔

”عارج..... عارج.....“ اس کے سر سے بہتے خون کو روکنے کی کوشش کرتی وہ چیخ رہی تھی جب کسی نے اس کا بازو گرفت میں لیا تھا تڑپ کر گرفت سے نکلتے ہوئے اس نے سر اٹھایا تھا اور اگلے پل اس شخص کو پہچانتے ہوئے اس کی آنکھیں خوف سے پھٹ گئی تھیں اس کی ساری چیخیں حلق میں گھٹ گئی تھیں مگر اس نے عارج کی شرٹ منھی میں جکڑ لی تھی۔

”چلو یہاں سے۔“ سرد لہجے میں حکم دیتے عالم افروز ایک ہی جھٹکے میں اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا چکے تھے جو بالکل بے جان ہو چکی تھی مگر اس کی دھندلائی نظریں عارج پر جمی تھیں جو اسے روکنے کی کوشش میں اس کا دوپٹہ پکڑ چکا تھا شمر کا دل پھٹ گیا تھا جب عالم افروز کی غضب ناک ٹھوکر اس کے ہاتھ سے ٹکرائی تھی جو دوپٹہ اس کی گرفت سے نکل گیا تھا اگلے ہی پل وہ ان کی گرفت میں پھنسی چلی گئی تھی دوسری جانب سر کو جھٹکتے ہوئے وہ بمشکل اپنے پیروں پر اٹھتا ان کے پیچھے گرتا پڑتا گیا تھا۔

برکتی بارش وہ اسے ساتھ لئے گاڑی تک آئے تھے کانپتے وجود کے ساتھ وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی کسی ڈمی کی طرح جب کانوں میں آتی مانوس پکارا اسے ہوش میں لائی تھی وحشت سے پھیلی آنکھوں کے ساتھ اس نے تاریکی میں اپنی طرف بھاگے آتے ہوئے کو دیکھا ایک بار پھر اس نے چیخنے کی کوشش کی تھی مگر.....

”ڈیڈ..... ڈیڈ..... رک جائیں۔“ حلق کے بل انہیں پکارتا وہ اندھا دھند گاڑی کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

”مام..... مام..... مجھے چھوڑ کر مت جائیں مام.....“ جتنی اس کے قدموں کی رفتار تیز ہو رہی تھی اتنی ہی تیزی سے دماغ کہیں پیچھے جا رہا تھا۔

”مت بھاگو اس کے پیچھے میرے بچے تمہارے قدموں میں اتنی طاقت نہیں کہ اسے روک سکے۔“ اس کے

اتنے مچلتے وجود کو بازوؤں میں سہالتے ہوئے اس کے باپ نے کہا تھا ایک زوردار ٹھوکر نے اسے سڑک کے

گڑھے میں جمع بارش کے پانی میں گر آیا تھا مگر ایک بار پھر وہ نئے جنون کے ساتھ بھاگنا شروع کر چکا تھا۔

اسے ذبح کر رہا ہے۔

☆.....☆

گھٹنوں سے سر اٹھا کر اس نے کھلتے دروازے کو دیکھا تھا اور اگلے ہی پل دوبارہ چہرہ بازوؤں میں چھپا لیا تھا۔
مقام افروز چند لمحوں تک اسے دیکھتے رہے تھے پھر دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے اس کی طرف آئے تھے ایک نگاہ
انہوں نے ٹرائی پر ڈالی تھی جس میں کھانے پینے کی سب چیزیں ویسی ہی رکھی تھیں۔
”تم نے کچھ کھایا نہیں؟ عارج کیا سوچے گا میرے بارے میں کہ میں نے تمہاری تواضع نہیں کی تم نے پہلی بار
اس گھر میں قدم رکھا ہے۔“ ان کے نرم لہجے پر ٹھرنے آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اٹھایا تھا۔
”مجھے اس سے الگ مت کریں اس کے علاوہ اس دنیا میں کوئی نہیں ہے میرا۔“ بچتے آنسوؤں کے ساتھ وہ
لرزتی آواز میں بمشکل بولی تھی۔

”کوئی تمہیں اس سے الگ نہیں کر رہا میں تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں اس سب کے لئے جو ہوا ہے اسے یہاں
تک لانے کے لئے میں مجبور ہو گیا تھا کہ تمہیں زبردستی یہاں لے آؤں مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ تم کون ہو
تمہارا حسب نسبت کیا ہے تمہاری وجہ سے اگر وہ تباہی کے راستے سے ہٹا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ تم معمولی
نہیں ہو اور اگر اس کی ہر حقیقت سے واقف ہونے کے بعد بھی تم نے جو گہرا رشتہ اس سے بنا رکھا ہے تو تمہاری زندگی
میں اس کی حیثیت بھی ہرگز معمولی نہیں ہے اور میرے اطمینان کے لئے بس یہی سچ کافی ہے۔“ اس کی جانب دیکھے
بغیر وہ گہری سنجیدگی سے بولے تھے۔

☆.....☆

سر پر محسوس ہوتے پر شفقت لمس پر بالآخر اس نے بھاری ہونٹیں پلکیں بمشکل کھول کر خود پر جھکے چہرے کو
دیکھا تھا۔
”تم ٹھیک ہو؟“ اس کے بالوں کو سہلاتے وہ پوچھ رہے تھے جو ابنا بند آنکھوں کے ساتھ اس نے اثبات میں سر کو
لٹا دینے کی کوشش کی تھی۔

”میں ان کے پاس جانا چاہتا ہوں۔“ بند آنکھوں کے ساتھ ہی وہ بہت مدہم آواز میں بولا تھا۔
”تمہیں اب اس کے پاس ہی رہنا ہے مگر اس وقت تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔“ وہ نرم لہجے میں بولے تھے۔
”انہیں کیا ہوا ہے؟“ وہ نیم وا آنکھوں سے انہیں دیکھتا سوال کر رہا تھا۔
”آپ نے کیوں چھپایا مجھ سے کہ وہ آپ کے پاس ہیں؟“
”اس لئے کہ مجھے لگتا تھا کہ یہ بات تمہیں مزید مجھ سے بدظن کر دے گی۔“ وہ گہری سانس بھر کر بولے تھے۔

”دو ماہ پہلے کارا یکسیڈنٹ میں اس کا شوہر جاں بحق ہو گیا تھا اور وہ بری طرح زخمی اس کے شوہر کی اولادوں نے
اس کی ذمہ داری لینے سے انکار کر دیا تھا جس شخص کی دولت کی ہوس میں وہ یہ گھر چھوڑ گئی تھی اس دولت کا کچھ حصہ بھی
اس کے شوہر کی اولادوں نے اس پر خرچ کرنا گوارا نہیں کیا تھا ڈاکٹرز نے مجھے بتایا کہ کومہ میں جانے سے پہلے اس
نے ”میں پکارا تھا تمہارا نام لیا تھا۔“ مدہم آواز میں بولتے وہ اس کی بند آنکھوں کے کناروں سے لڑھکتے قطروں کو
دیکھ رہے تھے۔

”میں نہیں چھوڑ سکا تھا اسے بے یار و مددگار اس جیسی ضد اور سنگدلی میرا دل نہیں کر سکتا تھا یہ سچ ہے اس کی جگہ
کوئی نہیں لے سکا نہ میری زندگی میں نہ تمہاری زندگی میں۔“ ضبط کے باوجود ان کی آواز میں لرزش نمایاں تھی۔

☆.....☆

گر جتنے بادلوں کی ہولناک گڑگڑاہٹوں کے درمیان بجلی ایک کڑا کے سے ہر تھوڑی دیر بعد چمکتی باہر کے منظر
کو اجاگر کر رہی تھی تیز جھکڑوں کے ساتھ بارش کی تیزی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ہال کے چوپٹ کھلے دروازے
کے پاس کھڑے وہ اس وسیع و عریض اسپتال کی گیت کو دیکھ رہے تھے جہاں طوفان آیا ہوا تھا بارش کی گرج چمک اور
تیز ہواؤں کے شور میں وہ ساکت کھڑے اس کی دھاڑوں کو سن سکتے تھے اس وقت وہ زخمی شیر بنا مقفل گیت پر
نونا ہوا تھا شدید اشتعال میں پاگل ہوتا اپنے باپ کو پکار رہا تھا جنونی انداز میں کئے برساتے برساتے اب اپنا
سر گیت سے ٹکرا رہا تھا ایسا لگ رہا تھا گیت اپنی جگہ سے سرک جائے گا اس کی غراہٹوں پر ایک بار پھر چوکیدار
بانپا کا نپتان کی طرف بھاگا آیا تھا۔

”اب اجازت دے دیں مجھے گیت کھولنے کی ورنہ وہ خود کو مزید زخمی کر لیں گے۔“ چوکیدار نے التجائی انداز میں
کہا تھا۔

”ابھی نہیں پہلے نکل جانے دو اس کا غبار اس کا غصہ نفرت اور جنون۔“ بھینچی ہوئی آواز میں عالم افروز بولے
تھے گیت پر نظر جمائے ان کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا آہستہ آہستہ طوفان میں کمی آنے لگی تھی گیت پر تاہم توڑ
بھونچال کی شدت ختم ہونے لگی تھی۔

”گیت کھول دو۔“ سخت لہجے میں انہوں نے حکم دیا تھا۔
ہوا کے جھکڑوں میں کمی آگئی تھی بارش اب موسلا دھار تھی بری طرح لڑکھڑاتے ہوئے وہ لبو لبہان چہرے کے
ساتھ ان کی جانب اپنے ٹوٹے وجود کو گھسیٹ رہا تھا جو پشت پر ہاتھ باندھے سپاٹ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے
جوان کے سامنے آکر رکھا تھا اگلے ہی پل خون آلود نگاہوں سے انہیں دیکھتا اپنے گھٹنوں گرا تھا اور بارے ہوئے
انداز میں سر جھکاتے ان کے پیروں سے لپٹ گیا تھا چند لمحوں تک وہ اسی طرح ساکت کھڑے اسے دیکھتے رہے تھے
مگر پھر اس کے شانے تھام کر اٹھاتے ہوئے ایک جانب بڑھ گئے تھے اس کمرے میں داخل ہوتے ہوئے وہ خود رک
گئے تھے جبکہ وہ آنکھوں کے آگے پھیلتی تاریکی کو جھٹکتے ہوئے لڑکھڑائے قدموں سے بیڈ کی سمت بڑھا تھا جہاں اس
عورت کا کمزور وجود کمر میں چھپا ہوا تھا وہ ساکت تھیں اس کی آنکھیں بند تھیں ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ اس کے وجود
سے اس کی تڑپ سے اس کی محبت سے غافل تھیں۔ ایک نلک زردی میں گھلے چہرے کو دیکھتا وہ اپنے پیروں پر کھڑا
نہیں رہ سکا تھا کانپتے ہاتھ سے اس نے اس غافل چہرے کو چھونا چاہا تھا اس کی آنکھوں سے گرم سیال بہتا اس کے
گر بیان تک جا رہا تھا۔

”یہ عورت تمہاری مجرم ہے تمہارے قدموں سے زمین کھینچ کر آج یہ خود ہوا میں معلق ہے اس کی نفرت کی
ضر میں تم میرے دل پر لگاتے رہے ہو اب سناؤ اسے سزا۔“ انتہائی سخت آواز میں وہ اس سے مخاطب تھے جو اس
عورت کا سرد ہاتھ آنکھوں سے لگائے مزید ٹوٹا بکھرتا جا رہا تھا۔

”وہ شاید تمہارے لمس کو محسوس کر رہی ہے آج قدرت نے اسے بے بس کر رکھا ہے لیکن وہ تمہیں سن سکتی ہے
میں چاہتا ہوں تم اس سے اپنی نفرت کا اظہار کرو بتاؤ اسے اس کے گناہ بتاؤ اسے کہ اس کی محبت نے اس جدائی نے
تمہیں برباد کر کے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔“ نم ہوتی آنکھوں سے وہ اسے دیکھ رہے تھے جس کی آہیں کراہیں ان
کے لئے بے تحاشہ کرب کا باعث تھیں اپنی ماں کے پیروں پر سر رکھے وہ اس طرح چیخ رہا تھا جیسے کوئی کند چھری سے

ایسا کیسہ ہوتا ہے

نہیں ہوئی۔ چاچی کے جانے کے بعد وہ اپنی بے بسی پر آنسو بہانے لگی۔

☆.....☆.....☆

خواب تو اس عمر میں ہر لڑکی کے ہوتے ہیں مگر ہر ایک کے تقاضے الگ ہوتے ہیں اگر ان خوابوں کو جذبوں کو نہیں لگے تو یہ نازک شیشہ دل ٹوٹ جاتا ہے مگر نوٹے ہوئے دل کی کھنک کوئی نہیں سنتا۔

تین خواتین لڑکے 'ماں' بہنیں وغیرہ آئیں تو دیکھنے بگھر کی ساری لڑکیاں ان کے سامنے آنے سے گریز کر رہی تھیں کہ وہ خواتین خود ہی ان کے کمرے

لڑکے والے بینش کو دیکھنے آ رہے تھے۔ یہ خبر سنتے ہی صبح سے اس کی سوس سوس شروع ہو چکی تھی۔ سب نے رونے کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کی مگر وہ کچھ بتا کر ہی نہیں دی پھر لڑکے والے آئے تو ضرور مگر بینش کو چھوڑ کر چچا کی بڑی بیٹی آرزو کو پسند کر کے چلے گئے۔

سارا دن نا جانے کون سے غم اٹھانے کی وجہ سے روتی رہی مجال ہے منہ سے کچھ کہا ہو آخرا اللہ کر کے شام میں جا کر کچھ منہ سیدھا ہوا اب اگر کوئی دیکھتا تو ضرور دال میں کالا سمجھتا مگر اس چھوٹی بدمی کو کون سمجھائے۔ بڑی چچی چھوٹی چچی آپس میں سر جوڑے مگن تھیں مگر اس سببے نیازی عروج پر تھی۔

☆.....☆.....☆

"بینش بیٹا! آج ذرا ڈھنگ کے کپڑے پہن لو کچھ لوگ آ رہے ہیں۔" چچی نے کہا تو روٹی پکاتی بینش کے ہاتھ پاؤں لرزنے لگے۔ آج پھر آواز سرسرائی اور چہرہ حق۔

"نہیں چاچی! میں کپڑے نہیں بدل رہی۔" بینش نے بے ساختہ کہا تھا۔

"کوئی آتا ہے تو آئے مگر میں ایسے ہی رہوں گی۔" اس کے کہنے پر چچی نے اس پر ایک نظر ڈالی۔ "اب کپڑے بگھرے بال صبح سے کام کی وجہ سے منہ جی ڈھنگ سے دھلا ہوا نہیں تھا۔ چاچی نے اسے ناف سے دیکھا اور ایک بار اور ٹوکا مگر وہ ٹس سے مس

"میں ان کی آواز سننا چاہتا ہوں ڈیڈ! ان سے کہیں میں تھک گیا ہوں ان کی گود میں سر رکھنا چاہتا ہوں۔" وہ لرزتی آواز میں بولا تھا۔

"اسے بیدار تم ہی کر سکتے ہو اور مجھے یقین ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے" ڈاکٹر اس کی طرف سے مایوس نہیں ہیں وہ جلد آنکھیں کھول کر تمہیں دیکھے گی۔" اس کی بھگی پٹلیں خشک کرتے وہ یقین دے رہے تھے۔

"اب تم زیادہ بات مت کرو آرام کرو۔" بینڈیج میں چھپی اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے انہوں نے تاکید کی تھی اور اس کے پاس سے اٹھ گئے تھے ایک نظر بند ہوتے دروازے پر ڈال کر اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔

"میں اپنی گردن کو حرکت نہیں دے سکتا" کیا تم خود میرے سامنے آ سکتی ہو؟" مدھم آواز میں وہ اس سے مخاطب تھا جو اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی مگر اس کی موجودگی سے وہ واقف تھا اس کی بند آنکھوں پر نظر جمائے ٹھرنے دیر سے اس کے بینڈیج میں جکڑے ہاتھ کو تھام لیا تھا۔

"مجھے معاف کر دو۔" اس کی سوجی ہوئی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے وہ بولا تھا جس پر وہ بمشکل مسکرانے کی کوشش کرتی آنکھوں کی نمی چھپا رہی تھی۔

"تم نے میری ماں کو دیکھا؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"ہاں..... ابھی کچھ دیر پہلے۔" وہ بولی تھی۔

"وہ دنیا کی سب سے خوبصورت عورت ہیں میرے لئے ان جیسا کوئی نہیں ہو سکتا۔" اس کی مدھم آواز میں اپنی ماں کے لئے فخر و محبت کی شدت تھی۔

"وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی" جتنی محبت تم ان سے کرتے ہو اس سے کئی گنا محبت ان کے دل میں تہوار سے لئے ہوگی۔" اس کی بند آنکھوں پر نظر جمائے وہ بولی تھی اس کے زخمی چہرے پر جو سکون پھیلا تھا وہ ٹھرنے پہلی بار دیکھا تھا۔

"کیا میرا چہرہ اتنا بھی اچھا ہے کہ تم قریب ہونے سے ڈر رہی ہو؟" اس کے سوال پر ٹھرنے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"دن رات خون پسینہ ایک کر کے پالا ہے تمہیں میں نے یہ صلہ دے رہی ہوں مجھے۔" اس کے شکایتی لہجے پر ٹھرنے نے بے ساختہ ہنستے ہوئے اس کے کشادہ سینے پر سر رکھ دیا تھا۔

"ٹھرنے! یہ صبح اگر اس اپارٹمنٹ میں ہوتی تو ہرگز اتنی حسین اور قیمتی نہ ہوتی" میں پاگل ہوا تھا تھا کہ میرا باپ کس طرح تمہیں مجھ سے چھین کر لے گیا مگر انہوں نے تو میرا سب کچھ تم سمیت واپس مجھے لوٹا دیا ہے انہوں نے مجھے اس قابل کیا ہے کہ میں تمہیں ایک مکمل گھر کا تحفظ دے سکوں گا اب میں یقیناً اپنے ماں باپ کو دوبارہ ایک کروں گا کبھی نہ جدا ہونے کے لئے۔" اس کا لہجہ پر عزم تھا۔

"عارف! مجھے بھی ان کا شکریہ ادا کرنا ہے آخرا انہوں نے مجھے بروقت ایک شکاری کے چنگل سے نکالا تھا۔" اس کے گریبان سے چہرہ نکائے وہ مسکراتی آواز میں بولی تھی جس پر عارف اپنا بازو اس کے گرد حائل کر دیا تھا۔

"اب کیا رائے ہے اس شکاری کے بارے میں؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"یہی کہ شکاری گھاگ بھی ہے۔" چہرہ ذرا اٹھا کر ٹھرنے اس کے لبوں پر موجود لکڑی مسکراہٹ کو دیکھا تھا جو اس کی زندگی کا انمول سرمایہ بن چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

میں چلی آئیں۔

بینش کا تو صبح سے سوڈ آف تھا رونے کی وجہ سے کچھ آنکھیں بھی سوچ گئی تھیں عجیب حال ہوا تھا۔ ان خواتین نے اس پر ایک نظر بھی نہیں ڈالی اور صبح طریقے سے بات کرتی شائستہ کو پسند کر گئیں۔

یہ ہر آنے والے رشتے کی بات تھی کہ لڑکے والے اس کو چھوڑ کر اس کی کزنوں کو پسند کر جاتے تھے جبکہ وہ دونوں چھوٹی بھی تھیں۔ اس موقع پر دل کس کا ٹوٹا تھا بے شک کوئی آس نہیں تھی مگر یہ نازک دل تو تھا نا! اب ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ کوئی کم شکل یا واجبی صورت والی تھی! اچھی خاصی خوش شکل تھی! پڑھی لکھی! گھریلو کاموں میں طاق مگر وائے رے قسمت۔

☆.....☆.....☆

”آپ! ایک بات تو بتاؤ؟ آخر وجہ کیا ہے جب بھی رشتے والے آتے ہیں آپ رونے لگ جاتی ہو یا پھر سامنے نہیں جاتی ہو کیا آپ کسی اور کو.....“

”بس اور ایک لفظ نہیں۔“ بینش نے غصے سے ڈنٹا تھا۔ شائستہ فوراً چپ ہو گئی۔

”آئی ایم سوری آپ! مگر کوئی تو وجہ ہوگی ضرور اس کے پیچھے..... بتاؤ گی نہیں تو سب غلط فہمی کا شکار ہو جائیں گے آپ کے رویے سے اور اس کے نتائج شاید کچھ اچھے نہیں ہوں۔“ آرزو نے اس کو گھیرا تھا۔

”تم کچھ نہیں پوچھو تو اچھا ہوگا! اگر میں کچھ بولوں گی تو شاید تمہیں دکھ پہنچے مگر میں کہہ نہیں سکتی تم سے اور جو سوچنا ہے سوچنے مجھے کوئی پرواہ نہیں۔“ بینش نے کچھ عجیب لہجے میں کہا۔

”نہیں ہوگا دکھ اور اگر ہوگا تو بھی ہم دونوں اٹھا لیں گے بتاؤ تو ذرا کیا مسئلہ ہے آخر کو۔“ دونوں پیچھے پڑ گئیں۔

”میں جو کہنے جا رہی ہوں اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے تم سے کوئی جھگڑا یا حسد ہے ایسا کچھ بھی نہیں اور نہ ہی یہ سوچنا کہ میں تم سے چڑ کر یہ کہہ رہی

ہوں۔“ بینش بولی۔

”اچھا بتاؤ بھی اب۔“ آرزو نے ٹوکا۔

”جب بھی کوئی گھر میں رشتہ آتا ہے وہ تم میں سے کسی کو پسند کر کے جاتا ہے مگر مجھے نہیں! کیا میں کالی ہوں! ننکڑی ہوں یا اور کوئی لکمی ہے مجھ میں! ایسا بالکل نہیں ہے۔ مجھے پتہ ہے میرے اندر کسی بات کی کمی نہیں مگر شاید ہے ایک بات کی کمی.....“ آرزو اور شائستہ کے مجرموں کی طرح جھکے سر اس کی آواز کی کمی کے ساتھ اٹھے تھے۔

”میری قسمت میں مان کی کمی ہے اگر وہ ہوتی تو شاید آج دکھ اور یہ عذاب جو مجھے بہت بڑا لگتا ہے ایسا کچھ بھی نہیں ہوتا اور ہوتا تو یقیناً وہ سمیٹ چکا ہوتا مجھے تم سے کوئی دکھ یا گلہ نہیں ہے مگر ان سے جو شاید جانتی بھی نہیں کہ وہ مجھے دکھ دینے کا سبب بن رہی ہیں۔“ وہ سسک پڑی۔

”جب بھی کوئی دیکھنے آتا ہے سب لڑکیاں ان کے سامنے پیش کر دی جاتی ہیں! جب ہمیں نمائش کی طرح سجا کر دوسروں کے سامنے پیش کیا جائے گا تو وہ ضرور اپنی مرضی کریں گے! بازار بھی ہم جاتے ہیں تو اچھی سے اچھی چیز پسند کرتے ہیں ناں مگر کوئی یہ جانے کہ ہم بے جان چیزیں نہیں بلکہ جیتی جاگتی زندگی سے بھرپور لڑکیاں ہیں! اکثر لوگوں کی وجہ سے کٹھ پتلی بن جاتی ہیں! یہ دکھ صرف میرا نہیں تقریباً ہر دوسری لڑکی کا ہے اور اس دکھ کو دینے والے اکثر اپنے ہی نظر آتے ہیں جانے میں یا انجانے میں۔“

”مگر اس میں ماں کی کیا بات ہے۔“ آرزو کی سوئی وہیں انکی تھی جیسے بینش کی آنکھ میں آنسو کا ستارا نہ باہر آتا نہ اندر جاتا۔ اس نے سرد آہ بھر کر ایک لمبی سانس لے کر چھوڑی جیسے وہ اپنے اندر کے تلاطم کو روک رہی ہو۔

”وہ تمہاری ماں ہیں میری نہیں! ان کو میری فکر نہیں۔ ارے جب وہ دیکھنے مجھے آتے ہیں تو سب کو

نے بیویوں لے جاتی ہیں اور اگر لے ہی جاتا ہے تو ان میں ان سے کہتیں کہ لڑکی کون سی ہے! کتنی مرتبہ یہ ہوا ہے اب میں خود کھڑی ہو کر اپنا تعارف کراؤں؟“ بینش نے غصے سے کہا۔

”نہیں کرنی مجھے شادی! جب بیوی ہوگی ہو جائے گی مگر یہ ڈھکوسلے مجھے نہیں پسند اور نہ میں مری جا رہی ہوں شادی کے بغیر..... اچھی بھلی زندگی ان رشتے والوں نے میری طوفانوں کی نذر کر دی ہے۔“ پھر وہ مزید گویا ہوئی۔

”جب تمہاری کرنی نہیں ہے تو کیوں تمہیں ماننے لاتیں ہیں۔ آرزو کی جبکہ بچپن سے ہی بات چیت ہے پھر بھی اس کو دکھایا گیا! کیوں؟“ بینش نے پتلی سے کہا۔

”اور شائستہ کو کتنے لوگوں نے پسند کیا مگر کہیں بات آگے نہیں بڑھائی! اگر یہ ہی کرتا ہے تو میرا نام کر کے دکھاؤ! کیوں ہوتا ہے! میں کیڑے بدلوں میں تیار ہو جاؤں فائدہ! جب تک یہ سب باتیں ہوں گی تو ان کا بھی کوئی فائدہ نہیں کیونکہ تم چھوٹی ہو اور پسند اکثر چھوٹی بہنوں کو ہی کیا جاتا ہے اور یہ شاید ہمارے زمانے کا ایسا ہی چکا ہے! گھر کی چھوٹی لڑکیوں کو پسند کیا جاتا ہے اور بڑی کو کم پتہ نہیں یہ میری سوچ ہے یا حقیقت میں ایسا ہوتا ہے! پر ایسا کیوں ہوتا ہے! اگر ایسا ہی ہوتا رہا نا تو یہ نہ ہر مشہور ہو جائے گا کہ لڑکی میں ضرور کوئی نقص ہے۔ کاش..... ہمارے بڑے ذرا سمجھداری سے کام لیں تو ان کو بخشیں تو نہیں لگے۔“ بھیکے لہجے میں کہتے ہوئے پتلی آواز تھی۔

”یہ ہی ماں کا احساس ہوتا ہے جو ہر دکھ سکھ میں ماننے آ جاتا ہے! جن کی قسمت میں ماں ہوتی ہے قسمت بھی انہیں کی ہوتی ہے! شاید ماں دکھ میں نہیں پڑتی۔“ بات ختم ہونے کے بعد کافی دیر تک خاموشی رہی۔

”آپ! میں نے بھی یہ سوچا تھا مگر اس حد تک نہیں

کیونکہ آپ پر گزری ہے تو آپ کو زیادہ احساس ہے مگر آپ کو دکھ دینے کی وجہ سے میں بھی روتی رہی! جو باتیں آپ نے بتائی شاید اس طرف ہمارا دھیان نہیں گیا! اچھا ہوا جو آپ نے دل کھول دیا۔ یہ ہماری مائیں بھی تائیں نادانی اور اپنی سادگی میں ایسا کر گئیں کیونکہ ایسا ان کے ساتھ نہیں ہوتا ناں..... ادھر رشتہ آیا ادھر شادی۔ جتنی ہمیں عقل ہے شاید ان کو اس بات کی عقل نہیں ہے۔“ آرزو نے صفائی دی۔

”کچھ بھی ہو مگر ماں جیسی عقل بینشوں میں ان کے رتبہ تک پہنچ کر ہی آتی ہے۔“ بینش نے سوچا تھا۔

”ہاں مگر ان کی غلطی ہے اور آئندہ ہماری کوشش ہو گی ایسا نہیں ہو اور میں امی اور خالہ کو بھی کہوں گی۔“

”نہیں تم ان کو اس بات کا احساس نہیں دلاؤ گی۔“ بینش نے ٹوکا۔

”اچھا نہیں کہیں گے۔“ شائستہ نے اس کا موڈ دیکھ کر کہا۔

”مگر ہم آئندہ ان کے سامنے نہیں جائیں گے! صرف آپ جاؤ گی کیونکہ آپ کو بہت جلدی جو ہے جانے کی۔“ آرزو نے چھیڑا۔

”بکواس نہیں..... اچھا! ایک عام وجہ ہے مگر مجھے جتنی تذلیل اٹھانی پڑتی ہے تم نہیں جان سکتیں! ایک مرتبہ پھر سوری۔“ دونوں اٹھ کر گلے لگ گئیں۔

بینش کا دل تو ہلکا ہو گیا مگر اس کو سمجھ نہیں آیا کہ آیا اس نے کہہ کر صحیح کیا یا غلط..... اب کیا ہوگا؟ کون اس کے بارے میں کیا سوچے مگر اسے پرواہ نہیں تھی! کیا پتہ کب تک اسے اس آگ میں جلنا ہوگا۔

یہ تو بینش کے ساتھ ہوا تھا مگر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم خود کی لکسی چھوٹی سی غلطی اپنی سادگی یا نادانی کے باعث کر رہے ہوتے ہیں! کہیں ہم خود تو کسی کی دل آزاری کا باعث نہیں بن رہے! ہماری چھوٹی سی غلطی کسی کا دل تو نہیں دکھا رہی..... سوچنے اور اس کو توجہ سے حل کیجیے۔

سپاس گل

قسط نمبر 3۔

سلسلے وار ناول

ایک عیار عورت



”جیتی رہو! لیکن پھر بھی یہ چیک قبول کرلو یہ تمہارا ہی ہے ایک دو روز میں تمہارے نام سے بینک اکاؤنٹ کھلوادو گایہ رقم اس میں جمع کرا لیتا۔“ انہوں نے اس کے بالوں کی لٹ کو چھیڑتے ہوئے محبت سے کہا تو وہ سختی سے بولی۔

”اور وہ الزامات وہ ہمتیں میں کس بینک میں جمع کراؤں جو آپ کی وجہ سے مجھ پر عائد کی گئی ہیں؟ سن رہے تھے ناں آپ کے خاندان کے لوگ کس قسم کی گفتگو کر رہے تھے؟ نعیم بھائی نے آج تک ہم بہنوں کو بوجھ نہیں سمجھا ہمارا ہر طرح سے خیال رکھنے کی کوشش کی ہے، بہنوں کی شادی اپنا فرض سمجھ کر اپنی دن رات کی محنت سے کمائے گئے پیسے سے کرائی ہے لیکن میری آپ سے شادی کو لوگوں نے کتنا غلط رنگ دیا ہے؟ نعیم بھائی کے خلوص ان کی محبت اور نیت پر شک کیا ہے؟ انہیں برا کہا ہے میری ماں کو لالچی اور خود غرض کہا گیا ہے کہ انہوں نے آپ کی دولت کی خاطر میری شادی آپ سے کر دی ہے؟ کنول آپ کا گھر برباد کرایا ہے اور یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے؟ نفرت ہو گئی ہے مجھے آپ سے۔“

”تو گویا سب تمہیں مجھ سے محبت تھی۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

”ہاں تھی! لیکن اس رشتے کے حوالے سے نہیں تھی! آپ نے مجھے سب کی نظروں میں گرا دیا ہے، خود میں اپنی نظروں میں گر گئی ہوں۔“ وہ بولتے بولتے رو پڑی۔

”یعنی میری جان! تم میری نظروں میں دیکھو کہ تم کتنی بلند ہو! لوگوں کو تو باتیں بنانے کی عادت ہوتی ہے وہ تو صحیح بات کو بھی غلط رنگ دیتے ہیں۔“ نعیم نے اسے محبت سے اپنے بازوؤں کے حلقے میں لے کر نرمی سے کہا۔

”تو لوگوں کو ایسی باتیں بنانے کا موقع دیا ہی کیوں جائے۔“

”تم قسمت پر یقین رکھتی ہو؟“ انہوں نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں رکھتی ہوں۔“

”تو یقین کرلو کہ میں تمہاری قسمت کا لکھا ہوں۔“

”میری قسمت اتنی بری نہیں ہو سکتی۔“ وہ معنی خیز لہجے میں بولی۔

”تمہاری قسمت بری ہے بھی نہیں! اپنی قسمت کو محبت کی نظر سے دیکھو گی تو تمہیں رشک آنے لگے گا اپنی قسمت دیکھو نا۔“ نعیم نے معنی خیز بات کہی اور اس کا چہرہ اپنی طرف کرتے ہوئے مسکرائے۔

”بہت ڈھیٹ ہیں آپ۔“ اس نے ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔

”ڈھیٹ نہیں ہوں! ادارے کا مضبوط اور عزم کا پختہ ہوں جو کرنے کی ٹھان لوں کرگزرتا ہوں جسے پانے کا تہیہ کر لوں اسے ہر حال میں پا کر رہتا ہوں۔“

”خواہ اسے اغوا ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔“ وہ طنز سے بولی۔

”ارے جانو! وہ تو شخص مذاق تھا تمہیں ڈرا رہا تھا! اگر تم آسانی سے مجھے نہیں ملتیں تو شاید میں سوچتا ضرور لیکن تمہاری اور پھپھو جان کی عزت مجھے اس پر عمل نہ کرنے دیتی، تمہیں پانے کی کوئی نہ کوئی صورت میں ضرور نکال لیتا۔“ وہ ہنس کر بولے۔

”فی الحال تو آپ اس کمرے سے نکل جائیں! میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے میں سونا چاہتی ہوں۔“ وہ بے حد بے مروتی سے بولی جس سے ان کے جذبات مجروح ہو گئے۔

”جاگئے کی شب ہے یہ اور تم سونے کی بات کر رہی ہوں۔“ وہ سنجیدہ ہو کر بولے۔

”میں آپ سے بات کرنا ہی نہیں چاہتی۔“ اس نے خود کو ان کے حصار سے نکالتے ہوئے کہا۔

”بری بات ہے یعنی! یہ لہجہ یہ انداز تمہاری شخصیت پر سوٹ نہیں کرتا! میں شوہر ہوں تمہارا شوہر سے ایسے تھوڑی بات کرتے ہیں۔“ انہوں نے بہت محبت سے اسے سمجھایا۔

”تو اور کیسے بات کرتے ہیں؟“ وہ اندر ہی اندر اپنے رویے پر شرمندہ ہو گئی تھی مگر ظاہر کئے بغیر سپاٹ لہجے میں بولی تو انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”محبت سے! چاہت سے۔“

”آپ سے جب مجھے محبت اور چاہت ہوگی نا تب میں آپ سے محبت سے! چاہت سے بات کر لوں گی ابھی تو میری جان چھوڑیں آپ۔“ وہ اسی لہجے میں بولی۔

”بہت ضدی ہو! خیر کم تو میں بھی نہیں ہوں! مگر بھی تمہاری جان نہیں چھوڑوں گا! یہ تمہاری رونمائی کا تحفہ ہے سوچا تو اور بھی بہت کچھ تھا لیکن تمہارے رویے کو دیکھتے ہوئے فی الحال اس پر عمل نہیں کروں گا۔“ نعیم نے اپنے جذبات کے رد ہونے پر اپنے دکھ کو اندر ہی دبایا اور اس کی خرد طبی انگلی میں ہیرے جڑے سونے کی انگلی پہنا دی وہ غصے ندامت اور ان کی محبت و قربت کی آگ میں سر نہا پیر جھلس رہی تھی! جل رہی تھی۔

”کتنے نرم ملائم پھولوں جیسے ہاتھ ہیں تمہارے اور تم ان ہاتھوں سے سارے کام کرتی ہو! لیکن میں تم سے زیادہ کام نہیں کراؤں گا! البتہ تمہارے ہاتھوں کے کچے کھانے بہت لذیذ ہوتے ہیں! تم سے کھانا پکانے کی فرمائش ضرور کروں گا۔“ نعیم نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھوں کو نرمی سے دباتے ہوئے ان کی نرم ہاتھ کو محسوس کرتے ہوئے کہا اور اس کے ہاتھوں کو چوم لیا! یعنی شیشا گئی! ان کے کس نے اس کے تن میں ایک خوشگوار احساس اجاگر کر دیا۔

”چینج کرلو! ہلکی پھلکی ہو جاؤ گی! پھر آرام سے سو سکو گی۔“ نعیم یہ کہہ کر کمرے سے باہر چلے گئے وہ کتنی ہی دیر تک ان کے قرب کے احساس میں گھری رہی! پھر زیورات اتارے لباس تبدیل کیا! بلکے گلابی رنگ کا سوٹ زیب تن کرنے کے بعد منہ ہاتھ دھو کر کمرے میں آ گئی! ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے اپنے بالوں میں برش آیا! اس کی نظر اپنی دکھتی صورت پر پڑی تو حیران رہ گئی! ایک انوکھا حسن اسے اپنے چہرے پر محسوس ہوا۔

”کیا شادی کوئی جادو ہے کہ جس کے کرتے ہی چہروں کا حسن بڑھ جاتا ہو؟“ اس نے سوچا۔

”تم نے کنول آپا کے حق پر ڈاکہ ڈالا ہے ان سے ان کا شوہر چھینا ہے۔“ اس کے اندر سے آواز آئی تو اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔

”میں نے کچھ نہیں کیا! میرا کوئی قصور نہیں ہے۔“ یعنی نے پر غم لہجے میں با آواز بلند کہا۔

”تو کون کہہ رہا ہے کہ تمہارا قصور ہے ہاں۔“ نعیم اس کے لئے دودھ کا گلاس اور سردرد کی گولی لے کر آئے تھے اس کی بات سن کر بولے۔

”سب کہہ رہے ہیں اور سب سے بڑھ کر میرا دل کہہ رہا ہے۔“ وہ غصے سے بولی۔

”دل کی گواہی تو سچی ہوتی ہے ناں! تمہارا قصور تمہاری اپنائیت اور محبت بھرا انداز تمہارا حسن اخلاق! معصومیت! انہوں نے میرا دل قابو میں کر لیا تھا سو جب جائے فرار نہ رہی تو میں نے تمہیں اپنی زندگی کے حصار میں لے لیا! کیا برا کیا؟“ وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

”بہت برا کیا۔“ یعنی نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا اور ان کی پہنائی ہوئی انگلی غصے میں آ کر اتارنے لگی تو انہوں نے دودھ کا گلاس ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کر فوراً اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے نرمی سے بولے۔

”اتنا غصہ نہیں کرتے۔“

”چھوڑیں میرا ہاتھ۔“ اس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور ساتھ ہی چکر اکر گرنے لگی تو نفیس نے اسے فوراً پکڑ لیا۔
”یعنی! کیا ہوا بیٹھو ادھر۔“

”میں سونا چاہتی ہوں۔“ اس نے اپنا سر پکڑتے ہوئے کہا۔

”او کے پہلے چین ٹکڑا کھا اور دودھ کے ساتھ پھر سو جانا اور دیکھو سو چومت تم نے کوئی ڈاکہ نہیں ڈالا کسی کا حق نہیں چھیننا! لوشا باش دوا کھا لو۔“ انہوں نے بہت محبت سے کہتے ہوئے اسے ٹیبلٹ اور دودھ کا گلاس دیا اس نے ٹیبلٹ دودھ سے نگل لی اور گلاس میز پر رکھ دیا۔

”دودھ تو ختم کر لو۔“ نفیس نے کہا تو بینڈ پر لینے کے ارادے سے سیدھی ہو گئی۔

”نہیں دل نہیں چاہ رہا آپ پلیر لائٹ آف کر دیجئے۔“ نفیس نے کہا۔

”اور اس کے بعد کیا کروں؟“ نفیس کا جملہ اور لہجہ دونوں ہی معنی خیز اور شریعت تھے وہ حجاب آمیز الجھن میں مبتلا ہو گئی اور پھر رخ پھیر کر بولی۔

”کنول آپا کی پاس چلے جائیں۔“

”کنول کے پاس تو ہم روز ہی ہوتے ہیں آج تو آپ کا دن ہے آپ کی رات ہے۔“ نفیس نے شوخی سے مسکراتے ہوئے کہا تو اس نے غصے سے انہیں گھورا اور آنکھوں پر بازو رکھ کر لیٹ گئی نفیس ملنے اور لائٹ آف کر کے کمرے سے باہر نکل گئے کیونکہ اندازہ تھا کہ وہ اس کے قرب کو زیادہ دیر نظر انداز نہیں کر سکیں گے وہ کنول کے اور اپنے بیڈروم میں آ گئے کنول ان کے تقسیم ہو جانے پر روتی رہی تھیں ان کے آتے ہی سوتی بن گئیں وہ بھی خاموشی سے ان کے برابر میں اپنی جگہ پر لیٹ گئے۔

”گلتا ہے یعنی نے جو کچھ مجھ سے کہا تھا اس پر سختی سے عمل کیا ہے ورنہ نفیس اس طرح آج کی رات اپنی من پسند دلہن کو چھوڑ کر واپس میرے پاس نہ آتے۔“ کنول نے دل میں سوچا اور ہلکی پھلکی ہو کر سونے کی سعی کرنے لگیں۔

”کنول آپا درست کہہ رہی تھیں نفیس کو اپنا حق لینا آتا ہے۔“ گتے نرم خو ہیں نفیس غیرے تمام تر غصے اور بے رخی کے باوجود مجھ سے محبت اور اپنائیت کر رہے تھے میرا خیال کر رہے تھے میرے لئے دودھ اور ٹیبلٹ بھی لے آئے اور میرے کہنے پر کمرے سے چلے بھی گئے حالانکہ رات تو..... میں نے ان کی خوشی خاک میں ملا دی انہوں نے بھی تو میری اور میرے گھر والوں کی کہانی بنائی ہے کیسی کیسی باتیں بنائی ہیں خاندان والوں نے نفیس کی محبت اپنی جگہ مگر میری عزت بھی تو کوئی حیثیت رکھتی ہے میں جہاں جاؤں گی لوگ تو یہی کہیں گے تاکہ میں نے امیر کزن کو بھانپ لیا اس کے بیوی بچوں پر ظلم کیا، اف میرے اللہ! یہ سب کیوں ہو گیا، امی جان اور مولوی صاحب نے استخارہ کیا تھا اس پر عمل کر کے امی تو مطمئن ہیں پھر میں کیوں بے سکون ہو رہی ہوں؟“ یعنی کا ذہن سوچتے سوچتے تھک گیا سر کا درد مزید بڑھا تو اسے نیند آ گئی۔

☆.....☆

اگلے دن اند اور حماد کا ویدہ تھا یعنی بھی نفیس اور کنول آپا کے ساتھ شریک ہوئی اس کے اگلے روز نفیس کے ویسے کی دعوت ہوئی جس میں قریبی دوست احباب شریک ہوئے نفیس اور یعنی کے درمیان روز اول کی طرح اجنبیت اور بے رخی کی دیوار حائل رہی کنول کو اطمینان سا ہو گیا روشنی اور شان یعنی سے بہت پیار کرتے تھے اس کے ماما بن کر آ جانے سے وہ بہت زیادہ خوش تھے اس روز وہ ناشتے کے لئے ڈائننگ روم میں آئی تو ان دونوں نے اسے گفٹ

پیک دیئے۔

”یہ کس لئے ہیں؟“ یعنی نے حیران ہو کر پوچھا۔

”آپ ہماری ماما جان بن گئی ہیں ناں اس خوشی میں ہیں۔“ شان نے بتایا۔

”تھینک یو دیری مچ۔“ یعنی نے دونوں کو اپنے گلے سے لگا کر پیار کیا۔

”یہ شرف اپنائیت ہمیں بھی بخش دیجئے ہمارا بھی کچھ حق ہے بلکہ بہت حق ہے۔“ نفیس نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے شوخ لہجہ میں کہا تو وہ سرخ پڑ گئی اس کے دل میں لطیف جذبوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔

”میں یہ کمرے میں رکھ آؤں۔“ وہ گفٹ پیک رکھنے کے بہانے وہاں سے اٹھ گئی۔

”یعنی ناشتہ نہیں کرے گی کیا؟“ کنول ناشتے کے لوازمات ٹیبل پر لگاتے ہوئے بولیں۔

”ہاں نہیں۔“ نفیس نے یہ کہتے ہوئے تو س اٹھا لیا۔

”میں بلا لاتی ہوں وہ شرماری ہوگی۔“ کنول نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے تم ناشتہ کرو اسے بھوک ہوگی تو خود ہی آ جائے گی۔“ نفیس نے سنجیدگی سے کہا تو کنول نے حیرت سے انکا چہرہ دیکھا جہاں بے حد سنجیدگی اور بے نیازی چھائی ہوئی تھی اتنے میں یعنی خود ہی چلی آئی۔

”اسلام علیکم آپا!“ یعنی نے کنول کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”وعلیکم اسلام آؤ یعنی بیٹھو۔“ کنول نے مسکراتے ہوئے اسے اپنے برابر بیٹھنے کا اشارہ کیا وہ بلا تردد ان کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

”آپا! ناشتہ آپ نے بنایا ہے۔“ یعنی نے آ میٹ لیتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں کیوں.....؟“

”کل سے میں ناشتہ بناؤں گی۔“

”کل سے نہیں مہینے بعد کام کو ہاتھ لگانا ابھی تم چار دن کی دلہن ہو۔“ کنول نے کہا۔

”دلہن۔“ وہ طنز سے مسکرائی نفیس نے ایک پل کو اسے دیکھا تھا۔

”ویسے ماما! آپ دلہن بن کر بہت زیادہ خوبصورت لگ رہی تھیں۔“ شان نے ایمان داری سے کہا تو وہ ہنس دی۔

”میں چلتا ہوں مجھے آفس سے دیر ہو رہی ہے۔“ نفیس نے ٹیکس سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا اور اٹھ

کھڑے ہوئے کنول بھی ساتھ ہی کھڑی ہو گئیں دونوں بچوں نے انہیں اللہ حافظ کہا اور کنول انہیں گاڑی تک چھوڑنے لگیں یعنی وہیں بیٹھی بے دلی سے ناشتہ کرتی رہی۔

☆.....☆

”میری جگہ کہاں ہے میں بھی تو نفیس کی بیوی ہوں وہ تمام حقوق میرے بھی ہیں جو کنول آپا کے ہیں جو باتیں بننا تھیں بن چکیں شادی ہو چکی علیحدگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی میں اس طرح تو سارا الزام مجھ پر آ جائے گا میرے کردار پر حرف آئے گا ابھی تو صرف باتیں بنی ہیں بعد میں بدنامی بھی ہوگی نہیں امی نے جو کچھ مجھے سمجھایا تھا مجھے اس پر عمل کرنا چاہئے اور پھر نفیس تو مجھ سے محبت بھرا برتاؤ کر رہے ہیں میں ہی ان کے حقوق سے نظریں چرا رہی ہوں اور گناہ گار بن رہی ہوں بہشتی زیور میں شوہر کے حقوق ادا نہ کرنے والی بیویوں کے لئے کتنا گناہ اور عذاب بتایا گیا فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں اور حوری بھی اولو..... اب میرے غصہ کرنے یا بے رخی برتنے سے کیا ہوگا؟ سوائے اس کے کہ میں خود اپنی شخصیت میں مٹنی پہلو پیدا کرتی جا رہی ہوں اور اس طرح تو میں نفیس کے دل سے اتر جاؤں گی جو

محبت انہیں مجھ سے شادی جیسے بندھن میں بندھنے پر مجبور کر گئی وہ محبت میرے ہاتھوں سے نکل جائے گی نہیں۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گی کنول آپ نے اپنی مرضی سے اجازت نامہ لکھ کر دیا تھا نفیس کو سب کی مرضی سے یہ شادی ہوئی ہے تو میں کیوں خود کو اس رشتے کی خوشی سے محروم رکھوں مگر میں نفیس سے کہہ بھی تو نہیں سکتی کہ میں ان سے صلح کرنا چاہتی ہوں۔ یعنی نے اپنے کمرے میں بیٹھتے ہوئے سوچا۔

☆.....☆

”آپ آگئے؟“ کنول انہیں دیکھ کر بولی۔

”جی ہاں آگئے آپ کیا کر رہی تھیں؟“ نفیس پوچھنے لگے۔

”امی جان کا فون تھا وہ دو چار دن میں آ رہی ہیں یہاں۔“ انہوں نے بتایا۔

”یہ تو خوشی کی بات ہے تم نے یعنی کے متعلق انہیں بتا دیا ہے؟“

”جی اور وہ اسی سلسلے میں آپ سے بات کرنے آ رہی ہیں۔“

”بات کرنے یا جھگڑنے؟“ وہ ہنستے ہوئے بولے۔

”یہ تو وہی آپ کو بتائیں گی۔“ کنول نے کندھے اچکا کر کہا۔

”او کے اللہ مالک ہے چائے تو پلو ادا اچھی سی۔“

”میں نے یعنی سے کہہ دیا ہے آپ چیخ کر لیں اتنی دیر میں وہ چائے تیار کر کے لے آئے گی۔“

”اچھا! ہاں یاد آیا کل سے گیٹ کھیر آ جائے گا باہر سے سودا سلف منگوانا ہو تو بھی اسے کہہ دیا کرتا میری بات

ہو گئی ہے اسلام نام ہے اس کا۔“ نفیس نے چلتے چلتے رک کر بتایا۔

”یہ تو اچھا ہوا اب آپ کسی کک کا انتظام بھی کریں اپنے ملک میں یہ تو فائدہ ہے کہ ہر کام کے لئے ملازم رکھا

جاسکتا ہے۔“ کنول نے کہا۔

”لیکن ملازم یا کک تم سے اچھا کھانا تو نہیں پکا سکتا۔“ نفیس نے کہا تو وہ خوش ہو گئیں۔

”مئی اسانے والی آئی ہے۔“ شان نے دور سے ہی کہا۔

”جائیے آپ نے تو یہاں آتے ہی دوستیاں بنا لی ہیں۔“ نفیس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں نے تو صرف دوستیاں بنائی ہیں آپ نے تو.....“ کنول اپنا جملہ ادھر اچھوڑ کر چلی گئی اور نفیس ان کے

جلے میں چھپے طنز کو محسوس کئے بغیر نہ رو سکے وہ چھیچھ کر کے آئے تو یعنی کو لاؤنج میں بیوی کے سامنے بیٹھے پایادہ بھی

وہیں آگئے۔

”آپ کی چائے ٹیبل پر رکھی ہے۔“ یعنی نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

”کنول کو باہر بھجوا دی ہے چائے؟“ انہوں نے پوچھا۔

”اس کی فریڈ آئی ہوئی ہیں۔“ نفیس بولے۔

”جی میں دے آئی ہوں۔“

”تو مجھے بھی دے دو۔“ وہ صوفے پر آرام سے بیٹھتے ہوئے بولے اس نے چائے کپ میں انڈیل کر کپ انہیں

دیا اور جانے لگی تو انہوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا وہ گھبرا گئی۔

”بیشو مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔“ انہوں نے نرمی سے کہا تو وہ خاموشی سے دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی اور ان کے بولنے کا انتظار کرنے لگی وہ چائے پی رہے تھے۔

ۛ

”شان اور روشی کی تعلیم کا بہت خرچ ہو رہا ہے میں چاہتا ہوں کہ انہیں کسی اچھے سے اسکول میں داخل کرادیا جائے تم تو یہاں کی رہنے والی ہو یہاں پڑھتی رہی ہو اس لئے تم ہی میری مدد کرو۔“ نفیس نے چائے ختم کر کے کہا۔

”کیسی مدد؟“ یعنی نے زبان سے کچھ نہیں کہا سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا تو وہ اس کی نظروں کا مفہوم سمجھتے

دوئے بولے۔

”بچوں کے ایڈمیشن کے سلسلے میں تم ہی بتاؤ کون سا اسکول بہترین ہے تمہاری نظر میں کوئی اسکول ہے جس کا

تعلیمی معیار عمدہ ہو؟ اگر ہے تو مجھے اس کا نام اور ایڈریس بتاؤ۔“ یعنی نے ٹیلی فون سیٹ کے قریب رکھی ڈائری اور چین

اٹھا کر کاغذ پر اسکول کا نام اور ایڈریس لکھ کر کاغذ پھاڑ کر خاموشی سے ان کی طرف بڑھا دیا یہ اس اسکول کا ایڈریس تھا

جس میں اس نے پرائمری سے میٹرک تک تعلیم حاصل کی تھی اسکول کی نیچر ز اور پرنسپل سے آج بھی اس کی دعا سلام

اور دوستی تھی وہ اپنے اسکول کی ہونہار طالبہ اور مقررہ تھی۔

”میرا خیال تھا کہ بچوں کے معاملے میں تم پورا تعاون کرو گی بہر حال اس تعاون کا بھی شکریہ پرنسپل کا نام

بھی لکھ دیتیں۔“ نفیس نے کاغذ لے کر ایڈریس پڑھتے ہوئے کہا تو یعنی نے غصے سے کاغذ ان کے ہاتھ سے

جھپٹ کر پھاڑ دیا۔

”ارے رے یہ کیا کیا سوری ڈارلنگ! میں تو بونہی کہہ رہا تھا۔“ وہ حیران ہو کر بولے۔

”اگر آپ کی اجازت ہو تو میں ایک ٹیلی فون کر سکتی ہوں۔“

”ضرور آپ ایک سو ایک فون کر سکتی ہیں اس کے لئے میری اجازت کی ضرورت نہیں ہے آپ کو۔“ انہوں نے

بہت دلفریب انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

”تھینک یو۔“ یعنی نے نظریں چرا کر کہا اور اسکول کی پرنسپل میڈم خدیجہ کے گھر کا نمبر ڈائل کیا نفیس نے اپنے

لئے کپ میں اور چائے انڈیل لی اور پینے لگے ساتھ ساتھ اسے بھی دیکھے جارہے تھے جس کے چلنے سے نئی نوٹی

لبین ہونے کا گمان تک نہیں ہو رہا تھا لان کا زرد اور سفید سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا اس نے بالوں کی چوٹی باندھ رکھی

تھی مہندی اس کے ہاتھوں کا حسن بڑھا رہی تھی ان کی پہنائی ہوئی انگوٹھی اس کی انگلی میں بڑی شان سے چمک رہی

تھی وہ مسکرا دئے۔

”اسلام علیکم میڈم! میں قرۃ العین بات کر رہی ہوں۔“ یعنی نے فون ریسیو ہونے پر میڈم خدیجہ کی آواز

پہچان کر کہا۔

”کون یعنی؟“ میڈم خدیجہ کے لہجے میں اپنائیت اور محبت جھلکنے لگی۔

”جی کسی ہیں میڈم آپ؟ مری سے لوٹ آئیں۔“

”اللہ کا شکر ہے میں بالکل خیریت سے ہوں نشاء کے ماموں نے اسلام آباد بلا لیا تھا چھٹیاں تھیں سو میں بھی

چلی گئی مری کی بھی سیر ہو گئی اس بہانے تم سناؤ کیا حال ہے؟ گھر میں سب خیریت ہے۔“

”جی میڈم! خیریت ہی خیریت ہے اس وقت تو آپ کو ایک کام کے سلسلے میں زحمت دی ہے زسری اور کلاس

فون میں بچوں کا ایڈمیشن کرانا ہے۔“

”کس کے بچوں کا؟“

”میرے ہی چھبیس۔“ یعنی نے نفیس کی طرف دیکھ کر کہا تو ان کے ہونٹوں پر گہری مسکان سج گئی۔

”تمہارے.....؟“ بھی تانیہ اور فہیم تو نہیں ہو سکتے وہ تو پہلے ہی داخل ہیں۔“

”آپ کا اندازہ درست ہے میڈم! یہ تانیہ اور نعیم نہیں ہیں روشان اور شایان ہیں۔“
”تم نے کہا ہے تو انکار تو نہیں کیا جاسکتا اب لیکن وہ بچے ہیں کس کے؟“ وہ بہت محبت سے بولیں۔

”بتایا تو ہے میرے ہیں۔“

”تو کیا تم نے میرے پندرہ دن کے اسلام آباد ٹرپ کے اور ان پیچھے سے شادی کر لی ہے؟“ وہ بہت حیران ہو کر بولیں۔

”جی میڈم! ایسا ہی ہوا ہے ورنہ آپ کو پہلے سے خبر ہوتی، میں تو آپ کو انوائٹ کرنے گئی تھی مگر آپ کے گھر کے گیٹ پر تالا لگا ہوا تھا۔“

”او آئی سی! بھی مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے بہت مبارک ہو۔“ میڈم خدیجہ نے دل سے اسے مبارکباد دی۔

”بہت شکریہ میڈم۔“

”تم خوش تو ہونا؟“ میڈم خدیجہ نے پوچھا۔

”آپ جانتی ہیں میڈم! میں ناخوش رہنے والی لڑکی نہیں ہوں۔“ یعنی نے مسکرا کر کہا۔
”وہ تو ہے لیکن شادی کے بعد انسان کی زندگی یکسر بدل جاتی ہے اور یہ بچوں کا کیا معاملہ ہے کیا تمہارے شوہر پہلے سے شادی شدہ ہیں؟“

”جی میڈم! آپ سے میں نے ذکر تو کیا تھا فون پر چند مہمانوں کا۔“

”تو تمہارے کینیڈا سے آئے ہوئے کزن نفیس بھائی نے تم سے شادی کی ہے؟“

”بالکل سچ سمجھیں آپ۔“

”لیکن یہ سب کیوں اور کیسے ہو گیا؟ تمہارے لئے تو اور بھی رشتے آئے تھے؟“ میڈم خدیجہ کی حیرت دیدنی تھی۔

”بس میڈم! یہ نصیب کی بات ہے جہاں لکھا ہو وہی رشتہ جز جاتا ہے خیر یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی آپ یہ بتائیے کہ کیا میں کل بچوں کو لے کر آ جاؤں؟“

”تو ٹھیک ہے تم بچوں کو صبح دس بجے اسکول لے آنا ایڈمیشن ہو جائے گا اور ہاں مصطفیٰ لا نامت بھولنا۔“

”جی نہیں بھولوں گی انشاء اللہ پھر صبح ملاقات ہوگی اللہ حافظ۔“ یعنی نے مسکراتے ہوئے کہا اور ریسیور کرینڈل پر رکھ دیا نفیس جو مسلسل اسی کو دیکھ اور سن رہے تھے فون بند ہونے پر بولے۔

”میڈم سے تمہاری بہت دوستی اور بے تکلفی معلوم ہوتی ہے۔“

”جی ایسا ہی ہے اب آپ بتائیے کہ آپ کو میری چوائس پر اعتبار ہے یا نہیں اگر آپ چاہیں گے تو میں بچوں کو صبح اسکول لے جاؤں گی انشاء اللہ ایڈمیشن ہو جائے گا آپ اپنی سلی کے لئے بے شک خود اسکول چلے جائیے گا۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”یعنی! میری جان..... عشق اعتبار کئے بنا نہیں ہوتا تم پر میں ہر قسم کا ہر حوالے سے اعتبار کر سکتا ہوں اس سے تم میری محبت اور عشق کی انتہا کا اندازہ لگا سکتی ہو تمہاری چوائس یقیناً قابل اعتبار اور مفید ہوگی میں صبح گاڑی بھجوادوں گا تم بچوں کو ساتھ لے جانا اور یہ کچھ رقم ہے یہ اپنے پاس رکھ لو مزید چاہئیں ہو تو مجھ سے لے لینا۔“

نفیس نے بہت محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور اپنی نفیس کی جیب میں سے ہزار ہزار کے چار اور پانچ سو کے

نیں نوٹ نکال کر اسے تمہا دیئے۔

”اعتبار کا شکریہ۔“ یعنی نے پیسے گنتے ہوئے کہا۔

”اور پیار کا۔“ وہ پھر سے شوق ہوتے ہوئے بولے تو اس نے ہلش ہو کر کہا۔

”پیار کا کیا شکریہ؟ آپ اپنی مرضی سے مجھ سے پیار کرتے ہیں میرے کہنے پر تو نہیں۔“

”تم پیار کرنے ہی کب دیتی ہو میری سوٹ ہارٹ؟“ نفیس نے محبت سے کہا۔

”صبح دس بجے ہمیں اسکول پہنچنا ہے آپ اسی کے مطابق گاڑی بھجوادیتے ہو گے گا۔“ اس نے نروس ہو کر بات بدلنے

ہوئے کہا تو وہ نفیس پڑے اس کی شرم و حیا سے جھکی صورت دیکھ کر اور پھر بولے۔

”میں پونے دس بجے گاڑی بھجوادوں گا تم اپنی دوست میڈم سے کیا ہر بات شیئر کر لیتی ہو؟“

”بالکل۔“ اس نے مختصر جواب دیا تو وہ بولے۔

”تم ان سے میری شکایت تو کرو گی۔“

”مجھے گھر کے جھگڑنے معاملے اور غصے کو باہر ڈسکس کرنے کی عادت نہیں ہے اور مجھے آپ سے کوئی شکایت

ہے بھی نہیں۔“ یعنی نے ایمانداری سے جواب دیا۔

”رنگی یو آر سو سوٹ ڈارلنگ! تمہاری مزید خوبیاں سامنے آرہی ہیں لگتا ہے کہ میرا سارا پیار تم ہی سمیٹ لو

گی۔“ وہ خوشی سے اس کا ہاتھ تھام کر بولے۔

”میں تو ایسا نہیں چاہتی آپ کے پیار پر آپ کے بیوی بچوں کا حق زیادہ ہے۔“

”تم بھی تو میری بیوی اور.....“

”ایکسکوز می۔“ اس نے ان کی بات کاٹ کر تیزی سے کہتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑایا اور چائے کے برتن اٹھا کر

تیزی سے کچن کی طرف بڑھ گئی نفیس اپنے جذبات پر قابو پاتے پاتے بے قرار ہو گئے کنول بچوں کو ساتھ لئے اسی

دقت وہاں داخل ہوئی تھیں اور یعنی انہیں آنا دیکھ کر ہی نفیس کے پاس سے اٹھ گئی تھی نفیس کو اس کے جانے کی وجہ سمجھ

میں آئی تو مسکرا دیئے۔

☆.....☆

کنول سو رہی تھی بچوں کے اسکول جانے کا وقت ہو گیا تھا یعنی نے انہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا اور روشی اور

شان کو لے کر اسکول آگئی میڈم خدیجہ نے بہت محبت اور گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا وہ بہت جگ دھج سے تیار ہو کر

گئی تھی تاکہ اس کے نئی ٹوپی ڈھن ہونے پر کسی کو شبہ نہ ہو سب نیچر ز بھی اس سے بہت محبت سے ملیں روشی اور شان کو

بھی سب نے ویلم کیا یعنی نے دونوں کا ایڈمیشن کروایا اور ساتھ ہی دونوں کے اسکول یونیفارم بھی خرید لئے گاڑی

ان تینوں کو گھر ڈراپ کر کے واپس آفس چلی گئی وہ شاپنگ بیگ اٹھائے دونوں بچوں کے ساتھ جونکی ڈاننگ روم

میں داخل ہوئی کنول کے سخت لہجے میں جلتا جملہ اس کی سماعتوں سے نکلایا۔

”کہاں گئی تھیں تم میرے بچوں کو لے کر؟“

”آپا! میں بچوں کو اسکول لے گئی تھی ایڈمیشن کے سلسلے میں۔“ یعنی نے اپنی حیرت کو قابو میں لاتے ہوئے آہستہ

سے جواب دیا۔

”کیوں..... میں کیا مر گئی ہوں؟“ کنول کا لہجہ تلخ اور چبھتا ہوا تھا وہ ٹرپ کر بولی۔

”اللہ نہ کرے آپا! خدا آپ کو اپنے بچوں کے سر پر سلامت رکھے۔“

”تم روشی اور شان کی ماں بننے کی کوشش مت کرو یہ میرے بچے ہیں ان کے باپ پر تو تم نے اپنے حسن اور ناز و ادا سے قبضہ جما ہی لیا ہے اب تم میرے بچوں کو بھی مجھ سے چھیننا چاہتی ہو آئندہ میری اجازت کے بغیر انہیں اگر کہیں لے گئیں تو اچھا نہیں ہوگا میں اپنے بچوں کے مستقبل کے بارے میں تم سے بہتر سوچ سکتی ہوں۔“ کنول نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”آئی ایم سوری آیا! آپ سوری تھیں اس لئے میں نے آپ کے آرام کے خیال سے آپ کو جگانا مناسب نہیں سمجھا آئندہ خیال رکھوں گی۔“ یعنی نے کانپتی آواز میں شرمندہ لہجے میں کہا صدے سے اس کی ناگوں سے جان نکل جا رہی تھی کنول کا یہ روپ اس کے لئے حیرت اور دکھ کا باعث تھا۔

”اس گھر میں رہنا ہے تو اپنے کام سے کام رکھو زیادہ نمبر بنانے کی ضرورت نہیں ہے اور یہ تم مجھے آیا کیوں کہتی ہو؟ شروع دن سے میں آیا آیا کی رٹ سن رہی ہوں نفیس تمہارے کزن تھے اس رشتے سے تو میں ان کی بیوی کی حیثیت سے تمہاری بھالی لگتی تھی لیکن تم نے مجھے آیا کیوں کہا؟“

”جی۔۔۔“ یعنی نے حیران پریشان ہو کر ان کا چہرہ دیکھا یہ عجیب سوال تھا جس کا جواب اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا اس کے دل میں کوئی ابہام کوئی کھوٹ کوئی بد نیتی نہیں تھی۔

”آپا! میں نے تو بے ساختہ آپ کو پہلی بار دیکھتے ہی آپا کہا تھا آپ کو صبا جی کی طرح سمجھا تھا بھابی کہنے کا مجھے خیال ہی نہیں آیا۔“

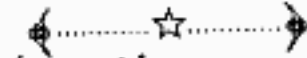
”خیال آتا بھی کیسے تمہارا خیال تو میرے خوبصورت شوہر کی طرف مبذول ہو گیا تھا تمہاری نیت میں شروع دن سے ہی فتنہ تھا تمہیں معلوم تھا کہ نفیس سے شادی کر کے تم مجھے بھابی تو نہیں کہہ سکو گی آپا ہی کہنا ہوگا لہذا ابھی سے آپا کی گردان شروع کر دی جائے۔“ کنول نے الزامات کی انتہا کر دی۔

”آپا! آپ الزام لگا رہی ہیں میرے تو وہم و گمان میں بھی یہ خیال نہیں آیا تھا یہ شادی میری مرضی سے نہیں آپ سب کی مرضی سے ہوئی ہے دوسری شادی کا اجازت نامہ آپ نے خود نفیس کو لکھ کر دیا تھا آپ میں حوصلہ نہیں تھا تو مت دی ہوئی اجازت۔“ وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

”بکو اس بند کر دو دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔“ کنول نے چیخ کر کہا دونوں بچے سہم کر اس کے ساتھ لپٹ گئے ماں کا یہ رویہ ان کے لئے بھی حیرت کا باعث تھا۔

”تم کیوں اس سے لپٹے کھڑے ہو۔“ کنول نے غصے سے دونوں کو اس سے علیحدہ کرتے ہوئے طنز یہ لہجے میں کہا۔

یعنی بمشکل خود پر ضبط کرتے ہوئے تیزی سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی دروازہ اندر سے لاک کر لیا اور شاپنگ بیگز بند پر پھینک کر خود بھی بند پر گر گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اتنی ذلت اتنی ناقدری ایسی تہمت اور الزام تراشی کی تھی کنول نے اس پر کہ وہ بکھر گئی تھی اس کے پاکیزہ کردار پر شک کیا تھا اس کے خلوص کو غلط معنی پہنائے تھے روتے روتے اس کی آنکھیں سوجھ گئیں۔



شام کو نفیس گھر آئے تو خلاف معمول گھر میں بہت خاموشی محسوس ہوئی انہیں روشی اور شان گم صم اپنی کتابیں لئے بیٹھے تھے یعنی اپنے کمرے میں بند تھی اس نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا کنول نے اسے بلایا بھی نہیں تھا کنول سیزین دیکھنے میں مصروف تھیں ایسے جیسے کچھ ہوائی نہ ہو۔

”گھر میں اتنی خاموشی کیوں ہے یعنی کہاں ہے؟“ نفیس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا تو وہ طنز یہ لہجے میں بولیں۔

”اپنے کمرے میں ہو گی اسے آرام سے کب فرصت ملتی ہے اور کیا یعنی کے دم سے ہی اس گھر میں خوشی اور شور مچا رہا ہوتا ہے جو آپ اس کا پوچھ رہے ہیں۔“

”وہ دکھائی نہیں دی اس لئے پوچھ لیا تم تو ناحق برا منارہی ہو آخروہ بھی اس گھر کی فرد ہے۔“ نفیس نے سنجیدگی سے کہا۔

”تو اس گھر کے افراد کے ساتھ گھل مل کر کیوں نہیں رہتی آپ اسے بیاہ کر لائے تھے آپ تک سے تو وہ بات نہیں کرتی پھر بھلا ہم کس کتنی میں ہیں۔“ کنول نے جھوٹ کی حد کر دی نفیس نے تاسف سے انہیں دیکھا اور نری سے بولے۔

”یعنی ایسی نہیں ہے وہ تم سب سے پیار کرتی ہے سب کے ساتھ مل جل کر رہتی ہے رہی میری بات تو میرا اس سے الگ معاملہ ہے وہ خفا ہے جلد مان جائے گی اب تم اچھی سی چائے بنا کر لاؤ اور ساتھ کچھ کھانے کے لئے بھی لے آنا میں نے دوپہر لٹچ نہیں کیا تھا اب بھوک لگ رہی ہے۔“

”ماما نے بھی لٹچ نہیں کیا انہیں بھی بھوک لگ رہی ہوگی۔“ شان نے کہا۔

”شان! اپنی پڑھائی پر توجہ دو۔“ کنول نے سختی سے اسے ٹوکا تو وہ دوبارہ کتاب پر جھک گیا نفیس نے حیرانگی سے کنول کو دیکھا وہ کچن میں چلی گئیں تو انہوں نے شان اور روشی سے پوچھا۔

”آپ کی ماما نے لٹچ کیوں نہیں کیا؟“

”وہ پاپا! شان اٹھ کر ان کے پاس آ بیٹھا اور رازداری سے بولا۔

”ممی نے آج ماما کو بہت ڈانٹا تھا بہت غصے ہوئی تھیں وہ ماما پر پھر ماما اپنے کمرے میں بند ہو گئیں اور ابھی تک باہر نہیں آئیں۔“

”کیا کنول نے یعنی کو ڈانٹا لیکن کیوں؟“ نفیس نے حیران ہو کر پوچھا۔

”ماما! ہمیں اسکول جو لے گئی تھیں ممی سوری تھیں ماما نے جگایا نہیں تاکہ ممی اپنی نیند پوری کر لیں جب ہم واپس آئے تو ممی نے آتے ہی ماما کو ڈانٹنا شروع کر دیا۔“ شان نے بتایا۔

”جی پاپا! اور ممی نے ماما سے بولا کہ روشی اور شان کی ماں بننے کی کوشش مت کرو یہ میرے بچے ہیں میری اجازت کے بغیر انہیں کہیں لے گئیں تو بہت برا ہوگا پاپا ہمیں اس وقت ممی سے بہت ڈر لگ رہا تھا ماما کی آنکھوں میں آنسو بھی آ گئے تھے لیکن وہ ہمارے سامنے روئی نہیں۔“ روشی نے ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر بتایا تو وہ بے چین و بے قرار ہو گئے کنول کے منہ روئے کا انہیں یقین نہیں آ رہا تھا مگر وہ بچوں کی بات کو جھٹلا بھی نہیں سکتے تھے وہ شدید پریشانی اور الجھن میں مبتلا ہو گئے۔

”پاپا ہم اسی اسکول میں پڑھیں گے ممی کو بھی منالیں ناں۔“ شان نے کہا۔

”آپ ممی کو مت بتائیے گا کہ آپ کو اس اسکول میں ماما نے داخل کرایا ہے میں کہہ دوں گا کہ میں نے آپ کا ایڈمیشن کرایا ہے ٹھیک ہے۔“

”ٹھیک۔“ وہ دونوں خوش ہو کر بولے لہجے میں رازداری کا عہد تھا۔

”آپ پڑھیں میں ذرا آپ کی ماما کو دیکھوں دوپہر سے کمرہ بند ہے خدا نخواستہ اسے کچھ ہونہ گیا ہو وہ بہت

حساس لڑکی ہے میری وجہ سے مشکل میں پڑ گئی ہے۔“ نفیس نے دونوں کو پیار کر کے کہا اور اٹھ کر نفیس کے کمرے سے قریب چلے آئے دروازہ پیچھے دھکیلا تو کھل گیا وہ خاموشی سے کمرے میں داخل ہو گئے، یعنی عصر کی نماز پڑھنے کے بعد دعا مانگ رہی تھی وہ دروازہ بند کر کے کرسی پر آ بیٹھے اس کے چہرے پر آنسوؤں کی نمی انہیں صاف دکھائی دے رہی تھی سفید بڑے سے دوپٹے میں اس کا بیگناہ چہرہ انہیں بے چین کر رہا تھا وہ چہرے پر ہاتھ پھیر کر تسلی کرنے لگیں نفیس اٹھ کر بیٹھنے لگی، یعنی کون کی آمد کا احساس ہوا تو اس نے فوراً اپنے آنسو صاف کر لئے جائے نماز تہہ لگا کر رکھ دوپٹہ اتار کر کپڑوں کے ساتھ کا گلابی دوپٹے شانوں پر پھیلا کر مڑی تو وہ اس کے عین سامنے کھڑے تھے۔

”اسلام علیکم“ نفیس نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے سلام کیا۔

”وعلیکم اسلام“ نفیس نے نظریں جھکا کر جواب دیا اس کا چہرہ انہیں ساری کہانی سنار ہاتھ کا وہ کس دکھ اور کرب سے گزر رہی ہے وہ دیکھی ہو گئے۔

”طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟“

”میری طبیعت تو ٹھیک ہے۔“ نفیس نے تو بہت غم نہ کر کہا انہیں اس کے جملے کی گہرائی میں پہنچنے میں ایک سیکنڈ لگا تھا۔

”بچوں کے ایڈمیشن کا کیا بنا؟“ وہ مسلسل اس کے چہرے پر نظریں جمائے سوال پر سوال کئے جا رہے تھے وہ ندوس ہونے لگی اور بیڈ کی طرف آ گئی۔ اور بیڈ پر رکھے شاپنگ بیگ میں سے دو فائلیں نکال کر ان کی طرف بڑھا کر بولی۔

”ان فائلز میں روشنی اور شان کے ایڈمیشن فارم ہیں جو میں نے فل کر دیئے ہیں آپ کنول آپا کی مرضی معلوم کر لیجئے گا اگر انہیں اس اسکول میں بچوں کے ایڈمیشن پر اعتراض نہ ہو تو آپ فارمز پر اپنے دستخط کر دیجئے گا اور ایڈمیشن فیس کے ساتھ اسکول کے آفس میں جمع کرادیجئے گا ویسے بچے کل سے کلاسز جوائن کر سکتے ہیں میں نے میڈم سے بات کر لی ہے اب آپ کنول آپا سے بات کر لیجئے۔“

”کیا میرا کہنا میرا اجازت دینا کافی نہیں ہے؟“ اس کے اس جملے کا سبب وہ جان چکے تھے لیکن اس کی زبان سے سننا چاہتے تھے اس لئے پوچھا۔

”میں نے کافی سمجھ کر ہی قدم اٹھایا تھا لیکن.....“ اس نے جملہ ادھر اچھوڑ دیا۔

”لیکن کیا.....؟“

”کچھ نہیں میں بہت جلد باز ہوں آپ سے اور کنول آپا سے پوچھے بغیر ہی بچوں کے اسکول یونیفارم بھی خرید لائی اب اگر وہ دوسرے اسکول میں داخل کئے جائیں گے تو.....“ وہ پھر سے ادھوری بات کہہ کر خاموش ہو گئی کیونکہ اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی شامل ہوتی جا رہی تھی نفیس بے قرار ہو گئے۔

”روشنی اور شان اسی اسکول میں داخل ہوں گے میں کنول کی نامعقول ضد کی وجہ سے تمہارا اعتبار تو توڑ نہیں سکتا۔“ نفیس نے فائلز کھول کر دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے حیرت سے انہیں دیکھا اس نے کنول کے بارے میں انہیں کچھ نہیں بتایا تھا پھر وہ ایسا کیوں کہہ رہے تھے نفیس اس کی حیرانگی بھانپ گئے تھے سنجیدہ لہجے میں بولے۔

”مجھے بچوں نے سب کچھ بتا دیا ہے تم کیوں چھپا رہی تھیں؟“

”میں گھر میں کوئی بد مزگی نہیں چاہتی اور کنول آپا نے جو کہا درست کہا میں کون ہوتی ہوں ان کے بچوں کے متعلق اپنی مرضی چلانے والی اس لحافے میں باقی رقم موجود ہے نفیس بھی اس ہی سے ادا ہو جائے گی یہ یونیفارم کا

ملے ہیں میں نے سارا حساب لکھ دیا ہے۔“ نفیس نے خود کو کمپوز رکھتے ہوئے سائینڈ ٹیبل پر سے بتایا رقم کا لحاف اور خرچ کی گئی رقم کے حساب کچھ چٹ ان کی جانب بڑھا کر کہا انہوں نے دونوں چیزیں اس کے ہاتھ سے لے کر واپس میز پر رکھ دیں اور اس کے شانوں کو تھام کر اسے اپنے قریب کر کے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے نرمی سے بولے۔

”مجھے تم سے رقم کا حساب نہیں چاہئے اور نہ ہی مجھی میں تم سے روپے پیسے کا حساب مانگوں گا میں تو تم سے ان لکھوں کا حساب مانگوں گا جو تمہارے ہوتے ہوئے تمہاری محبت سے محروم گزر گئے میں ان ساعتوں کا حساب تم سے مانگوں گا جو تمہاری قربت کی خواہش میں رائیگاں چلی گئیں میں ہر اس بل کا حساب تم سے مانگوں گا جو تمہاری محبت بھری نگاہ کے لئے ترستے گزر گیا مجھے تم سے ہر اس گھڑی کا حساب چاہئے یعنی جان! جس میں میں اپنے جذباتوں پر بندھ باندھنے پر مجبور ہو گیا حساب دینا ہی ہے تو ان سارے لکھوں کا دوڑے سکتی ہو یہ حساب؟“

”پلیز..... بس کیجئے۔“ نفیس نے ان کی محبتوں کے سامنے بے بس ہو کر دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا کر سسکیاں لے لے کر رونے لگی ان کی محبت پر اپنی حماقت پر نفیس نے اس کے ہاتھوں کو چہرے سے ہٹا کر اس کے آنسو صاف کئے۔

”روڈ نہیں کیا حالت بنالی ہے تم نے اپنی جیسا تم چاہو گی ویسا ہی ہو گا مجھے تمہارے اسکول میں ہی تعلیم حاصل کریں گے کنول کو میں سمجھا دوں گا کہ میں نے بچوں کا ایڈمیشن کرایا ہے اور کل تم خود جاؤ گی فیس اور فارم جمع کرائے میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا ٹھیک ہے۔“ انہوں نے بہت محبت سے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر چیزیں سینٹے ہوئے بولی۔

”آپ دس بجے آفس سے ہی اسکول پہنچ جائیے گا میں خود ہی وہاں آ جاؤں گی۔“

”صحیح میں پہنچ جاؤں گا اب تم منہ ہاتھ دھو کر لاؤنج میں آ جاؤ کھانا تم نے بھی نہیں کھایا اور میں نے بھی نہیں کھایا آ جاؤ اکٹھے کھائیں گے۔“ انہوں نے نرمی سے کہا۔

”آپ جائیں مجھے بھوک ہو گی تو میں خود ہی کچن میں جا کر کھالوں گی۔“

”یعنی! میں جو کہہ رہا ہوں تم سے۔“

”اور میں جو کہہ رہی ہوں آپ سے۔“ اس نے اس انداز میں جواب دیا۔

”تم بہت ضدی لڑکی ہو۔“

”میں ضدی لڑکی ہوں۔“ نفیس نے ہنگامی ہنگامی خفا خفا نظروں سے انہیں دیکھا تو وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

”میں نہیں تم تو بہت اچھی لڑکی ہو۔“

”شکریہ! اب جائیے کنول آپا نے چائے تیار کر لی ہو گی۔“

”جو حکم جان نفیس! آپ کی اس ساری بے مروتی اور بے رخی کا حساب ہم جلد لیں گے آپ سے۔“ نفیس نے اس کے رخسار کو چھوتے ہوئے کہا اور اس کے رخ پھیرنے پر کمرے سے باہر چلے آئے اور نفیس کے لبوں سے گہرا سانس خارج ہو گیا۔

ہو گیا ہے کل میں خود ان دونوں کو اسکول لے جاؤں گا۔“ نفیس نے سنجیدگی سے کہا دونوں بچے ان کے اس خوبصورت پلان پر خوشی سے مسکرا دیئے۔

”چلیں اچھا ہوا۔“ کنول نے مطمئن ہو کر چائے کا کپ منہ سے اگالیا۔

”بچو! تیار ہو جاؤ میں آپ کا اسکول یونیفارم بھی ابھی خرید لاتا ہوں۔“ نفیس نے چائے ختم کرنے کے بعد اٹھتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی انہیں کنول کی نظروں سے بچ کر آنکھوں سے اشارہ کیا وہ دونوں ان کا مطلب سمجھ کر خوشی خوشی جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ کنول چائے کے برتن رکھنے کے لئے کچن میں گئیں تو نفیس جلدی سے یعنی کے کمرے میں گئے اور بچوں کا اسکول یونیفارم کے بیگز اٹھا کر باہر گاڑی میں رکھ کر بچوں کی طرف مڑے تو تینوں کو ہنسی آ گئی۔

”اب چلیں میر ہو جائے۔“ نفیس نے مسکراتے ہوئے دونوں سے کہا۔

”چلیں پاپا! اما کو بھی ساتھ لے لیں بہت مڑو آئے گا۔“ شان نے کہا تو وہ حسرت بھرے لہجے میں بولے۔

”جینا! مڑو بہت آئے گا مگر آپ کی ماما نہیں آئیں گی اور ہماری پلاننگ کا بھی بیڑا غرق ہو جائے گا ماما کو پھر کسی دن ساتھ لے چلیں گے ابھی تو آپ جلدی سے یہاں سے نکلنے کی کریں اگر آپ کی می آ گئیں تو تینوں کی شامت آ جائے گی۔“

☆.....☆.....☆

صبح اسکول ٹائم پر نفیس دونوں بچوں کو اسکول ڈراپ کر کے آفس چلے گئے یعنی پونے دس بجے تیار ہو کر اسکول جانے کے لئے کمرے سے باہر نکلی تو کنول نے اسے بہت ٹیکھی نظروں سے دیکھا وہ چوری بن گئی اور مدھم آواز میں بولی۔

”آپا! میں امی سے ملنے جا رہی ہوں۔“

”امی سے ملنے یا۔۔۔۔۔“ کنول کا لہجہ خاصا مشکوک اور چبھتا ہوا تھا اور پہلی بار اسے محسوس ہوا کہ جھوٹ بولنا کتنا مشکل ہوتا ہے وہ جلدی سے باہر نکل آئی چادر لپیٹ کر گیٹ پر پہنچی تو چوکیدار اسلم سے رکشہ روکنے کو کہا۔

”بیگم صاحب! میں جھوڑاؤں آپ کو آپ کدھر اکیلی رکشے میں جا میں گی۔“ چوکیدار اسلم کا انداز اسے بالکل پسند نہیں تھا اس کی نظریں وہ خود پر کئی بار محسوس کر چکی تھی اسے اسلم پر شدید غصہ آ رہا تھا پھر رکشہ منگوا کر اسکول چلی گئی۔

رکشہ اسکول کے قریب رکا تو عین اسی وقت نفیس کی کار بھی اسکول کے گیٹ کے قریب آ کر رک کی تھی وہ دونوں باہر نکل آئے اور مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھا۔

”ہم دونوں کی ٹائمنگ بہت پر فیکٹ ہے۔“ نفیس نے اس کے ساتھ گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا مگر وہ خاموش رہی وہ خاموشی سے لان کے قریب رک کر اپنی چادر اتار کر تہہ لگانے لگی نفیس نے بہت دالہا پنہ پن سے اسے دیکھا۔ وہ لگ بھی تو بہت پیاری رہی تھی میرون براؤن اور بسکٹ رنگ کے سلکین جزی کے دوپٹے نفیس کے ساتھ میرون سادہ شلوار زیب تن کر رکھی تھی اس نے دوپٹے اور نفیس پر ستارے گونے کا نفیس کام کیا ہوا تھا بہت ہی عمدگی سے لباس کی مناسبت سے کیا گیا میک اپ اس پر غضب ڈھار ہاتھ کانوں میں بہت ہی ہلکے آویزے پہنے ہوئے تھے اور ہاتھ میں نفیس کی رونمائی میں پہنائی گئی انگوٹھی بھی خوشبو اس کے بدن سے اٹھ کر اطراف میں اس کی آمد کی خبر دے رہی تھی نفیس تو بے خود سے ہونے لگے تھے۔

”ماشاء اللہ! بہت ہی حسین لگ رہی ہو اب لگا ہے کہ کئی نویلی دہن ہیں آپ گھر میں کیوں نہیں تیار ہوتیں اس طرح؟“ نفیس نے محبت سے کہا۔

رداؤ انجسٹ 98 اگست 2011ء

”گھر میں گھر والوں کو میرے اس طرح تیار نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا جبکہ گھر سے باہر لوگ لڑکی کی بچ جھج دیکھ کر ہی اندازہ لگاتے ہیں کہ وہ اپنی شادی سے کتنی مطمئن اور خوش ہے بیوی کی بچ جھج شوہر کی شان بڑھاتی ہے۔“ یعنی نے دوپٹے شانے پر سیٹ کرتے ہوئے کہا۔

”میری جان! میری شان بڑھانے کا بہت شکریہ لیکن آپ کے گھر والے نہ سہی آپ کا یہ گھر والا تو آپ کو اس بچ جھج میں گھر میں بھی دیکھنا چاہتا ہے اور بچ بتائے کہ کیا آپ واقعی مطمئن اور خوش ہیں اپنی شادی سے؟“ نفیس نے بہت محبت سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”آپ کو کیا لگتا ہے؟“ اس نے ان کے وجہہ چہرے کو پیار سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہمیں جو لگتا ہے گماں سا لگتا ہے آپ کی زبان سے سنیں تو یقین آ جائے۔“

”آپ کو شاعری بھی پسند ہے۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

”ہمیں تو صرف آپ پسند ہیں یعنی ڈیر! گھر چلو واپس ورنہ میں کچھ کر گزروں گا۔“ وہ بے خودی سے اسے دیکھتے ہوئے مختور لہجے میں بولے۔

”کچھ کیا۔۔۔۔۔؟“

”کچھ پیاز کچھ اقرار۔“ وہ شوخ لہجے میں بولے تو شرم سے کٹ کر رہ گئی۔

”تا کہ پوکیس کر لے گرفتار ہے نا۔“ یعنی نے شرمیلے لہجے میں کہا تو وہ ہنس پڑے۔

”یعنی پھیسو! آپ یہاں۔“ تانیہ وہاں سے اپنی فریڈ کے ساتھ گزر رہی تھی اس پر جو نظر پڑی تو دوڑتی ہوئی چلی آئی یعنی نے خوش ہو کر اسے دیکھا۔

”تانیہ میری جان کیسی ہو؟“ یعنی نے بانہیں پھیلا کر اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا اور اس کے ماتھے گالوں اور ہونٹوں کو محبت سے چوم لیا۔

”ہاں نہیں ہماری باری کب آئے گی؟“ نفیس نے اسے تانیہ سے لاڈ کرتے دیکھ کر معنی خیز لہجے میں کہا تو وہ شرم سے لال انار ہو گئی اور انہیں گھور کر بولی۔

”بہت فضول ہیں آپ چلیں اب بچوں کی فیس جمع نہیں کرانی کیا؟“

”چلیں زندگی۔“ نفیس نے اسے آگے چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا وہ خوشی اور حیا سے مسکرا دی نفیس کی محبت اس کے دل کے ہر گوشے میں سما چکی تھی اب تو وہ انہیں ستارہ ہی تھی غصہ بھی جاتا رہا تھا اور اس نے خود کو یہ کہہ کر سمجھا لیا تھا کہ جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا اور جب نفیس اسے بچ جھج بے پناہ چاہتے ہیں اس سے پیار کرتے ہیں اس کے ساتھ دل و جان سے تخلص ہیں تو وہ کیوں ناشکری کرنے وہ ان کی بیوی ہے اور اسے اپنے اور ان کے حقوق و فرائض کا خیال رکھنا چاہئے وہی اس کا نصیب تھے اسے یہ مان لینا چاہئے اور اس نے مان لیا تھا اب لوگ کیا کہتے ہیں اسے پرواہ نہیں تھی وہ سب کی مرضی سے نفیس کی زندگی میں داخل کی گئی تھی پھر بھلا وہ خود کو کیوں قصور وار اور مجرم سمجھے۔

”اے محترمہ قرۃ العین! کہاں ہیں آپ؟“ وہ دونوں اسکول فیس اور فارم جمع کروا کر میڈم خدیجہ کے پاس چائے پی کر واپسی کے لئے نکلے تھے کہ وہ ایک جگہ اک کر کچھ سوچنے لگی تو نفیس نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے لہرا کر اسے پکارا۔

”کہیں نہیں۔“ وہ یہ کہتے ہوئے گیٹ کی جانب چل دی۔

”کہیں کوئی گزرتا تو ضرور ہے تم جب آئی تھیں تب تمہارا موڈ کافی خراب تھا۔“ وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے

رداؤ انجسٹ 99 اگست 2011ء

گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے بولے۔

”آپ کو لگا ہوگا۔“ اس نے گاڑی کی فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا وہ بھی ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھے۔

”میں تمہارے موڈ کا ہر زاویہ پہنچاتا ہوں اگرچہ تم مجھے زیادہ دیر اپنے قریب قریب تو بہت دور کی بات ہے اپنے سامنے بھی پھٹکتے نہیں دیتیں راتوں کو کمرہ لاک کر کے سو جاتی ہو پھر بھی میں تمہارا چہرہ پڑھ سکتا ہوں اب جھوٹ تو تم سے بولا نہیں جاسکتا اس لئے سچ سچ بتاؤ کیا بات ہوئی تھی یہاں آنے سے پہلے؟“ نفیس نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اتنے یقین سے کہا کہ وہ حیران رہ گئی اس کی خوشی بھی دو چند ہو گئی اسے لگا کے نفیس واقعی اس کے مزاج کے سب موسموں کے ساتھی ہیں اس کے ہمدرد اور ازداں ہیں۔

”گھر میں چوکیدار رکھنا ضروری ہے کیا؟“ اس نے پوچھا تو وہ سنجیدگی سے بولے۔

”ضروری ہو گیا ہے کیونکہ آج کل کے حالات اور اتنے بڑے گھر میں تو چوکیدار کی ضرورت پڑ ہی جاتی ہے پھر چوکیدار کئی کام کر دیتا ہے گھروالوں کو بار بار گیٹ تک آنے یا بازار جانے کی زحمت بھی نہیں ہوتی۔“

”آپ چوکیدار کی چھٹی کر دیں گیٹ کھولنا اتنا مشکل بھی نہیں ہے۔“

”تو کون کھولے گا گیٹ؟“ وہ اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہے تھے۔

”میں کھولوں گی گیٹ۔“

”تو کھولوانے دل کا گیٹ میرے لئے۔“ وہ شریہ ہو کر بولے۔

”وہ تو کب کا کھل بھی چکا۔“ یعنی نے ان کے چہرے کو پیار سے دیکھتے ہوئے اپنے دل میں کہا۔

”جو آ نکھیں کہہ رہی ہیں وہ زبان سے بھی کہہ دو۔“ نفیس نے اس کی آنکھوں میں جھلکتے پیار کو محسوس کرتے ہوئے کہا تو وہ نظریں جھکا کر انگلی میں اپنی انگلی کو ہاتھ سے گھمانے لگی اور چند لمحوں بعد سر اٹھا کر دیکھا تو وہ اب بھی اسی کو دیکھ رہے تھے اس نے گہرا کر نظریں دوبارہ جھکا لیں وہ ہنس پڑے۔

”مرضی ہے تمہاری جب تک چاہو ستاؤ مجھے آزماؤ مجھے۔“ نفیس نے گاڑی اشارت کرتے ہوئے کہا تو اس نے بے حد حیرت سے انہیں دیکھا اور سوچا۔

”یہ تو سچ سچ مجھے جانتے پہنچاتے ہیں میرا ہر خیال میرا چہرہ پڑھ سکتے ہیں۔“

”چوکیدار گھر کی گھروالوں کی حفاظت کرتا ہے جبکہ اسلم مجھے اس کے برعکس دکھائی دیتا ہے میں بہت غیر محفوظ سمجھتی ہوں خود کو اس کی موجودگی میں بس آپ اس کی چھٹی کر دیں۔“ یعنی نے سنجیدگی سے کہا۔

”اچھا بابا! سوچتے ہیں کنول لگ کا بندوبست کرنے کا کہہ رہی ہیں تم چوکیدار کی بھی چھٹی کرانا چاہتی ہو۔“ نفیس نے گاڑی موڑتے ہوئے کہا۔

”آپ کسی شادی شدہ شخص کو اس کی بیوی سمیت جاب پر رکھ لیں بیوی لگ کی جگہ سنبھال لے گی اور چوکیدار کا کام اس کا شوہر کرے گا۔“

”آئیڈیاز بردست ہے لیکن جب تک ایسے کپل کا انتظام نہیں ہو جاتا تب تک تو اسلم کو برداشت کرنا ہوگا۔“ انہوں نے مسکرا کر کہا۔

”جیسے آپ کی مرضی۔“ وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولی۔

”ناراض ہو گئیں۔“ انہوں نے اس کے چہرے کو دیکھ کر کہا۔

”نہیں میں سمجھتی ہوں آپ کی پرابلم۔“

”تھینک یو تم تو بہت سمجھدار ہو اب گھر کیسے پہنچاؤں تمہیں کنول نے دیکھ لیا تو پرابلم ہوگی۔“ انہوں نے ونڈ اسکرین پر نظریں جما کر گاڑی ڈرائیور کرتے ہوئے کہا تو اس نے فوراً آئیڈیام پیش کیا۔

”آپ مناسب سمجھیں تو مجھے امی کے گھر ڈراپ کر دیں بعد میں میں خود ہی گھر آ جاؤں گی۔“

”یار یعنی! تم بہت ذہین ہو ایک سے ایک اعلیٰ ترکیب موجود رہتی ہے تمہارے دماغ میں مجھے بارہ بجے مینٹل میں پہنچنا ہے اور اس وقت ساڑھے گیارہ ہونے والے ہیں تمہیں پھسوکے گھر ڈراپ کر کے میں آفس چلا جاؤں گا اور تم اچھی بیویوں کی طرح ہر معاملے میں میری مرضی اور اجازت چاہتی ہو مجھے بہت خوش ملتی ہے حالانکہ اصل خوشی سے تم نے ابھی تک مجھے محروم کر رکھا ہے خیر تمہارا جب دل چاہے تم امی سے ملنے چلی جایا کر ڈمیری اجازت کے انتظار میں مت رہا کرو میری طرف سے تمہیں پوری اجازت ہے۔“ وہ محبت بھرے لہجے میں بولے۔

”تھینک یو دیری میچ۔“ یعنی نے دل سے خوش ہو کر کہا۔

”لیجئے جناب آپ کا میکہ شریف آ گیا۔“ انہوں نے عظیم ہاؤس کے قریب گاڑی روکتے ہوئے کہا تو وہ دروازہ کھول کر اترنے لگی نفیس نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”مجھے ساتھ آنے کیلئے نہیں کہو گی۔“

”آپ نے تو مینٹل میں جانا ہے۔“ اس نے قدرے مادم ہو کر کہا۔

”آپ کی خاطر ہم مینٹل کنسل بھی کر سکتے ہیں۔“ وہ محبت سے اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

”تو آجائے اس گھر میں آنے کے لئے آپ کو کسی کے کہنے کی ضرورت تو نہیں ہے آپ بن بلائے بھی آ سکتے ہیں۔“

”نہیں بھی ہم بن بلائے نہیں جائیں گے۔“

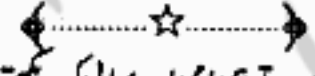
”بن بلائے آ تو چکے ہیں یہ کہنے کا آپ اپنی مینٹل نہیں چھوڑ سکتے۔“ وہ معنی خیز اور شریر لہجے میں بولی۔

”یعنی! شریر۔“ نفیس نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت رسید کی وہ ہنس پڑی اور نفیس کے دل پر بجلیاں گراتی گاڑی سے اتر گئی۔

”اچھا سنو! شام کو میرے گھر آنے سے پہلے گھر پہنچ جانا۔“ نفیس نے اسے پکار کر کہا وہ ڈورنٹل بج چکی تھی۔

”پہنچ جاؤں گی اللہ حافظ۔“

”اللہ حافظ۔“ نفیس نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کے اندر چلے جانے پر فوری گاڑی کارخ آفس کی جانب موڑ لیا۔



”اسلام علیکم۔“ یعنی نے گھر میں داخل ہوتے ہی امی اور بھابی کو دیکھتے ہوئے پر جوش لہجے میں سلام کیا۔

”وعلیکم اسلام! جیتی رہو ماشاء اللہ بڑی لمبی عمر ہے تمہاری ابھی ہم تمہیں ہی یاد کر رہے تھے۔“ سمیرہ بیگم نے اسے گلے سے لگا کر اس کا ماتھا چوم کر کہا۔

”اور ہم نے تو تمہارے گھر فون بھی کیا تھا کنول نے بتایا کہ تم ادھر ہی آنے کے لئے نکلی ہو گھنٹے بعد آئی ہو کہاں رہ گئی تھیں؟“ ثوبہ بھابی نے اسے گلے لگا کر کہا۔

”نفیس کو کام کے لئے رکن پڑ گیا تھا میں اسکول بھی گئی تھی ان کے ساتھ روشی اور شان کا ایڈمیشن ہو گیا ہے نا اس لئے دیر ہو گئی تانیہ اور فہیم سے میل کر آ رہی ہوں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

”نفیس! کیوں نہیں آیا؟“ سمیرہ بیگم نے پوچھا تو اس نے بتایا۔

”امی جان! ان کی کوئی اہم میٹنگ ہے اس لئے دو مجھے ڈراپ کر کے چلے گئے“ آنا تو چاہ رہے تھے لیکن کام میں الجھے ہوئے ہیں۔“

”بتایا تھا مجھے نفیس نے اسے یہاں بزنس سیٹ کرنے میں بہت پر اہم ہو رہی ہے یہاں تو قدم قدم پر رشوت سفارش اور انتظار ہے کرپشن نے سارے نظام کا ستیاناس کر دیا ہے۔“ سیرہ بیگم نے سنجیدگی سے کہا۔

”نفیس پریشان رہتے ہیں اور میں انہیں مزید پریشان کئے رکھتی ہوں بجائے اس کے کہ انہیں اپنی محبت سے اس پریشانی میں حوصلہ دوں ان کا ساتھ دوں میں ان سے دور بھاگتی ہوں محبت تو خوش قسمت لوگوں کو ملتی ہے اور میں خوش قسمت ہوں کہ نفیس کی محبت مجھے ملی ہے لیکن میں انہیں کیا دے رہی ہوں مسلسل انتظار قرار نہیں اب میں ایسا نہیں کروں گی آخر میں بیوی ہوں ان کی مجھ پر میرے شوہر کا بہت حق ہے میں اس رشتے کی اہمیت سے مزید انکار نہیں کر سکتی میں انہیں وہ سب کچھ دوں گی جو وہ مجھ سے چاہتے ہیں انشاء اللہ اور۔۔۔۔۔“

”یعنی! یہاں آتے ہی پھر سے وہاں پہنچ گئیں۔“ ثویبہ بھابی نے اس کا شانہ ہلا کر کہا تو وہ سوچوں کے بھنور سے نکل آئی اور ان کی طرف دیکھ کر ہنس پڑی۔



”ہیلو! بچہ پارٹی کیا ہو رہا ہے۔“ نفیس آفس سے گھر لوٹنے تو بچوں کو ہوم ورک کرتے دیکھ کر کہا۔

”اسلام علیکم پاپا! وہ دونوں بھاگ کر ان کی ہانہوں میں آسمائے۔“

”وعلیکم اسلام۔“ نفیس نے دونوں کو باری باری پیار کیا اور اپنے دائیں بائیں بازو کے حصار میں لیکر صوفے پر بیٹھ گئے اور پیار سے پوچھنے لگے۔

”آج اسکول میں پہلا اسٹڈی ڈے کیسا گزرا آپ کا؟“

”بہت اچھا۔“ دونوں نے ایک ساتھ جواب دیا۔

”ہوں۔۔۔۔۔“ وہ مسکرائے۔

”اور پاپا! ہم نے نئے فرینڈز بھی بنائیں ہیں۔“ روشی نے بہت جوش و خروش سے بتایا۔

”یہ تو بہت اچھی بات ہے اب آپ لوگ دل لگا کر خوب محنت سے پڑھیں گے۔“ انہوں نے روشی کا ہاتھ چوم کر کہا۔

”جی پاپا۔“ دونوں نے سر ہلا کر جواب دیا۔

”آج دیر نہیں کر دی آپ نے۔“ کنول جو بڑی دیر سے خاموش بیٹھی ان کی باتیں سن رہی تھیں بچوں کے دوبارہ کتابوں پر جھک جانے پر بولیں۔

”کیا کروں بہت چکر ہیں یہاں کوئی کام سیدھے طریقے سے ہوتا ہی نہیں ہے ایک آفس سے دوسرے آفس اور دوسرے سے تیسرے آفس لیدر گارمنٹس کی بہت ڈیمانڈ ہے باہر کے ممالک میں اور یہاں ہمیں جان بوجھ کر تنگ کیا جا رہا ہے اچھا بھلا بزنس خراب کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے یہاں جیسی بہت ہے کوئی کسی کو آگے بڑھتا دیکھ ہی نہیں سکتا۔“ نفیس نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

”جیسی تو ہر فیلڈ میں ہوتی ہے آپ کہیں تو میں اپنی کیمپلی سے بات کروں اس کے شوہر ایکسپورٹ پروموشن بیورو میں ہیں۔“ کنول نے کہا۔

”نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے میں اپنی کوشش سے اپنا کام کرنا چاہتا ہوں اور جائز کام کے لئے میں کسی سے سفارش کیوں کروں۔“ نفیس نے اپنا سر صوفے کی پشت سے ٹکا کر کہا تو کنول بولیں۔

”پھر بھی سفارش کے بغیر تو یہاں کام ہونے والا نہیں ہے پریشانی اور ٹینشن الگ رہتی ہے۔“

”تم نے یہاں آتے ہی نئی نئی دوستیاں اور دلچسپیاں ڈھونڈ لی ہیں اپنے لئے کبھی کہیں جانا تو کبھی کہیں ایسی دوستیاں مہنگی پڑتی ہیں ذرا احتیاط رہنا یہاں اپر کلاس کے لوگ کسی سے بغیر کسی وجہ کے دوستی نہیں کرتے سب اپنے مطلب کے یار ہوتے ہیں۔“ نفیس نے نرمی سے سمجھایا۔

”میری دوستی کی بات چھوڑیں یعنی کی دوستی کی بات کریں موصوف ابھی تک گھر نہیں آئیں۔“ کنول نے سپاٹ لہجے میں کہا تو وہ حیران ہو کر ریٹ وائچ دیکھتے ہوئے بولے۔

”کیا ابھی تک گھر نہیں آئیں شام کے چھ بجتے والے ہیں گئی کہاں ہے وہ؟“

”میکے جانے کا کہہ کر گئی تھی لیکن وہاں بھی نہیں پہنچی تھی میکے سے بھی فون آیا تھا۔“ کنول نے اپنے ناخنوں کو دیکھتے ہوئے بتایا۔

”فون کس وقت آیا تھا؟“

”یہی کوئی صبح سوا دس ساڑھے دس کا وقت تھا۔“

”اچھا۔“ نفیس مطمئن ہو گئے کہ اس وقت تو وہ ان کے ساتھ ہی تھی۔

”لیکن ابھی تک آئی کیوں نہیں وہ؟“

”مجھے تو چکر ہی اور لگتا ہے۔“ کنول نے اپنی طرف سے چنگاری بھینکی اور کمرے میں چلی گئیں نفیس پریشانی کے عالم میں اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے یعنی کے کمرے میں داخل ہوئے تو اسے وہاں موجود پا کر حیران رہ گئے۔

”تم۔۔۔۔۔ تم کب آئیں؟“ نفیس نے اس کے بیڈ کے قریب آتے ہوئے پوچھا۔

”میں تین بجے آگئی تھی نعیم بھائی چھوڑ گئے تھے۔“ اس نے بیڈ پر بکھری کتابیں اور رسالے سینٹے ہوئے کہا یہ چیزیں وہ گھر سے اپنے ساتھ لے آئی تھی تاکہ پڑھ کر بوریت دور کر سکے۔

”تعب ہے تم گھر آ بھی گئیں اور یہاں کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔“

”وہ سب اپنے کمروں میں تھے میں نے کسی کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا اس لئے سیدھی اپنے کمرے میں آ گئی۔“ یعنی نے بتایا۔

”تو مجھے ڈسٹرب کرنا تمہیں مناسب لگتا ہے۔“ وہ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

”آئی ایم سوری۔“ وہ شرمندہ ہو کر بولی۔

”مجھے تمہاری معذرت نہیں محبت چاہئے جانو۔“ وہ بہت محبت سے بولے۔

”آپ بہت تھکے ہوئے ہیں چھینچ کر کے ریٹ کریں میں آپ کے لئے چائے بنا لاتی ہوں۔“ یعنی نے نزدں ہو کر بیڈ سے اترتے ہوئے کہا۔

”ساتھ ایک پین کلر بھی لے آنا میرا سر درد کر رہا ہے۔“ انہوں نے اپنی انگلیوں سے سرد بائے ہوئے کہا۔

”تو مت کیا کریں ناں اتنا کام صحت سے بڑھ کر کوئی شے نہیں ہوتی آپ بھی اچھے بھلے کینیڈا میں سیٹ تھے خواہ مخواہ یہاں چلے آئے لوگ کینیڈا جا رہے ہیں اور آپ کینیڈا سے آ رہے ہیں آپ بھی عجیب ہیں۔“

”میں عجیب نہیں ہوں میری قسمت عجیب ہے جس نے تمہارے لئے مجھے یہاں آنے پر مجبور کر دیا تمہارے علاوہ سب سے بڑی کشش اس وطن کی مٹی ہے اپنا دلیس اپنا ہی ہوتا ہے۔“ وہ اپنے لئے اسے فکر مند دیکھ کر خوش ہو کر مسکراتے ہوئے بولے۔

”آپ اپنے وطن میں آرام کریں میں آپ کے لئے چائے لاتی ہوں۔“ یعنی نے مسکرا کر کہا اور کمرے سے نکل تو کنول اسے دیکھ کر حیران رہ گئیں۔
”تم کب آئیں؟“

”دو پہر جب آپ سب سو رہے تھے۔“ وہ جواب دے کر رکی نہیں۔

”نہیں! آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ چلیں اپنے کمرے میں چل کر لیٹیں میں آپ کا سر دبا دیتی ہوں اتنا پریشان مت رہا کریں۔“ کنول نے عینی کے کمرے میں آ کر انہیں بڑے پیار سے اٹھاتے ہوئے کہا۔
”چلو یار! مجھے تو آرام ہی چاہئے یہاں مل جائے یا وہاں مل جائے۔“ نفیس ان کے پیار بھرے انداز پر مسکراتے ہوئے بولے اور اٹھ کر ان کے ساتھ بیڈروم میں چلے گئے یعنی نے چائے شان کے ہاتھ ان کے کمرے میں بھجوا دی اور خود واپس اپنے کمرے میں آ گئی اب نفیس کی دوری اس کے لئے بے چینی کا باعث بن رہی تھی وہ نفیس کو اپنے پاس دیکھنا چاہتی تھی لیکن کنول بڑے استحقاق کے ساتھ انہیں اس کے کمرے سے لے گئی تھیں اور یعنی کو اب اپنا حق یاد آ رہا تھا جسے اس نے ابھی تک استعمال نہیں کیا تھا اسے احساس ہو رہا تھا کہ اگر وہ یونہی نفیس سے بے رخی برتی رہی تو نفیس کے دل سے بھی اتر جائے گی اور ان کی محبت اور بے قراری نفرت اور بے زاری میں تبدیل ہو جائے گی اور ایسا وہ کسی صورت نہیں چاہتی تھی پہلے ماں بھائی کی عزت کے خیال سے یہ رشتہ نبھانا ضروری تھا اب بات اس کے دل تک آ پہنچی تھی اور دل نفیس کی محبت میں دھڑکنے لگا تھا ساری رات وہ بے چینی اور اضطراب کے عالم میں کروٹیں بدلتی رہی۔



صبح اسکول سے بچوں کی چھٹی تھی سب دیر تک سوئے رہنے کے موڈ میں تھے کنول اور نفیس بھی ابھی تک بیڈروم سے باہر نہیں آئے تھے آٹھ بج رہے تھے یعنی کو بہت زوروں کی بھوک لگ رہی تھی رات کھانا بھی نہیں کھایا تھا اس نے اب اپنی حماقت پر جی بھر کر غصہ آ رہا تھا اپنے لئے اس نے کچن میں آ کر ایک انڈا افرائی کیا اور ایک پرائیڈا بنایا ابھی وہ چائے بنانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ نفیس تیار ہو کر وہاں چلے آئے وہ کہیں جا رہے تھے ان کی تیاری دیکھ کر تو اس نے یہی اندازہ لگایا تھا نفیس نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”زحمت نہ ہو تو پلیز..... جلدی سے مجھے ناشتہ بنا دیجئے مجھے کام سے جانا ہے۔“

”ناشتہ تیار ہے آپ کر لیجئے۔“ یعنی نے اپنے لئے بنایا ہوا ناشتہ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا تو وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولے۔

”لیکن یہ ناشتہ تو آپ نے اپنے لئے بنایا ہے۔“

”میں دوبارہ بنالوں گی آپ کو جلدی ہے یہ آپ کر لیجئے۔“ یعنی نے فراخ دلی سے کہا۔

”شکریہ۔“ نفیس نے مسکراتے ہوئے کہا اور کرسی کھڑکا کر ناشتہ کرنے بیٹھ گئے اور یعنی چائے بناتے ہوئے سوچنے لگی۔

”انہیں کیا ہوا ہے اس قدر تکلفانہ انداز میں مجھ سے کیوں مخاطب ہو رہے ہیں؟“

”آپ جاگتی رہی ہیں رات بھر؟“ نفیس نے اس کی آنکھوں میں سرخ ڈوروں کا جال بچھا دیکھ کر پوچھا تو وہ خاموشی سے اپنا کام کرتی رہی۔

”میں بھی رات بھر جاگتا رہا ہوں اس لئے صبح دیر سے آنکھ کھلی ہے۔“

”وہ خود ہی اس کا جواب اس کی خاموشی سے اخذ کرتے ہوئے بولے تو یعنی نے ایک لمحے کو پلکیں اٹھا کر ان کا چہرہ دیکھا پھر فوراً ہی چائے کے لئے کب نکالنے لگی نفیس مسکرا دیئے اور جانے کیوں وضاحت کرتے ہوئے بولے۔
”در اصل مجھے کینیڈا اور لندن سے فون کا انتظار تھا اس لئے جاگنا پڑا۔“

”میں نے آپ سے وضاحت تو نہیں چاہی۔“ جانے کیوں وہ شرمندہ سی ہو کر بولی تو انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”پھر بھی وضاحت کر دینی چاہئے تاکہ کوئی غلط فہمی کا شکار نہ ہو۔“

”میں غلط فہمی کا مرض پالنے کا شوق نہیں رکھتی۔“ یعنی نے چائے کا کپ ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

”یہ تو بہت خوشی کی اور خوبی کی بات ہے آپ کے جوہر آہستہ آہستہ سامنے آ رہے ہیں۔“ نفیس نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔

”یہ آپ مجھے آپ کیوں کہہ رہے ہیں؟“

”اس لئے کہ تم تو بے تکلفی کی علامت ہے اور آپ نے ہمیں بے تکلف ہونے کی اجازت ہی نہیں دی۔“ نفیس نے اس کے چہرے پر پھیلی اندامت کی سرخی کو دیکھتے ہوئے جواب دیا جو ان کے جواب پر مزید شرمندہ ہو گئی تھی۔

”او کے جانو! اس گرما گرم اور مزیدار ناشتے کا بے حد شکریہ میں اب چلتا ہوں۔“ نفیس چائے ختم کر کے اٹھتے ہوئے بولے۔

”لیکن آج تو چھٹی ہے۔“

”ہوں مگر میں جس کام سے جا رہا ہوں اس کے لئے آج کا دن بھی مخصوص کر دیا گیا ہے کینیڈا اور آسٹریلیا میں لیڈر گارمنٹس اور لیڈر کی دیگر اشیاء کی نمائش ہو رہی ہے اسٹالز لگائے جائیں گے اس لئے میں بھی ایک اسٹالز بک کرانے کا سوچ رہا ہوں اس طرح ہماری پروڈکٹس کو بیرون ملک مارکیٹ میں مزید پھیلنے کا موقع ملے گا کینیڈا میں تو آل ریڈی ہمارا کام پھیلا ہوا ہے اللہ کرے آگے بھی چل نکلے۔“

”انشاء اللہ! آپ کی محنت کا پھل آپ کو ضرور ملے گا۔“ یعنی نے ان کی بات سن کر کہا۔

”اور محبت کا.....؟“ نفیس نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

”وہ تو.....“

”صبح بخیر ماما! گڈ مارننگ پاپا۔“ روشی اور شان ایک ساتھ چبکتے ہوئے کچن میں داخل ہوئے اور یعنی کی بات ادھوری رہ گئی جس پر نفیس نے بہت بے چارگی سے اسے دیکھا تھا جو ہونٹ کاٹنے لگی تھی۔

”گڈ مارننگ بیٹا! جاگ گئے آپ۔“ نفیس نے دونوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر پیار سے کہا۔

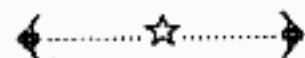
”جی پاپا! نیند آئی ہی نہیں ورنہ ہم دیر تک سوتے رہتے پاپا! آج تو چھٹی ہے آپ کہاں جا رہے ہیں؟“ شان نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

”بیٹا کام سے جا رہا ہوں۔“

”ہم نے تو آج مل کر کرکٹ کھیلنے کا پروگرام بنایا تھا ماما بھی کھیلیں گی ہمارے ساتھ۔“ شان نے کہا۔

”بیٹے! آپ کی ماما تو آپ کے پاپا کے ساتھ بھی خوب کھیل کھیل رہی ہیں۔“ نفیس نے یعنی کو دیکھتے ہوئے معنی خیز لہجہ میں کہا تو وہ شرمندہ ہو گئی۔

(جاری ہے)





ثناء اے

ناولٹ

عجب دل لگی

”خوب یہ بیٹا! اب اٹھ بھی جاؤ آٹھ بج گئے ہیں کالج جانے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟“ اس کی امی تیسری مرتبہ اسے اٹھانے آئیں تو وہ منہ بنائی اٹھ کے واش روم میں گھس گئی اور سعد یہ بیگم اس کے لیے ناشتہ بنانے چل دیں۔

وہ روزانہ اپنی کمزن مائیم کے ساتھ کالج جاتی تھی لیکن جیسے ہی ناشتہ کرنے کے لیے آئی تو اسے اس کی ماما سے پتا چلا کہ ماما آج کالج نہیں جا رہی کیونکہ اسے رات سے بہت تیز بخار ہے۔
 ”دل تو میرا بھی نہیں چاہ رہا آج کالج جانے کو لیکن کیا کروں بہت ضروری ٹیسٹ ہے۔“ حور یہ افسردہ سی بیٹھی تھی۔
 ”چلو کوئی بات نہیں! میں ماشر سے کہتی ہوں وہ تمہیں چھوڑ آئے گا۔“
 ”نہیں ماما! رہنے دیں۔ انہیں کیوں تکلیف دے رہی ہیں میں خود چلی جاؤں گی۔“ وہ تو پہلے ہی اس انسان کی کمپنی سے چڑنی تھی سو جلدی سے بولی۔
 ”چلو بیٹا آپ کی مرضی۔“ سعد یہ نے آرام سے جواب دیا۔
 اس نے جلدی سے ناشتہ ختم کیا کیونکہ ٹائم کافی ہو گیا تھا اور اسے آج جانا بھی اکیلے ہی تھا اس لیے جلدی جلدی ماں کو خدا حافظ کہتے ہوئے گھر سے باہر نکلی۔ ابھی باہر نکلی ہی تھی کہ عاشر نے رستہ روک لیا۔ وہ پہلے ہی

گھبرائی گھبرائی سی تھی اس لیے اس سے رشتے کا لحاظ کیے بغیر اسے اچھی خاصی جھاڑ پلا دی لیکن وہ بھی ذہین تھا۔ بس ایک ہی بات تھی اس کی کہ میں ڈراپ کر دیتا ہوں لیکن حور یہ بھی ضد کی پکی تھی سو نہیں مانی..... ناچار عاشر کو جھکنا ہی پڑا اور اس کا رستہ چھوڑ دیا۔

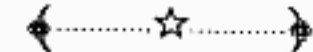
ابھی وہ روڈ پر پہنچی ہی تھی کہ ایک گاڑی بہت اسپید سے اس کے پاس سے گزری اور سڑک کنارے جو تھوڑا بہت کیچڑ تھا وہ سارا اس کے اوپر آن پڑا۔

”ہد تیز کہیں کے..... گاڑی چلانے کے روڑ جانتے نہیں اور گاڑی میں ایسے بیٹھے ہیں جیسے بہت بڑے حکمران ہوتے ہیں“۔ وہ پہلے ہی لیٹ ہو چکی تھی اب اسے اور بھی غصہ آ رہا تھا۔

گاڑی روپورس ہو کے ایک جھکے سے اس کے پاس رکی۔ گاڑی میں سے بلیو جینز اور کاٹن کی اسکاٹی بلیو ہاف سیلوز شرٹ میں ملبوس ایک خوبصورت ہندسہ سا رنگ مین نکلا۔ وہ بجائے اپنی غلطی پر شرمندہ ہونے کے اس پر ہنس رہا تھا۔ حور یہ بھی کسی سے کم نہیں تھی نورابول پڑی۔

”آپ سمجھتے کیا ہیں خود کو؟ تمیز نام کی کوئی چیز ہے یا نہیں آپ میں؟ پتا نہیں کہاں کہاں سے منہ اٹھا کے چلے آتے ہیں“۔ حور یہ نے جب اس انسان کی طرف دیکھا تو وہ دلچسپی سے اس کی تمام باتیں سن رہا تھا اور حور یہ کا غصہ سے برا حال ہو رہا تھا۔ اس نوجوان نے گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولا اور حور یہ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا مگر حور یہ بھی ہٹ دھرم ثابت ہوئی تھی سو ایک ہل بھی ضائع کیے بغیر کہنے لگی۔

”آپ کی ہمت کیسے ہوئی مجھے گاڑی میں بیٹھنے کا کہنے کی.....“ اس نے حور یہ کو بازو سے پکڑ کر گاڑی کے اندر دھکیلا اور خود دوسری سائیڈ سے بیٹھ کر گاڑی ڈرائیو کرنے لگا۔ حور یہ سارا راستہ اس انسان کو کوکتی رہی پھر اس شخص نے گاڑی ایک بڑے سے شاؤنگ پلازہ کے سامنے لا کر کھڑی کر دی تو حور یہ نے وہاں اترنے سے انکار کر دیا۔ چاہتے ہوئے بھی اسے گاڑی حور یہ کے گھر کی طرف موڑنا پڑی۔

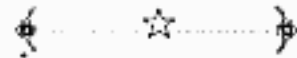


سفیان علی بہت بڑے بزنس مین تھے۔ ان کے دو بیٹھے تھے احتشام علی اور خیام علی۔ ان دونوں بھائیوں نے متحد ہو کر اپنے والد کے بزنس کو بہت اچھی طرح سے سنبھالا ہوا تھا۔ احتشام علی بڑے تھے ان کی شادی صالحہ سے ہوئی اور ان کے چار بچے تھے۔ سب سے بڑی حرا جس کی شادی ہو چکی تھی وہ اسے گھر میں خوش و خرم زندگی گزار رہی تھی اس سے چھوٹا عاشر جو آری کیپٹن تھا اس سے چھوٹا عاشر جو امریکا سے تعلیم مکمل کر کے آیا تھا اور الٹرا ماڈرن انسان تھا ہر کوئی اس کی ان حرکتوں سے پریشان تھا اس سے چھوٹی ماہم جو انجینئرنگ کے تیسرے سال میں تھی۔

خیام علی جن کی شادی سعدیہ سے ہوئی اور شادی کے آٹھ سال بعد اللہ نے انہیں حور یہ کی شکل میں ایک پری سے نوازا۔ وہ حور یہ کو پا کر بہت خوش تھے وہ اس کی خوشی کیلئے کچھ بھی کرنے کو تیار رہتے سب گھر والے اس سے بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔

حور یہ ماہم کی ہی کلاس فیلو تھی وہ دونوں اکٹھے کالج جاتی تھیں۔ حور یہ کا رشتہ بچپن سے عاشر کے ساتھ طے کر دیا گیا تھا۔ ان دونوں کو پہلے تو بتایا نہیں گیا لیکن جب اس بات کا دونوں کو علم ہوا تو عاشر خوشی سے پھولے نہیں سمایا لیکن حور یہ کو اس رشتے پر بہت اعتراض تھا۔ کیونکہ وہ عاشر جیسے الٹرا ماڈرن انسان کے ساتھ پوری زندگی گزارنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی اس لیے اس نے رشتے سے صاف انکار کر دیا۔ لیکن گھر والے یہ

کہہ کر اس کی بات ٹال دیتے ہیں کہ وہ جذباتی ہو کر یہ فیصلہ کر رہی ہے اس لیے اس کی پڑھائی مکمل ہونے تک اس بات کو دبا دیا جاتا ہے۔



گاڑی حور یہ کے گھر کی طرف لے جاتے ہوئے ایک طویل خاموشی کے بعد اس نوجوان نے ہی خاموشی کو توڑا اور اپنا تعارف کروانا شروع کیا۔

”میرا نام حازق ہے میں نے ایم بی اے کیا ہے اور تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنے والد کا بزنس چلا رہا ہوں۔“

”کیا آپ اپنا تعارف کروانا پسند کریں گی؟“ اس نے اپنے بارے میں بتانے کے بعد پوچھا۔

”سوری..... نہ میں نے آپ سے آپ کے بارے میں کچھ پوچھا تھا اور نہ اپنے بارے میں کچھ بتاؤں گی میری صرف یہ ریکونسل ہے کہ پلیز گاڑی ڈرائیو چلائیں اور مجھے میرے گھر جلدی ڈراپ کر دیں۔“ اب بھی وہ غصے میں چلائی تو حازق کو وہ لڑکی اتنے غصے کے باوجود بہت بھائی وہ لڑکی اس کے دل میں اتر چکی تھی۔

حازق نے اسے اس کے گھر کے آگے ڈراپ کر کے گاڑی روپورس کرتے ہوئے کہا۔

”پھر ملیں گے۔“

حور یہ اس کی بات پر حیران ہی اس اجنبی کی طرف دیکھنے لگی جو اس وقت اسے بہت اسمارٹ ڈیٹنگ لگ رہا تھا۔ وہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوئی عاشر نے پورے گھر میں ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا ہر ایک کے چہرے پر پریشانی تھی وہ سب کو دیکھ کر ایک لمحے کو تو ٹھنکی پھر ماما کے پاس آ کر پریشانی کی وجہ پوچھنے لگی تو عاشر نے اپنی توپوں کا رخ اس کی جانب کیا۔

”کس کے ساتھ عیاشیاں ہو رہی تھیں گھر سے تو کالج کے بہانے اکیلے ہی نکلی تھی اور اس اجنبی کی گاڑی میں کیا کر رہی تھیں؟“

حور یہ کو عاشر کی باتوں پر اتنا غصہ آیا کہ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ عاشر کے منہ پر دو تھپڑ رسید کر دیئے سب حیران و پریشان سے حور یہ کی طرف دیکھ رہے تھے سب اس سے اس حرکت کی ہرگز توقع نہیں رکھتے تھے۔

”بہت سن چکی میں اس انسان کی باتیں یہ کس حیثیت سے مجھ پر اپنا رعب جتا رہے۔“ حور یہ غصے سے آگ بگولہ ہوتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

”اسے اپنی اس حرکت کی بہت بڑی قیمت چکانا ہوگی۔“ عاشر نے صرف اتنا کہا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔



حازق کے والد لاروش حسن بزنس کے سلسلے میں زیادہ تر بیرون ملک ہوتے اس کی والدہ صبا نہایت سادہ اور نیک خاتون تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حازق کے روپ میں ایک نیک اور صالح بیٹا دیا اور حازق سے تین سال چھوٹی منال بھی جو فائن آرٹس کورس کے فرسٹ ایئر میں تھی۔

لاروش حسن اور خیام علی کی بزنس پارٹنرشپ بہت اچھی چل رہی تھی لاروش حسن اسے بیرون ملک پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کر رہے تھے تو ادھر خیام علی اندرون ملک اس کو ترقی کی منازل طے کروا رہے تھے۔

حازق حسن نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ملک میں اپنے والد کے نام سے ایک بزنس کی ابتدا کی جس کا نام اس نے ”لاروش گروپ آف انڈسٹریز“ رکھا۔ اس نے اتنی محنت کی کہ چند ہی مہینوں میں اس کا بزنس ترقی کی راہوں پر گامزن ہو گیا۔

حور یہ نے اس دن کا سارا واقعہ آکر مام کو بتا دیا اور ماما کو بھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی کے دل میں اسے لے کے شک پیدا ہو۔

دو دن بعد ان کے کالج میں کونز کمپینشن تھا، حور یہ ہر طرح کی نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی، اس بار بھی اس نے کونز کمپینشن میں حصہ لیا تھا۔

مقابلے کے روز وہ پرجوش تھی کیونکہ ایک طرف تو اس کی تیاری بہت اچھی تھی اور دوسری طرف اسے اللہ پر پورا بھروسہ تھا کہ وہ اسے اس کی محنت کا صلہ ضرور دے گا، جب بھی کوئی مقابلہ ہوتا وہ بہت محنت کرتی اور نمایاں پوزیشن حاصل کرتی۔

”ہم لاروش گروپ آف انڈسٹریز“ کے ایم ڈی کو بطور چیف گیسٹ اپنے کالج میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ اس آواز کے ساتھ ہی چیف گیسٹ کے استقبال کیلئے پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا اور حور یہ کی نظر جیسے ہی حاذق پر پڑی اس کے تو اوسان ہی خطا ہو گئے اور اس کو اپنی پوزیشن ڈاؤن ہوتی نظر آئی تو وہ مام کے پاس چلی آئی۔

”مامی! مجھے نہیں لگتا کہ اس بار میں جیت پاؤں گی، یہ تو وہی شخص ہے جس کی میں نے کچھ دن پہلے انسلٹ کی تھی۔“ حور یہ کو اب نئی فکر لاحق ہو گئی تھی۔

”پلیز حور یہ! تم حوصلہ رکھو، کچھ نہیں ہوگا اس طرح تو تم اپنی ساری تیاری خاک میں ملا دو گی اللہ پر بھروسہ رکھو وہ تمہیں ناامید نہیں ہونے دے گا۔“ مام مسلسل اسے تسلیاں دے رہی تھی۔

مقابلہ شروع ہو چکا تھا، ہر ایک اپنی اپنی قابلیت کے جوہر دکھا رہا تھا۔ اب فیصلہ سنانے کی باری تھی اور فیصلہ سنانے کیلئے حاذق حسن کو اسٹیج پر آنے کی دعوت دی گئی اور اس کے ہاتھ میں ایک بند لفافہ دے دیا گیا۔ حاذق نے بہت دلچسپی سے حور یہ کی طرف دیکھا اور آہستہ آہستہ لفافہ کھولنے لگا۔

لفافہ کھولنے کے بعد ایک کارڈ اس کے ہاتھ میں تھا اور اس پر وز کا نام درج تھا۔ وہ کارڈ پکڑ کر آرام سے کھڑا ہو گیا اور حور یہ جو اتنی دیر سے خود پر ضبط کیے کھڑی تھی آہستہ آہستہ اس کی ہمت جواب دیتی جا رہی تھی۔

”اینڈ دی وینرز.....“ حاذق نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور مسکرا کر سب پارٹیسپینٹس کی طرف دیکھا اور وز کا نام اٹاؤنس کیا۔ جیسے ہی وز کا نام بتایا گیا اس کے ساتھ ہی پورا ہال تالیوں اور نعروں سے گونج اٹھا کیونکہ اس بار بھی حور یہ ہی وینر تھی۔

حور یہ حیران و پریشان سی سکتے کی کیفیت میں تھی جب مامی نے آکر اسے ہلایا تو وہ جو بت بنی کھڑی تھی جلدی سے اپنے حواس بحال کیے اور خوشی کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

”مس حور یہ! پلیز ریسیو یور پرائز۔“ کمپیئر پیچر نے حور یہ کو اپنی جگہ پر ہی کھڑے دیکھ کر اٹاؤنس کیا۔ حور یہ نے جلدی سے آنسو صاف کیے اور ٹرائی لینے کیلئے آگے بڑھی۔

حاذق جب حور یہ کو پرائز دے رہا تھا تو اس نے دھیرے سے حور یہ کا پورا نام لیا تو حور یہ بہت شرمندہ ہوئی۔ فنکشن کے بعد حور یہ اپنی دوستوں کے ساتھ خوش گپوں میں مصروف تھی کہ حاذق تھوڑی ہی دور کھڑا اسے دیکھ

رہا تھا لیکن وہ اس سب سے انجان تھی۔ آہستہ آہستہ اس کی سب ہی دوستیں چلی گئیں وہ مامی کو ڈھونڈنے لگی کہ اچانک اسے کسی نے پکارا اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو حاذق اس کے سامنے تھا۔

”ویسے نام تو آپ کی طرح بہت خوبصورت ہے۔“ وہ دل کھول کے اس کی تعریف کر رہا تھا لیکن حور یہ کو اس کی باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

”آپ کو اس سے مطلب؟“ حور یہ اپنا سوڈ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی سوائی بات کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

”عجیب لڑکی ہے۔“ حاذق منہ میں بڑبڑایا اور مسکرا کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

”حور یہ! ایک بات کہوں؟“ مامی نے حور یہ سے پوچھا۔ حور یہ نے سوالیہ نظروں سے مامی کی طرف دیکھا۔

”ہوں..... کہیں رہی ہوں۔“ حور یہ نے بظاہر لاپرواہی سے جواب دیا۔

”ویسے وہ حاذق حسن ہے کافی ڈینک پرسن، جتنی کوالیٹیٹر ایک اچھے انسان میں ہونی چاہئیں وہ سب ہیں اس میں تمہارا کیا خیال ہے؟“ مامی نے اپنی بات مکمل کرنے کے بعد پوچھا۔ حور یہ نے غصے سے مامی کی جانب دیکھا۔

مامی جو اس کی تعریف کے بل باندھ رہی تھی اس کے ایسے غصے سے دیکھنے پر گھبرا گئی۔

”مم..... میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔“

”تمہارا کیا مطلب تھا میں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں۔“ حور یہ تو غصے سے آگ بگول ہو رہی تھی سو بولی۔

”اور اگر تمہیں وہ حاذق صاحب اتنے ہی پسند ہیں تو اپنے لیے سنبھال کر رکھو میری طرف سے تمہیں فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی۔“ حور یہ نے انگلی اٹھا کر مامی کو وارن کیا۔ مامی حور یہ کے موڈ کو خوشگوار بنانے کے لیے طرح طرح کی باتیں بنانے لگی۔ حور یہ بھی زیادہ اپنی نیوڈ دکھانے کے موڈ میں نہیں تھی سو جلدی مان گئی۔

”حور یہ! پلیز! چلو ناں حاشر بھائی سے بات کرتے ہیں شاید وہ ہمیں مارکیٹ تک لے جائیں۔“ مامی کافی دیر سے حور یہ کی منتیں کرنے میں لگی ہوئی تھی۔ ناچا جتے ہوئے بھی حور یہ کو اٹھنا ہی پڑا اور وہ دونوں حاشر بھائی کے کمرے کی طرف چل دیں۔

”ٹھک ٹھک.....“ دروازہ کافی زور سے بجا۔ حاشر نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا اور بولا۔

”کم! ان.....“ اس کے ساتھ ہی وہ دونوں اندر داخل ہوئیں لیکن بات حور یہ نے ہی شروع کی۔

”حاشر بھائی! وہ..... وہ..... دراصل بات یہ ہے کہ.....“ وہ ڈرتے ڈرتے بات کر رہی تھی۔

”بولو گڑیا! کس کام سے آئی ہو تم دونوں؟“ حاشر کافی خوشگوار موڈ میں تھا اس کے لہجے سے دونوں کی جان میں جان آئی اور انہوں نے آرام سے اپنا مدعا بیان کیا اور وہ بھی جلدی مان گئے۔

پانچ منٹ میں وہ تینوں تیار ہو کر گاڑی میں مارکیٹ کی طرف چل دیے۔ حاشر نے گاڑی ایک جیولری شاپ پر روکی۔ وہ دونوں جیسے ہی شاپ میں داخل ہوئیں وہاں پر ایک بینڈم سے انسان کو دیکھ کر حور یہ ساکت سی ہو گئی۔

مامی جس چیز کے بارے میں اس سے پوچھتی وہ بس ہوں ہاں میں جواب دے رہی تھی کیونکہ اس کا دماغ تو کہیں اور ہی پہنچا ہوا تھا۔

رداؤ انجسٹ [111] اگست 2011ء

www.pdfbooksfree.pk

وہاں سے لے کر گھر پہنچنے تک حور یہ بہت زیادہ آپ سیٹ ہو گئی تھی مگر پہنچ کر بھی وہ سیدھی اپنے کمرے نہ میں چلی آئی اور بیڈ پر نیم دراز ہو گئی۔
 ”حور یہ! کیا ہو گیا تمہیں؟ تم تو بہت ڈسٹرب لگ رہی ہو! مایا جو کافی دیر سے نوٹ کر رہی تھی آ خر کھار پوچھ ہی بیٹھی۔

”کچھ نہیں تھوڑا تھک گئی ہوں آرام کروں گی تو ٹھیک ہو جاؤں گی۔“ حور یہ نے تھکے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔
 ”سوری مایا! میں چاہ کر بھی تمہیں کچھ نہیں بتا سکتی کہ مجھے تو اب اک بل بھی آرام نہیں اس اجنبی انسان کا چہرہ مجھے کہیں چین نہیں لینے دے رہا۔“ وہ سوچ رہی تھی۔

”تم نے کچھ کہا؟“ مایا نے حور یہ سے پوچھا۔
 ”نہیں! میں نے تو کچھ نہیں کہا۔“ حور یہ لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں جلدی سے بولی۔
 ”اچھا ٹھیک ہے تم آرام کرو میں چلتی ہوں۔“ مایا نے کمرے کی لائٹ آف کی اور دروازہ بند کرتے ہوئے باہر نکل گئی۔

سورج ڈھل رہا تھا کمرے میں جیسی جیسی روشنی آ رہی تھی اور حور یہ اس نیم تاریکی میں اس اجنبی انسان کی پادوں کے کل میں جا پہنچی اور پھر پتا نہیں کس وقت اسے نیند نے آ گھیرا اور وہ گہری نیند سو گئی پھر اگلے دن صبح ہی اٹھی۔ اس وقت اسے بخار بہت تیز تھا اس کے بابا نے اسے میڈیسن لاکے دی جسے کھاتے ہی حور یہ دوبارہ سو گئی۔
 پھر سارا دن وہ اسی طرح غڈ حال پڑی رہی۔ مایا اس کی طرف سے بہت پریشان تھی کالج سے واپس آتے ہی وہ اس کے کمرے میں آئی۔

”حور یہ! اب کیسی طبیعت ہے؟“
 ”ہوں۔۔۔ اب تو ٹھیک ہوں تم سناؤ کالج کیسار ہا؟“
 ”کالج تو ٹھیک رہا لیکن تم سے ایک بات پوچھوں؟“ مایا کچھ سوچ کر بولی۔
 ”ہاں پوچھو۔“ حور یہ بھی اب اس کی طرف متوجہ تھی۔
 ”میں کل سے دیکھ رہی ہوں جب سے تم بازار سے واپس آئی ہو بہت ڈسٹرب لگ رہی ہو۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟“

”ک۔۔۔ کک۔۔۔ کچھ نہیں م۔۔۔ مجھے۔۔۔ مجھے کیا ہوتا ہے۔“ حور یہ نے بہت مشکل سے مایا کی بات کا جواب دیا کیونکہ وہ اس سے بچ چھپا رہی تھی۔

”حازق بیٹا! آپ تھوڑی دیر کے لیے رک سکتے ہو؟ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔“ حازق جو آفس جانے کیلئے تیار ہو کر گھر سے نکلنے ہی لگا تھا کہ اس کی ماں نے پیچھے سے آواز دی۔ حازق نے بہت حیرانی سے ماما کی طرف دیکھا کیونکہ انہوں نے کبھی بھی اسے اس طرح آفس جاتے ہوئے روکا نہیں تھا۔
 ”ماما! آج میں آفس سے جلدی واپس آ جاؤں گا جو بات ہے پھر کر لیں گے۔“ اس کی ماں اس بات پر مان گئیں پھر جب شام کو حازق واپس آیا تو وہ اس کے پاس اس کے کمرے میں ہی چلی آئیں۔
 ”حازق بیٹا! انہوں نے بہت پیار سے آواز دی وہ آنکھیں بند کیے بیڈ پر لیٹا تھا۔
 ”ماما آپ۔۔۔“ وہ جلدی سے اٹھ کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

”آئیں ناں ماما! بیٹھیں آپ کھڑی کیوں ہیں؟“ وہ مودب لہجے میں بولا۔

”بیٹا! میں آپ سے کچھ بات کرنے آئی ہوں۔“ اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ مزید بولنے لگیں۔

”بیٹا! آپ کو اب اپنا گھر سالیٹا چاہیے میں بھی اپنے فرائض سے سبکدوش ہو جانا چاہتی ہوں اگر آپ کے دل میں کوئی لڑکی ہے تو مجھے بتا دو۔“ انہوں نے اپنی بات پوری کرنے کے بعد اس کی طرف دیکھا۔ وہ جو حور یہ کے خیالوں میں جا پہنچا تھا جلدی سے خیالوں کی دنیا سے باہر آیا۔

”ماما! اب اتنی جلدی بھی کیا ہے؟ میں بہت جلد شادی کر لوں گا لیکن ابھی نہیں کیونکہ ابھی میں ترقی کی انتہائی بلند یوں پر پہنچنے کے اپنی منزل کو پانا چاہتا ہوں۔“ وہ جذب سے بولا۔

”ٹھیک ہے بیٹا! لیکن ایک بات ضرور یاد رکھنا کہ منابل بھی اب بڑی ہو رہی ہے تمہارے بعد اس کے بارے میں بھی سوچنا ہے۔“ اس کی ماں افسردہ سے لہجے میں بولیں۔

”اوکے ماما! میں بہت جلد آپ کو اپنا فیصلہ سنا دوں گا۔“ وہ اد کے پر زور دیتے ہوئے بولا اور ماں کے گلے میں بانٹیں ڈال دیں۔

”یہ ماں کو مسکا کس خوشی میں لگایا جا رہا ہے۔“ اس کی ماں اسے اس قدر فری ہوتے دیکھ کر بولیں اور پھر دونوں ہنسنے لگے۔

چھٹی والے دن مایا حور یہ کے کمرے میں چلی آئی۔ حور یہ بہت دیر سوچنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی کہ مایا کے ساتھ اپنے دل کی بات شیئر کر لینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ایک مایا ہی تھی جو اس کی بات کوراز میں رکھتی تھی۔

”مایا! اس دن جب ہم بازار گئے تھے۔۔۔۔۔ حور یہ اتنی بات کہہ کر تھوڑی دیر کے لیے رکی۔
 ”ہوں۔۔۔۔۔“ مایا نے صرف اتنا ہی کہا۔

”اس دن ہم جس جیولری شاپ پر گئے تھے تو اس کے بارے میں کچھ جانتی ہو کہ وہ کس کی ہے؟“
 ”کیوں۔۔۔۔۔ تو یہ کیوں پوچھ رہی ہے؟“ مایا نے حیران ہوتے ہوئے حور یہ کی طرف دیکھا۔

”پلیز مایا! میں جو بات پوچھ رہی ہوں مجھے اس کا جواب دے دو۔“ حور یہ کو ڈسٹرب دیکھ کر مایا نے بتا دیا کہ وہ دکان چچا جان کے فریڈ محمود انکل کی ہے۔

”تو وہاں کاؤنٹر پر کون تھا؟ کہیں ان کا بیٹا تو نہیں تھا؟“ حور یہ نے پھر سوال کیا اور اب کی بار مایا اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ وہ اس دن سے کیوں اتنی کھوٹی کھوٹی سی تھی۔

”کہیں تو اس سے۔۔۔۔۔“ مایا نے بات ادھوری چھوڑی۔
 ”مایا! مجھے سمجھ نہیں آ رہا۔۔۔۔۔ میں جب سے اس جیولری شاپ سے آئی ہوں میں بہت آپ سیٹ ہوں مجھے خود سمجھ نہیں آ رہا کہ مجھے کیا ہوتا جا رہا ہے۔“

”حور یہ! ایک بہن سمجھ کے میری بات مان۔۔۔۔۔ تم اس انسان کا خیال اپنے دل سے نکال دو وہ تو اتنا بڑھا لکھا بھی نہیں ہے پھر ہمارے پرنٹس ہمیں اس لیے تو نہیں پڑھا رہے۔“ مایا نے اسے سمجھانے کے سے انداز میں کہا۔

”مایا! میں کب ایسا چاہتی ہوں لیکن میں چاہ کر بھی اس کا خیال دل سے نکال نہیں پا رہی اب دوبارہ کوشش کروں گی شاید اسے بھلا سکوں۔“ حور یہ کو لگا کہ مایا کے ساتھ اپنی بات شیئر کر کے وہ بہت ہلکی پھلکی سی ہو گئی ہے اسے

اگے جیسے دل سے منوں بوجھ اتر گیا ہو۔

”ماہی! محمود انکل کے کتنے بیٹے ہیں؟“ حور یہ نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔
 ”دو ہیں..... کیوں تم ایسے کیوں پوچھ رہی ہو؟“ ماہی اس کی کیفیت تو سمجھ گئی تھی پھر بھی پوچھ بیٹھی۔
 ”کہیں..... وہ تو نہیں جسے اس دن پلازہ میں دیکھا تھا۔“ حور یہ کے سوال پر ماہی نے چونک کر اسے دیکھا
 پھر بولی۔

”ہاں اسی کا نام احمر ہے اور ڈاکٹر زکا کہتا ہے کہ اس کا بچنا مشکل ہے۔“ ماہی کے جواب پر حور یہ کو اپنے پیروں
 کے نیچے سے زمین ہلکتی محسوس ہوئی تو لڑکھڑاتے قدموں سے اپنے کمرے میں واپس آ گئی۔
 وضو کر کے اپنے کمرے میں جائے نماز بچھا کر دو نفل ادا کیے پھر اللہ کے حضور سجدے میں جا کر بہت روتی اور
 دعائیں مانگنے لگی۔ دعا مانگتے مانگتے وہ ہچکیوں کے ساتھ رونے لگی اور اس کی آواز بھی کانپ رہی تھی۔

ماہی نے جیسے ہی کمرے کا دروازہ کھولا حور یہ کو روتے دیکھ کر بہت پریشان ہوئی اور اس کے پاس چلی آئی۔
 ”حور یہ! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کیوں اس اجنبی کیلئے اتنے آنسو بہا رہی ہو؟“ ماہی نے اسے کندھے سے
 پکڑ کر اٹھایا۔

”ماہی! وہ اجنبی نہیں ہے..... محبت کرتی ہوں میں اس سے وہ میری زندگی کا حصہ بن چکا ہے۔“ حور یہ ماہی
 کے گلے لگ کے پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔ ماہی پر اصلیت اب پوری طرح کھل کر سامنے آ گئی تھی سو وہ کچھ
 بھی کہے بغیر اس کے روم سے نکل آئی اور حور یہ پھر دو بارہ اپنے زب کے حضور سجدہ ریز ہو کے احمر کی زندگی کی
 دعائیں مانگنے لگی۔

وہ سارا دن اسی طرح اپنے کمرے میں بند رہی لیکن قسمت کو تو شاید کچھ اور ہی منظور تھا۔ شام پانچ بجے کے
 قریب ہاسپٹل سے فون آیا تو ماہی نے ہی انینڈ کیا دوسری طرف خیام علی تھے۔ انہوں نے احمر کی ڈیڑھ کی اطلاع
 دی اور فون بند کر دیا۔

ماہی نے سب کو یہ افسوسناک خبر دی اور پھر حور یہ کے کمرے میں چلی آئی حور یہ کو جائے نماز پر سجدے کی حالت
 میں ساکت دیکھ کر ماہی کو بہت دکھ ہوا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”حور یہ!“ ماہی کے پکارنے پر بھی وہ اسی حالت میں رہی ماہی نے آگے آگے اسے ہلایا تو ساکت رہ گئی کیونکہ
 حور یہ کو بہت تیز بخار تھا اور بخار کی وجہ سے وہ غم حال پڑی تھی۔

ماہی نے جلدی سے اسے پکڑ کر بیڈ پر لٹایا اور گھر میں ہی بخار کی کچھ میڈیسن اسے دیں۔ سب گھر والے محمود
 صاحب کے ہاں جا چکے تھے اس وقت صرف وہ دونوں ہی گھر پر تھیں۔ ماہی بہت پریشان تھی لیکن وہ اس وقت
 خیام چچا کو بھی فون نہیں کر سکتی تھی وہ بار بار آ کر حور یہ کو دیکھ جاتی لیکن حور یہ کی حالت مزید خراب ہوتی جا رہی
 تھی رات تو بچے حور یہ بخار کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی تو ماہی نے خیام علی کو فون کر کے حور یہ کی حالت کے بارے
 میں بتایا۔

خیام علی اگلے پندرہ منٹ بعد گھر میں موجود تھے وہ حور یہ کو ہاسپٹل لے گئے۔ حور یہ کو ایڈمٹ کر لیا گیا اگلے تین
 دن تک وہ اسی طرح بخار میں مبتلا رہی تین دن بعد اسے کچھ ہوش آیا تو اس نے ماہی سے ملنے کیلئے کہا۔

خیام علی نے ماہی کو اندر بھیجا تو اس کے اندر پہنچتے ہی حور یہ نے اس سے احمر کے بارے میں پوچھا تو ماہی کی
 آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”اس کی تین دن پہلے ڈیڑھ ہو چکی ہے۔“ ماہی نے لڑکھڑاتی آواز کے ساتھ بتایا۔

اگلے دن کالج میں فنکشن تھا حور یہ اور ماہی جیسے ہی تیار ہو کر لاؤنج میں آئیں دونوں کی ماؤں نے ان کی نظر
 اتاری اور وہ دونوں حاشر کے ساتھ کالج گئیں۔

وہ ابھی انہیں ڈراپ کر کے گاڑی ریورس کرنے لگا تو جیسے ہی سامنے اس کی نظر اٹھی تو دوبارہ ہٹنا ہی بھول گئی۔
 بلک کر دلا میں سے فیروزی اور پرپل کنٹر اس میں فراک پا جامہ پہنے ہوئے وہ لڑکی اس کے دل میں اتر گئی۔ جب وہ
 لڑکی کالج کے گیٹ میں اتر ہو گئی تو حاشر خیالات کی دنیا سے باہر آیا اور واپسی کیلئے گاڑی موڑی۔

منابل کی فنکشن میں ہی حور یہ اور ماہی سے دوستی ہو گئی وہ تصویریں بنانے کیلئے ان دونوں کو زبردستی اپنے ساتھ
 لے آئی اور پھر جی بھر کے تصویریں بنائیں اور شام کو فنکشن ختم ہوتے ہی سب نے واپسی کی راہ لی۔

اس دن کے بعد حاشر نے اس چہرے کو بہت ڈھونڈا لیکن وہ لڑکی دوبارہ اسے کہیں بھی دکھائی نہ دی آخر کار اس
 نے اپنے زب سے دعا کی کہ وہ اسے اس لڑکی سے ملا دے۔

اگلے دن احتشام علی اور خیام علی بعد فیملیز لاروش حسن کے گھر ڈنر پر انوائٹڈ تھے۔

سب بھرپور تیاری کے ساتھ رات آٹھ بجے لاروش حسن کے گیٹ پر موجود تھے دروازہ حاشر نے ہی کھولا تھا۔
 سب کو ملنے کے بعد حور یہ جیسے ہی گزری اس کے دل میں عجیب الجھل ہوئی لیکن اس نے حور یہ پر شو نہیں ہونے دیا
 سب کو ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا گیا۔ پھر جیسے ہی منابل چائے کے لوازمات ٹرائی میں سجائے اندر داخل ہوئی اور اس
 نے سب کو سلام کیا اور چائے سرو کرنے لگی۔ حاشر کی جیسے ہی اس پر نظر پڑی تو وہ ٹھنک گیا۔ سب کی موجودگی میں وہ
 اسے زیادہ دیر دیکھ بھی نہیں سکتا تھا لیکن دل کسی کی کب مانتا ہے وہ اس کے خیالوں میں کھویا ہوا تھا جب اس کی ماما نے
 اسے نوکاتو وہ بہت شرمندہ ہوا اور نظریں جھکا گیا۔

کھانا کھانے کے بعد بڑے خوش گپیوں میں معروف ہو گئے اور ہنگ پارٹی نے مل کر آؤٹنگ کا پروگرام بنایا اور
 وہ سب گھومنے پھرنے نکل گئے۔ پھر رات کو ایک بجے واپسی ہوئی جیسے ہی وہ دروازے میں اتر ہوئے تو سب مہمان
 جانے کیلئے تیار تھے اس طرح تقریباً پونے دو بجے ان کی واپسی ہوئی۔

صبح پانچ بجے کے قریب محمود صاحب کا خیام علی کو فون آیا کہ ان کے بیٹے احمر کو زبردست ہارٹ ایک ہوا ہے اس
 کی حالت نازک ہے۔ خیام علی اور سعد یہ نیگم اسی وقت ہاسپٹل چلے گئے۔

حور یہ جب ابھی تو ماما بابا کو گھر میں نہ پا کر ماہی کے پاس چلی آئی۔ ماہی نہا کر ابھی واش روم سے نکلی ہی تھی
 حور یہ کو اپنے کمرے میں پا کر بہت حیران ہوئی۔

”ماہی! ماما بابا کہاں ہیں کچھ پتا ہے؟“ وہ پریشانی سے پوچھ رہی تھی۔
 ”وہ محمود انکل کے بیٹے کو زبردست ہارٹ ایک ہوا ہے اس کی حالت بہت سیریس ہے ان کا صبح فون آیا تھا اس
 لیے چچا جان اور چچی جان ہاسپٹل گئے ہیں۔“ ماہی نے اپنے بالوں میں برش کرتے ہوئے اسے بتایا۔ حور یہ کو اسی
 وقت کاؤنٹر پر بیٹھے انسان کا خیال آیا اور اس کے دل پر تو جیسے بجلی گر گئی پھر ماہی سے پوچھنے لگی۔

”کیا؟“ حور یہ کو جھٹکا لگا اور وہ ایک بار پھر بے ہوش ہو گئی۔ مانی نے ڈاکٹر کو بتایا: ”ڈاکٹر نے آ کر اسے نیند کا انجکشن دیا اور وہ بے سدھ پڑی رہی۔ اگلے ایک ہفتہ وہ ہسپتال میں رہی اور مانی مسلسل اس کے پاس رہتی تھی۔“

ایک ہفتے بعد اسے ڈسچارج کر دیا گیا لیکن ڈاکٹر نے اسے بیداری سے نکالنے کا کہا اور خیام علی کو کہا کہ اس کے سامنے کوئی ایسی بات نہ کہی جائے جس سے اسے کوئی تکلیف ہو یا وہ ڈپریشن اس کیلئے خطرناک ہو سکتا ہے۔ حور یہ مارواں کمرے میں لیٹی آنسو بہاتی رہتی اور اپنے زب سے شکوہ کرتی رہتی نہ کچھ کھاتی نہ چیتی دن بدن اس کی صحت مزید خراب ہوتی جا رہی تھی پھر ایک دن مانی اس کے کمرے میں چلی آئی۔

”حور یہ! یہ کیا حالت بنالی ہے تم نے اپنی؟ آخر کب تک ایسے ہی آنسو بہاتی رہو گی؟ بھلا وہ اس انسان کو وہ چھوڑ کے چلا گیا ہے تمہاری دنیا! مت ڈالو خود کو اتنی اذیت میں۔“

”مانی! میں! کھ کوشش کے باوجود اس انسان کو اپنے دل و دماغ سے نکال نہیں پا رہی ہوں وہ اس دنیا میں نہیں رہا میں جانتی ہوں لیکن میرا دل اس حقیقت کو تسلیم نہیں کر پا رہا۔“ حور یہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”حور یہ! تیری انہی باتوں نے مجھے بہت پریشان کر دیا ہے پلیز یا ر! خود کو نارمل کر لو ورنہ میں تمہاری یہ حالت نہیں دیکھ سکتی اور پھر مجبوراً مجھے چچا جان کو سب کچھ سچ بتانا پڑے گا۔“ مانی اب حور یہ کو ماراں کر رہی تھی۔

”نن..... نہیں..... نہیں تم کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گی! میں کوشش کروں گی خود کو نارمل کرنے کی لیکن کچھ دن تو لگ جائیں گے پلیز..... تم کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گی۔“ حور یہ اب مانی کی منت سماجت کر رہی تھی۔

حازق نے ماں کے کمرے کا دروازہ ٹاک کیا۔

”آ جاؤ!“ صبا نے یونہی آنکھوں پہ بازو رکھے ہوئے کہا۔

”السلام وعلیک ماما!“ حازق نے مودب انداز میں ماں کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کے جواب کے ساتھ ہی بیٹے کے ماتھے کا بوسہ لیا اور اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

”آج اتنی جلدی آگئے آفس سے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟“ انہوں نے حازق کے اتنا جلدی گھر پہنچنے پر تشویش سے کہا۔

”آف کورس ماما! آئی ایم فائن..... مجھے آپ سے ایک بہت ضروری بات کرنی تھی اس لیے جلدی واپس آ گیا۔“

”کیا بات ہے بیٹا! سب ٹھیک تو ہے نا؟“ صبا بیگم نے تشویش سے بیٹے کی طرف دیکھا۔

”بابا!..... میری پیاری سی بھولی ماما! سب کچھ ٹھیک ہے۔“ حازق نے ماں کے گلے میں بانٹیں ڈال کر ہنسنے ہوئے کہا۔

”آپ کو ایک خوشخبری دیں تھی اس لیے چلا آیا۔“

”خوشخبری..... کیسی خوشخبری؟“ انہوں نے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ جلدی سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور بولا۔

”ماما! آپ نے مجھ سے شادی کے بارے میں پوچھا تھا ناں تو میں نے لڑکی ڈھونڈ لی ہے۔“

”کیا.....؟“ اس کی ماما کو حیرت کا زبردست جھٹکا لگا پھر خوشی سے بولیں۔

”کون ہے وہ؟ کہاں رہتی ہے؟ کیا نام ہے؟ مجھے کب ملو رہے ہو.....؟“

”بس ماما بس..... آپ نے تو سوالوں کی بہت لمبی لسٹ میرے سامنے رکھ دی ہے۔“ وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

”ماما! وہ..... وہ خیام انکل..... وہ خیام انکل کی بیٹی ہے۔“ سر کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اس نے جلدی سے بات پوری کی۔

”تو حور یہ کو پسند کرتا ہے.....؟“ انہوں نے پوچھا۔

”یس ماما!“ حازق نے بہت فخر سے اپنی شرٹ کے کالر کو کھڑا کرتے ہوئے کہا۔

اگلے دن صبا بیگم اور لاروش حسن صاحب خیام علی کے گھر گئے۔ دروازہ حاشر نے کھولا اس نے دونوں کو سلام کیا اور اندر لے آیا۔ تھوڑی دیر بعد سب بڑے گیسٹ روم میں براجمان تھے۔

مانی چائے کے لوازمات لائی اور سب کو سرو کرنے کے بعد واپس پلٹی ابھی دروازے میں ہی پہنچی تھی کہ اس کے کانوں میں صبا بیگم کی آواز گونجی۔

”بھائی صاحب! ہم دونوں خاندانوں کی دوستی کورشتے داری میں بدلنا چاہتے ہیں! ہم حازق کیلئے حور یہ کا ہاتھ مانگتے آئے ہیں۔“ مانی نے صرف اتنی ہی بات سنی اور وہاں سے نکل آئی۔

خیام علی تھوڑی دیر خاموش بیٹھ رہے پھر کہا۔

”ہم گھر میں مشورہ کر کے آپ کو جلد جواب دے دیں گے۔“

”چلیں ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی اور ہاں ایک بات اور..... آپ حور یہ بیٹی سے بھی ضرور پوچھ لیجیے گا۔“

”جی ٹھیک ہے۔“ خیام علی نے بہت نرم لہجے میں کہا۔

اس کے بعد تھوڑی دیر! دھڑا دھڑکی باتیں ہوئیں پھر حسن صاحب اور ان کی بیگم نے اجازت چاہی۔

”حور یہ..... حور یہ.....!“ مانی حور یہ کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے آوازیں دینے لگی۔

”کیا ہو گیا ہے تمہیں! کیوں اتنا چلا رہی ہو؟“ حور یہ جو واش روم سے نہا کر نکل رہی تھی بڑے ریلیکس انداز میں اس سے پوچھنے لگی۔

”حور یہ! بات ہی ایسی تھی..... وہ حازق صاحب کا رشتہ آیا ہے۔“ مانی اسے بتانے لگی۔

”اوہ..... یہ تو بہت اچھی بات ہے تجھے تو پہلے دن سے ہی بہت بھائے تھے حازق جتنا۔“ حور یہ نے بالوں میں برش کرتے ہوئے کہا۔

”کینی رشتہ میرے لیے نہیں تمہارے لیے آیا ہے۔“ مانی نے اسے گھورا۔

”کیا.....؟“ حور یہ کی تو جیسے چیخ بلند ہوئی۔

”ہاں تمہارے لیے۔“ مانی نے پھر بات دہرائی۔

”کیوں تجھے کوئی اعتراض ہے؟“ مانی نے حور یہ کو خاموش دیکھ کر پوچھا۔

”مجھے کیا اعتراض ہوگا..... میں نے جسے چاہا وہ جب نہیں مل سکا تو کیا فرق پڑتا ہے کہ کون ہو! میں نے تو زندگی میں صرف ایک انسان کو ہی چاہا تھا! اسی کو مانگا تھا لیکن قدرت کو تو شاید ہمارا ملنا منظور ہی نہیں تھا۔“ حور یہ اب افسردہ سی مانی کے پاس بیڈ پر بیٹھی تھی۔

”موریہ پلیز! خود کو نارمل رکھو اور زندگی کی تمام حقیقتوں کو تہہ دل سے قبول کر لو اور جو ہو گیا اسے بھول جاؤ“ تمہارا آج ہی تمہارا ہے نہ کہ تمہارا ماضی۔“ مائی موریہ کو سمجھا رہی تھی۔

”مائی! جب کسی کو چاہا جائے تو اسے بھلانا اتنا آسان نہیں ہوتا لیکن میں کوشش کر رہی ہوں اس سچائی کو تسلیم کر لینے کی مجھے لگتا ہے کہ اب میں پہلے سے کافی حد تک نارمل ہو گئی ہوں۔“ موریہ نے مسکرا کر مائی کو دیکھا۔ مائی نے بہت دنوں بعد اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی تھی تو وہ بہت خوش ہوئی اور اسے محبت بھرے انداز میں اپنے ساتھ لگایا۔

☆.....☆.....☆

خیام علی نے سب گھروالوں کے مشورے کے بعد اس رشتے کیلئے ہاں کر دی۔ دو دن بعد منگنی کی رسم تھی دونوں گھروں نے رسم خیام علی کے گھر پر ہی کی۔ موریہ نے بلیک اور سلور کنٹراس کا سوٹ پہن رکھا تھا اور وہ چودھویں کے چاند کی طرح کھری کھری لگ رہی تھی تو دوسری طرف حاذق بھی بلیک کرتا پاجامہ میں کسی سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ منگنی کی رسم رات ایک بجے کے قریب ختم ہوئی اور سب مہمان باری باری رخصت ہونے لگے۔

☆.....☆.....☆

موریہ اور ماہم دونوں کے انجینئرنگ کے لاسٹ ایئر کے پیپرز ہونے والے تھے تو مائی نے اپنا پورا بستر باندھا اور موریہ کے کمرے میں پناہ لی۔ دونوں رات دیر تک کہانیاں سنڈی کرتیں۔ موریہ پوری طرح پڑھائی میں مگن ہو گئی اور دونوں دن رات کتاب کی کیز اپنی رہتیں جس دن ان کا آخری پیپر تھا اس دن وہ اپنی پر دونوں بہت پرسکون اور خوش تھیں۔ اسی شام دونوں کو پتا چلا کہ موریہ کی شادی کی ڈیٹ فکس کر دی گئی ہے مائی تو خوشی سے پھولے نہیں سارے ہی تھے دوسری طرف موریہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی آئی۔

”موریہ! کیا ہوا تم اس شادی سے خوش نہیں ہو؟“ مائی بھی اس کے پیچھے چلی آئی اور موریہ کو افسردہ دیکھ کر پوچھنے لگی۔

”نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔“ موریہ نے کھوئے کھوئے لہجے میں جواب دیا۔ ”اوئے ہوئے..... میں سمجھ گئی تھی ابھی سے اپنے پیاجی کے خیالوں میں کھو گئی۔“ مائی نے شرارت سے کہا۔ ”تجھے میں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“ موریہ کہتے ہوئے اس کے پیچھے بھاگی۔ ”مائی مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے اس حاذق جناب سے۔“ موریہ نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔ ”کیوں اب کیا ہو گیا ہے؟“ مائی نے پوچھا۔

”مائی! مجھے لگتا ہے کہ وہ اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کیلئے مجھ سے شادی کر رہا ہے۔“ موریہ نے تشویش سے کہا۔ ”پگلی اب ان سارے اگلے سیدھے خیالوں کو ذہن سے نکالو اور جلدی سے تیار ہو جاؤ مارکیٹ جانا ہے شادی میں بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں اور تیاری ابھی بہت رہتی ہے۔“ مائی نے اسے بیڈ سے اٹھایا۔ وہ دونوں حاشر کے ساتھ شاپنگ کیلئے چلی گئیں۔ رات آفریادس بجے واپسی ہوئی۔

☆.....☆.....☆

جیسے جیسے شادی کے دن قریب آ رہے تھے اور حاذق حسن کے خواب حقیقت میں تبدیل ہوتے جا رہے تھے تو اسے تو خیند بھی نہیں آتی تھی وہ خیالوں میں گم بیٹھا تھا۔

اچانک کسی کی دستک نے اسے خیالوں کی دنیا سے باہر نکالا۔ دستک دینے کے تھوڑی دیر بعد مہمانیگم نے دروازہ

کھول کے دیکھا تو حاذق کورات کے بارہ بجے تک جاگتے دیکھ کر اس سے پوچھے بغیر نہ رہ سکیں۔

”حاذق جینا! اتنی دیر رات تک کیوں جاگ رہے ہو؟“

”ماما! وہ آفس کا کچھ کام تھا وہ کر رہا تھا اور اب فتم ہوا ہے تو سونے لگا تھا۔“ حاذق نے نہایت صفائی سے ماں نے سامنے جھوٹ بولا۔

”چلو ٹھیک ہے جینا! سو جاؤ، لیکن ایک بات..... شادی میں بہت کم دن رہ گئے ہیں اور تیاریاں ابھی بہت رہتی ہیں اس لیے تھوڑا جلدی آ جایا کرو آفس سے۔“ انہوں نے بیٹے سے کہا۔

”اوکے ماما! کوشش کروں گا۔“ حاذق کے اتنا کہنے پر وہ کمرے سے باہر آ گئیں اور وہ پھر خیالوں کی دنیا میں کھو گیا۔

☆.....☆.....☆

دونوں گھروں میں شادی کے فنکشن شروع ہو چکے تھے ہر طرف خوب رونق تھی۔

مہندی کی رات دس بجے فنکشن شروع ہوا تو موریہ کو اسٹیج پر لا کے بٹھایا گیا وہ پہلے اور ہنز کنٹراسٹ سوٹ میں

ہلکے سے میک اپ کے ساتھ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ مائی سارے فنکشن میں موریہ کے ساتھ ساتھ رہی۔

دوسری طرف حاذق نے بھی اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر خوب ہلاکھا مچا رکھا تھا۔ فنکشن ساری رات ہی چلتا رہا پھر

موریہ کے ہاتھوں پہ مہندی رچائی گئی۔

☆.....☆.....☆

بارات کا ٹائٹ فنکشن تھا، بارات کیلئے خیام علی نے میرج ہال بک کروا لیا تھا۔ بارات کے پہنچنے ہی سعد یہ بیگم

نے پہلے تو حاذق کو ڈھیر سارا پیار کیا پھر اس کی نظر اتاری کیونکہ وہ میرون شروانی میں بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔

موریہ مائی کے ساتھ ہال کے گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو حاذق کی اچانک اس پر نظر پڑی تو دوبارہ پلٹنا بول گئی

کیونکہ وہ خوبصورت تو تھی ہی لیکن آج میرون لہنگا ساتھ میں ڈارک میک اپ..... وہ تو غضب ڈھا رہی تھی جس کی

نظر ایک دفعہ اس کی طرف اٹھتی تو وہ دوبارہ پلٹنا بھول جاتی۔

موریہ کو اسٹیج پر لا کر حاذق کے پہلو میں بٹھا دیا گیا اس کی ماں نے دل ہی دل میں دونوں کی جوڑی قائم و دائم

رہنے اور دونوں کی خوشیوں کی ڈھیروں دعائیں کیں۔

پھر رخصتی کا وقت آن پہنچا اس وقت سب کی آنکھیں نم تھیں موریہ باری باری سب کو ٹپکی اور ماں کی ڈھیروں

دعاؤں کے سائے میں حاذق کی ہمراہی میں اپنے سرال رخصت ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

موریہ بہت زور سے اپنے کمرے میں بیڈ کے وسط میں بیٹھی تھی وہ سوچوں کے گردان میں پھنسی ہوئی تھی جب کسی

نے دروازے پر دستک دے کر اسے سوچوں کے پھنور سے نکالا۔ حاذق کمرے میں داخل ہوا تو اسے موریہ بہت ڈری

ہوئی اور خوفزدہ گئی۔ وہ جان گیا تھا کہ وہ کیوں خوفزدہ ہے لیکن کچھ بھی کہے بغیر وہ چھینچ کرنے کیلئے واش روم کی طرف

گیا پھر کچھ یاد آنے پر واپس آیا اور بیڈ کی سائینڈ ٹیبل کی دراز میں سے ایک ڈبہ نکالا اور موریہ کے آگے رکھ کر خاموشی

سے واش روم کی طرف چلا گیا۔

وہ چھینچ کرنے کے بعد جب کمرے میں آیا تو موریہ کو یونہی ساکت بیٹھا دیکھ کر بولا۔

”آپ ابھی تک ایسے ہی بیٹھی ہیں میرا دیا ہوا گفٹ کھول کے تو دیکھ لیں ایک دفعہ۔“ حاذق حیران تھا کہ

موریہ ابھی تک وہیں اسی حالت میں بیٹھی ہے۔ پھر اس نے خود ہی ڈبہ کھول کے موریہ کی طرف بڑھایا جس میں

ڈائنمڈ سیٹ جھگڑا رہا تھا۔ حور یہ نے خالی خالی نظروں سے پہلے حاذق کو اور پھر ذبے کو دیکھا اور پکڑ کر دوبارہ سائینڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

حاذق نے مسکراتے ہوئے حور یہ کی طرف دیکھا اور کہل اٹھا کر صوفے پر لیٹ گیا تو حور یہ کی جان میں جان آئی اور وہ سکون سے انھی چھینچ کر کے بیڈ پر نیم دراز ہو گئی لیکن نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی پھر رات کے جانے کون سے پہر نیند نے اس کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

☆.....☆.....☆

اگلے دن صبح دس بجے سو کر اٹھی تو صبا بیگم نے ڈھیر سارا پیار کیا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اپنی ماں کو یاد کر کے لیکن پھر جلدی سے اپنے آنسو صاف کیے اس یقین کے ساتھ کہ اب میں ان کی بیٹی بن کے رہوں گی۔

شام کو ویسے کا فنکشن تھا سب مہمان آنا شروع ہو گئے تھے حور یہ کو تیار ہونے کیلئے ماہم اور منائل کے ہمراہ بیوٹی پارلر بھیج دیا گیا۔

شام چھ بجے فنکشن شروع ہوا تو حور یہ اور حاذق دونوں ایک ساتھ اسٹیج پر پہنچے دونوں بہت خوش بھی نظر آ رہے تھے اور بہت پیارے بھی لگ رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

حاذق تو اپنی محبت کو یاد کر بہت خوش تھا لیکن حور یہ نے بھی حالات کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا تھا لیکن وہ حاذق کو ہمیشہ نظر انداز کرتی تھی۔ اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیتی تھی صبح اس کے دفتر جانے کے بعد اٹھتی تھی شام کو جب وہ واپس آتا تو اس سے بات نہ کرنا اس کی کسی بات کا جواب نہ دینا حور یہ نے اپنا روزمرہ کام معمول بنالیا تھا لیکن حاذق نے پھر بھی کبھی اس سے شکوہ شکایت نہیں کی تھی۔

☆.....☆.....☆

حاشر دن رات منائل کے خیالوں میں کھویا رہنے لگا۔ اس نے اپنی ایک انگ ہی دنیا بٹا رکھی تھی جس میں وہ منائل کے خوابوں کے محل تعمیر کرتا رہتا تھا پھر ایک دن اس نے اپنے دل کی بات مانی کو بتا دی تو وہ بہت خوش ہوئی۔

”سچ بھیا! آپ کو واقعی منائل پسند ہے.....؟ مجھے تو خود وہ بہت اچھی لگتی ہے میں ابھی امی سے بات کرتی ہوں۔“ مانی سے تو اپنی خوشی کسروں ہی نہیں ہو رہی تھی لیکن حاشر نے منع کر دیا اتنی جلدی بات کرنے سے۔

لیکن مانی سے زیادہ دیر رہا نہ گیا اس لیے دو دن بعد ہی اپنی امی سے بات کر لی۔ اس کی امی کو بھی منائل بہت پسند تھی اس لیے اس رشتے پر راضی ہو گئیں۔

☆.....☆.....☆

حاذق صبح آفس جانے کیلئے تیار ہونے لگا تو حور یہ کی بھی آنکھ جلدی کھل گئی وہ ابھی بستر سے اٹھی ہی تھی کہ حاذق نے اسے آواز دی لیکن حور یہ نے سنی اُن سنی کر دی اور واش روم کی طرف چل دی۔ تھوڑی دیر بعد جب حور یہ منا تھا دھوکے باہر آئی تو حاذق کو اپنا منتظر پایا لیکن وہ پھر اسے نظر انداز کر گئی۔

حاذق نے پھر آواز دی لیکن حور یہ کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر اس کی طرف چلا آیا اور اسے دونوں کندھوں سے پکڑ کر جھوڑ ڈالا اور بے بسی سے بولا۔

”حور یہ! مت کرو میرے ساتھ ایسا کیوں اتنی بے پرواہ ہو گئی ہو؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ مجھے پہلے ہی حور یہ چاہیے۔ ہنسی مسکراتی لڑتی جھگڑتی حور یہ! تمہاری یہ بے رحمی میری جان لے لے گی پلیز حور یہ.....“ انا کہنے ہی

۔ اتن کمرے میں باہر چلا گیا۔ حور یہ کہنے کی سی کیفیت میں کافی دیر کھڑی رہی پھر اپنے حواس بحال کر کے کمرے سے باہر چلی آئی لیکن حاذق تب تک آفس کیلئے نکل چکا تھا۔

اس دن حاذق شام کو آفس کا کام ختم کر کے گھر کیلئے نکلا ہی تھا ابھی گاڑی کا دروازہ کھولا تھا کہ پیچھے کوئی تاک میں بیٹھا اور اس پر گولی چلا دی۔ حاذق کو بہت زیادہ زخمی حالت میں اسپتال پہنچایا گیا اور جب اس کے گھر فون کیا گیا اطلاع دینے کیلئے تو فون حور یہ نے ہی ریسیو کیا۔

”ہیلو..... کیا.....؟“ اس آواز کے ساتھ ہی حور یہ کی چیخ نکلی اور وہ صوفے پر گر گئی۔ صبا بیگم پریشانی کے عالم میں بچن سے نکلیں انہوں نے جلدی سے ریسیور اٹھا کے دوسری طرف سے اطلاع سنی تو ان کی آنکھوں میں بھی آنسو آنے لگے لیکن انہوں نے خود پر ضبط کیا۔

اس کے بعد دونوں مطلوبہ اسپتال پہنچیں تو آفس ورکر نے بتایا کہ حاذق کی حالت بہت خراب ہے اور اسے آئی یو میں لے گئے ہیں آپ پریشن چل رہا ہے آپ بس دیکھ لیجیے۔

حور یہ تو کہنے کی کیفیت میں بیٹھی بس روئے جا رہی تھی اور اس کے ذہن میں حاذق کا کہا جملہ بار بار آ رہا تھا۔

”حور یہ! تمہاری یہ بے رحمی میری جان لے لے گی۔“

”مگر حاذق! میں نے کبھی ایسا تو نہیں چاہا تھا تم نے تو اپنی کہی ہوئی بات پر بہت جلد عمل کر لیا میں نے تو ہمیشہ تمہاری خوشی چاہی تھی میں تو کبھی شاید تم بدلہ لینے کے لیے یہ سب کر رہے ہو میں کب یہ جانتی تھی کہ تم مجھ سے اتنا پیار نہیں کر سکتے ہو۔“ حور یہ کی آنکھوں سے تو اتارے آنسو بہ رہے تھے وہ گڑ گڑا کر اپنے زب سے حاذق کی زندگی کی دعا کر رہی تھی تو دوسری طرف حاذق کی ماں اپنے پروردگار کی بارگاہ میں سجدہ ریز تھیں۔ ادھر حاذق کی زندگی اور موت کے بیچ جنگ لڑ رہا تھا۔

سب پریشانی کے عالم میں ادھر سے ادھر پھر رہے تھے کہ ایک ڈاکٹر نے آ کر انہیں اطلاع دی تو سب کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل آئے۔ یہ آنسو کسی غم یا دکھ کے نہیں تھے بلکہ خوشی کے آنسو تھے کیونکہ حاذق حسن کوئی زندگی مل گئی تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں حور یہ کے گھر والے بھی پہنچ گئے لیکن عاشر ساتھ میں نہیں تھا حور یہ کو عاشر پر جو شک تھا وہ سب سچ ثابت ہو رہا تھا اور حور یہ کو یقین ہو گیا تھا کہ حاذق پر گولی چلانے والا اور کوئی نہیں بلکہ عاشر ہی ہے جس نے انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے یہ سب کیا ہے۔

☆.....☆.....☆

اگلے پانچ دن حاذق ہسپتال میں رہا اور حور یہ مسلسل اس کے ساتھ تھی۔

”حور یہ!.....!“ حاذق کے آواز دینے پر وہ چونک کر بیٹھی۔

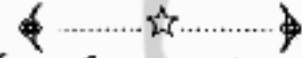
”ایک بات تو بتاؤ؟ کیا تم بھی مجھ سے اتنی ہی محبت کرتی ہو جتنی میں کرتا ہوں؟“ حاذق کے اس عجیب سے سوال پر حور یہ خاموش نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی حاذق اس کے جواب کا منتظر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”نہیں..... آپ کی محبت کے آگے میری محبت تو شاید کچھ بھی نہ ہو۔“ یہ بات کہتے ہی حور یہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں وہ حاذق کے پاس آئی اور کہنے لگی۔

”میں آپ کی طرح اپنی کہی ہوئی باتوں پر اتنی جلدی عمل نہیں کر سکتی آپ نے کبھی اتنا سوچا ہے کہ اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو ہمارا کیا ہوتا؟“

”لیکن حور یہ! میں ایک بات سوچ رہا ہوں کہ میری کسی کے ساتھ کیا دشمنی ہو سکتی ہے میں نے تو کبھی کسی کا کچھ نہیں بگاڑا..... تو یہ کون ہو سکتا ہے جو میری جان لینا چاہتا ہے۔“ حاذق کچھ پریشانی کے عالم میں تھا۔
 ”آپ چھوڑیں ان سب باتوں کو ٹینشن نہ لیں..... پولیس تفتیش کر رہی ہے بہت جلد وہ ڈھونڈ نکالے گی۔“
 حور یہ نے حاذق کو تسلی دی۔

”اوکے..... ایک بات ہے جب تک تم میرے ساتھ مجھے کچھ نہیں ہو سکتا کیونکہ میرے مالک نے مجھے اتنی کیئرنگ پری جو دے دی ہے۔“ حاذق نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کے اس پر اپنے پیار کی مہر ثبت کی۔



پانچ دن بعد حاذق کو ڈسپارچ کر دیا گیا اس کے ڈسپارچ ہو کر آنے کی اور اسے ایک نئی زندگی ملنے کی خوشی میں حور یہ نے سارے گھر کو پھولوں اور برقی قمقموں سے سجایا اور ڈنر کا اہتمام کیا جس میں کافی لوگ مدعو تھے۔ حاشر کے فرینڈز اور ان کی فیملیز بھی۔ حور یہ آج بہت خوش تھی اور آج اس کی خوشی کی وجہ حاذق تھا۔

احتشام علی اور خیام علی بھی اپنی فیملیز کے ساتھ آچکے تھے۔ سب نے آتے ہی حاذق کو اس کو نئی زندگی ملنے کی مبارکباد دی۔ ان فیملیز میں حاشر کو نہ پا کر حاذق کو عجیب سی الجھن ہوئی لیکن وہ کچھ بھی غلط نہیں سوچنا چاہتا تھا۔

احتشام علی خیام علی اور لاروش حسن کے متفقہ فیصلے سے حاشر اور منائل کا رشتہ طے کر دیا گیا اور دونوں خاندانوں کا رشتہ اور مضبوط کر دیا گیا اور اسی دن سب کی موجودگی میں معنی کی رسم بھی کر دی گئی۔ حاذق بھی اس رشتے سے بہت خوش تھا لیکن حور یہ کو حاشر کی طرف سے ڈر تھا کہ کہیں وہ معصوم منائل کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔



شادی کی ڈیٹ فکس کر دی گئی تھی اور دونوں گھروں میں شادی کی تیاریاں بہت زور و شور سے جاری تھیں۔ حاذق بھی اب بالکل ٹھیک ہو چکا تھا اور دوبارہ آفس جوائن کر لیا تھا۔

ایک دن وہ آفس سے واپس آیا تو حور یہ کو کچھ پریشانی کے عالم میں کمرے میں ٹھہرتے ہوئے پایا۔
 ”حور یہ! میں کچھ دن سے دیکھ رہا ہوں تم کچھ پریشان سی لگ رہی ہو خیریت تو ہے ناں؟ کون سی بات ہے بے لے کے تم اتنی اپ سیٹ ہو؟“

حور یہ جو آج تہیہ کیے ہوئے تھی کہ حاذق کو حاشر کے بارے میں سب سچ بتا دے گی اس نے ساری بات حاذق کے گوش گزاری اور ایک بہت بڑی سچائی سے آج پردہ اٹھ گیا۔

حور یہ کو جس بات پر شک تھا حاذق کو حاشر کا اصلی چہرہ بتا چلنے کے بعد اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ اس دن اس پر قاتلانہ حملہ کروانے والا اور کوئی نہیں بلکہ حاشر ہی تھا۔ حور یہ نے بتایا۔

”اب مجھے اس بات کی ٹینشن ہے کہ اگر اس گھٹیا انسان نے منائل کو کوئی نقصان پہنچا دیا تو.....؟“ حاذق کو بھی حور یہ کی بات بھائی تھی لیکن اس نے حور یہ کو تسلی دی اور وعدہ کیا کہ وہ بہت جلد اس حقیقت سے پردہ فاش کر دے گا اور حاشر کا اصلی چہرہ سب کے سامنے لائے گا۔

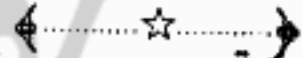
اس کے بعد حاذق اور حور یہ نے حاشر کو رنگے ہاتھوں پکڑنے کی جو پلاننگ کی اس میں پہلے تو حور یہ حاذق کا ساتھ دینے کیلئے نہیں مان رہی تھی کیونکہ حاذق نے پلان ہی ایسا بنایا تھا جو موت کا کھیل تھا اور حور یہ حاذق کو کبھی بھی ایسا رسک نہیں لینے دے سکتی تھی لیکن حاذق نے اسے قائل کر ہی لیا۔

”تمہیں اپنے پروردگار پر بھروسہ ہے ناں وہ کبھی بھی ہمیں ناکام نہیں ہونے دے گا کیونکہ ہم سچائی کیلئے لڑ رہے

ہیں اور حق پر ہیں اس ایک عاشر کا چہرہ بے نقاب کرنے سے کئی معصوم زندگیاں بچ سکتی ہیں کیونکہ ایسے کئی عاشر جو لوگوں کی جانوں سے کھیل رہے ہیں ایک مجرم کو سزا ملتی دیکھ کر عبرت حاصل کریں گے اور سدھر جائیں گے۔“ حاذق اسے دلیلیں دے دے کر سمجھا رہا تھا۔

”لیکن حاذق! آپ جانتے ہیں ناں کہ اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو میں جی نہیں پاؤں گی۔“ حور یہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ حاذق نے محبت بھری نگاہوں سے حور یہ کی طرف دیکھا اور اس کو اپنی محبت پر بہت رشک آیا اور بے اختیار گلے سے لگا لیا۔

”حور یہ! میری جان کچھ نہیں ہو گا مجھے ہمیں اپنے مالک پر پورا بھروسہ ہے ناں..... وہ ہمیں کبھی بھی ناکام نہیں ہونے دے گا اور عاشر کو ضرور سزا دلوائے گا۔“ حاذق نے حور یہ کے ماتھے کا ایک محبت بھرا بوسہ لیا اور اسے تسلی دیتا ہوا باہر نکل گیا اور حور یہ اس کی عمر درازی کی اپنے زب سے دعائیں مانگنے لگی اور مسکراتے ہوئے کچن کی طرف چل دی کیونکہ اسے رات کے کھانے کی تیاری بھی تو کرنی تھی۔



حاشر اور منائل کی شادی کی تیاریاں ہو چکی تھیں اور شادی کے دن بھی آن پہنچے دونوں گھروں میں مہندی کا فنکشن بہت دھوم دھام سے ہوا۔ یک پارٹیز نے دونوں طرف خوب ہلہ گلہ مچایا۔

بارت والے دن حاذق اس گھر کا اکلوتا بیٹا ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ مصروف تھا تو دوسری طرف حور یہ پر بھی اکلوتی بہو ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ ذمہ داریاں تھیں لیکن بارات آنے تک دونوں نے سب تیاریاں مکمل کر لیں اور منائل بھی اپنی کزن کے ہمراہ پارلر سے تیار ہو کر واپس آ گئی تھی۔

حاذق نے جیسے ہی اسے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے اپنی اکلوتی بہن کو خود سے دور کرتے ہوئے دکھ تو ہوتا ہی تھا کہ جس کے ساتھ زندگی کے اتنے سال اکٹھے گزارے آج کے دن وہ پرانی ہو رہی تھی لیکن وہ اس کا ہاتھ با اعتماد انسان کے ہاتھ میں دے رہا تھا اس لیے اسے تسلی بھی تھی کہ وہ انسان اس کی بہن کی آنکھ کبھی بھی نم نہیں ہونے دے گا کیونکہ حاشر منائل سے سچی محبت کرتا تھا۔

ساری رسمیں ادا ہونے کے بعد رخصتی کا وقت آ گیا۔ منائل سب کو روتا چھوڑ کے پیادیں سدھار گئی لیکن سب بہت مطمئن تھے کہ منائل بہت اچھے اور جانے پہچانے لوگوں میں گئی ہے جہاں اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔

اگلے دن ولیمہ تھا اور حاذق اور حور یہ کی آزمائش کا دن تھا کیونکہ اس دن انہوں نے حاشر کا اصلی چہرہ سب کے سامنے لانا تھا۔ حور یہ کو شادی کی خوشی تو کیا ہوتی تھی وہ تو حاذق کی سلامتی کی دعائیں ہی مانگ رہی تھی اور بہت پریشان تھی لیکن حاذق بہت مطمئن نظر آ رہا تھا اس نے سارے انتظامات کر لیے تھے۔

جب ولیمے کا فنکشن شروع ہوا تو حاذق سب کاموں میں بہت آگے آگے تھا۔ آخر اس گھر کا داماد تھا۔ اس کا ایک دو دفعہ حاشر سے سامنا ہوا تو جب وہ دونوں آمنے سامنے آتے تو حور یہ کا دل دھڑکنا بھول جاتا تھا کہ کہیں حاشر حاذق کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔

ادھر حاشر کے سامنے جب حاذق آتا تو اس کی آنکھیں انکاروں کی طرح دھکنے لگتیں لیکن وہ برداشت کرتا رہا۔ دوسری طرف حاذق موقع کی تلاش میں تھا حاشر سے زیادہ دیر صبر نہیں ہو سکا وہ جتنا حاذق سے دور رہنے کی کوشش کر رہا تھا حاذق اتنا ہی اس کے سامنے بار بار آ رہا تھا۔



کش خان

افسانہ

نچھلے می سچیت نو گئی تھی

”میں بہت پرکشیکل بندہ ہوں میری چاہ محبتیں میری منزل بھی وہی ہے میں بالآخر اسے ہی پاؤں گا“
نہیں محبت ہے اور میں اپنے حصے کی محبت کر چکا اور وہ میری منتظر ہے۔ تم سے شادی جن حالات

رداؤ انجسٹ 125 اگست 2011ء

ماشری برداشت کی حد ختم ہو گئی تو وہ انتہائی غصے کے عالم میں کمرے سے اٹھ آیا حاذق کو شوٹ کرنے بیٹے
حاذق پہلے سے بھی زیادہ پوکنا ہو گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ عاشر کوئی نہ کوئی غلط قدم ضرور اٹھائے گا۔
ماشر فائر کرنے سے پہلے بالکل تیار کھڑا تھا کہ پولیس نے آ کر اسے رینگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ عاشر کبھی ایسا سوچا ہی
نہیں سکتا تھا کہ کبھی حاذق بھی اس کے ساتھ اتنا بڑا دھوکا کر سکتا ہے۔
عاشر کے ویسے میں عجیب پاپل بچہ کئی تھی اور ویسے ہی افراتفری کی نذر ہو گیا۔ ماشر کو پولیس لے جا چکی تھی او
سب خاندان والوں پر اب اس کی اصلیت محل کر سانسے آ چکی تھی اور جو یہ آج بہت مطمئن ہو گئی تھی۔

”ماما کیا ہوا؟ آپ رو کیوں رہی ہیں؟“ عاشر ماں کے کمرے میں آیا تو انہیں روتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔
”کچھ نہیں بیٹا! مجھے عاشر کے کیسے پر بہت دکھ ہو رہا ہے میں نے اس کی پرورش ایسی تو نہیں کی تھی کہاں کی رہ گئی
تھی میری تربیت میں۔“ صالحہ بیگم نے روتے ہوئے بیٹے سے شکوہ کیا۔
”اوہ ماما! آپ کیوں رو رہی ہیں عاشر کو اس کے کیسے کی سزا ملنی چاہیے اس طرح کئی برائیوں کی جڑیں ختم ہو سکتی
ہیں لوگ اس سے عبرت حاصل کریں گے۔“ عاشر نے ماں کو تسلی دی۔
”میں تو آپ سے کچھ اور بات کرنے آیا تھا لیکن آپ تو رو رہی ہیں چلیں پھر کر لیں گے۔“
”نہیں بیٹا! کیا بات ہے؟“ صالحہ بیگم نے بیٹے کو پاس بٹھایا۔
”ماما! میں ماہم کی شادی کے سلسلے میں بات کرنے آیا ہوں ابو کے ایک کولیگ ہیں انکل رحمن ان کا بیٹا انگلینڈ
میں بزنس کرتا ہے آج کل وہ پاکستان آیا ہوا ہے۔“
”تو نھیک ہے بیٹا! دیکھ لیتے ہیں آگے جو اللہ کی مرضی ہوئی وہی ہوگا۔“
اس کے بعد عاشر اور احتشام علی نے ساری چھان بین کی اور اس رشتے کیلئے ہاں کہہ دی۔ اس کے بعد ماہم کی
بھی شادی ہو گئی اور وہ شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد اپنے شوہر کے ساتھ انگلینڈ چلی گئی۔

عاشر کو تین مہینے جیل سے عدالت اور عدالت سے جیل کے دھکے کھانے پڑے تین مہینے بعد عدالت نے ماشر کو
سزائے عمر قید کا حکم سنایا۔

اس کے بعد دونوں فیملیز اپنی اپنی خوش و غرم زندگی گزارنے لگیں کیونکہ برائی کی جڑ کو انہوں نے جڑ سے اکھاڑ
پھینکا تھا۔

ایک سال بعد حاذق اور نور یہ کوالدہ تعالیٰ نے عروہ کی شکل میں ایک پری سے نوازا۔ وہ اپنی اس پری اور اللہ تعالیٰ
کی اس نعمت کو پا کر بہت خوش تھے اور اپنی انٹ کو بھر پور طریقے سے انجوائے کر رہے تھے۔
دوسری طرف عاشر اور منال کو اللہ تعالیٰ نے چاند سا بیٹا دے کر ان کی زندگی بھی خوشیوں سے بھر دی انہوں نے
اپنے بیٹے کا نام عادل رکھا۔

یوں زندگی اپنے سفر پر رواں دواں تھی۔ دونوں کھلوا اپنی جنتوں میں اب بہت خوش تھے اور باہم پیار و محبت سے
رو رہے تھے۔

رداؤ انجسٹ 124 اگست 2011ء

میں ہوتی تم بخوبی جانتی ہو صرف امی کا کیا وعدہ نبھانے کو نہیں بیابا ہے مگر معذرت چاہوں گا تمہیں بسا نہیں سکتا نہ اس دل میں نہ اس گھر میں۔ امی کی طبیعت ٹھیک ہونے تک تم اس گھر میں مہمان ہو مجھ پر اور اس گھر پر قبضہ کی کوشش نا کام رہے گی اور تمہارے اس سنگھار کا مجھے کچھ لینا دینا نہیں چھینچ کر لو۔

آج ”ماہ نور“ کی شادی کی پہلی رات تھی جس میں اس کا زبردستی بنائے جانے والا شوہر ”اذلان شاہ“ اسے زد کر کے سنگ برساکر چلا گیا وہ جوں کی توں ٹیٹھی رہ گئی۔ حالات یہ کروٹ لے لیں گے اس نے بھی سوچا تک نہ تھا مگر تھدیرا سے ہی کہتے ہیں۔

”تم ابھی تک بیٹھی ہو؟“ وہ ہڑبڑا کر ہوش میں آئی۔ اذلان چھینچ کر کے آچکا تھا اور سخت تیوروں سے اسے گھور رہا تھا۔ ماہ نور دھیرے سے لہنگا سمیٹ کر کھڑی ہوئی ہاتھوں کی چوڑیاں پیروں کی پائل نے مدھر ساز چھیڑا مگر ”سیاں جی“ کے دل کے تاروں کو نہ چھیڑ سکیں۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑی ہوئی چوڑیاں اتارتے اپنے آپ پر آئینے میں نظر پڑی تو ششدر رہ گئی بیوٹیشن اور دوسری لڑکیوں کا چھیڑنا یاد آیا۔

”اذلان تو صبح تک ہوش میں ہی نہ آ سکے گا۔“ سب کی شوخی عروج پر تھی۔

”ہائے بیچارہ دلہا..... کتنی بجلیاں گریں گی آج غریب پر۔“ مختلف آوازیں اور قہقہے سماعتوں میں گونجے۔ بلڈریڈ لہنگا اور گہنوں سے پور پور گئی وہ واقعی میں حواس بے قابو کرتی لگ رہی تھی آنسو ضبط کرتی خود کو زیورات سے آزاد کرنے لگی ”یکہ جھومر اٹھ اور آویزے تو اتار دیئے مگر گلو بند اتارنے کیلئے دوپٹے اتارنا تھا پتہ نہیں بیوٹیشن نے کیسے پن آپ کیا تھا کہ چین نکل کر نہیں دے رہی تھی وہ خود کو سخت بے بس محسوس کرتی دروازے کی طرف بڑھی ارادہ تھا شرمین

بھابی سے نکلوانے کی مگر کسی نے بے دردی سے ہاتھ پکڑ کر کھینچا وہ اس کے آہنی سینے سے آنکرائی ہڑبڑا کر دور ہوئی۔

”یہ شادی والا گھر ہے کس کا تماشہ بنانے باہر جا رہی ہو؟“ اس کی کلائی ابھی بھی اس کی بے رحم گرفت میں تھی۔

”ووہ..... دوپٹے کی نہیں نہیں نکل رہی بھابی سے نکلوانے جا رہی ہوں۔“ وہ اس کی گرفت سے بمشکل کلائی آزاد کرانی آنسوؤں بھری آواز میں بولی۔ وہ اس کی بیوقوفانہ بات پر اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔

”ادھر آؤ میں نکالوں۔“ وہ جھنجھلاہٹ بھرے انداز میں بولا مگر وہ ایک دم بچھے بٹ گئی۔

”نن..... نہیں مہ..... میں نکلوا لوں گی۔“ مگر اس نے ان سنی کر کے اسے کھینچ کر قریب کر لیا۔ باہر بھیج کر اپنا تماشہ لکوانا تھا کیا جو بات تھی بس ان کے درمیان تھی۔۔۔

دلہنا اپنے کی خوشبو بھندی کی مہک اور دو آشت حسن! وہ اپنے آپ کو امتحان میں ڈال بیٹھا نہیں نکلنے پر دوپٹے نیچے جا پڑا ہوش رہا سراپا لگا ہوں کے سامنے اور دسترس میں تھا مگر وہ دامن بچا کر ہڑپڑا گیا۔

”آئندہ ایسے ہیوڈ ڈریس پہننے اور نہیں لگانے کی ضرورت نہیں۔“ وہ ٹائٹ سوٹ لے کر ڈریسنگ روم میں جانے لگی تو اس کی جھنجھلائی ہوئی آواز کانوں سے نکل کر ان کے تیزی سے اندر گھس کر دروازہ بند کر دیا۔

بہت دیر سے ضبط کیے ہوئے آنسوؤں کو بہنے کی اجازت مل گئی۔ وہ سسک سسک کر رو دی۔ کیا پتہ تھا قسمت پے در پے اس قدر امتحان لے گی۔

اندر یہ اپنے نصیب پر تم کیے گئی اور باہر اذلان کسی کی محبت میں خیانت کے جرم سے سونہ کا اور بیج کے پھول حیران نظر رہی رہے۔

پوری رات روتے ہوئے گزری مگر نیند تو سولی پر بھی آ جاتی ہے آخری پہرہ بھی سو گئی۔ زوردار دھڑ دھڑانے کی آواز پر آنکھ کھلی گھومتے ہوئے سر میں بڑی مشکل سے اٹھی اور ڈریسنگ روم کا دروازہ کھولا۔ سامنے ہی سنگدل سیاں کھڑے تھے۔

”فاسلے جب تک نہیں منٹے جب تک انہیں منانے کی چاہ نہ ہو تم میری دسترس سے باہر نہیں۔“ سیاں طلب سے دور ہوا اس لئے نکل سے یہ الگ جگہ پر سونے کے ٹائیک مت کرنا۔ وہ عین اس کے سامنے کھڑے ہو کر سر و لہجہ میں بولا۔ ماہ نور محض ڈبڈبائی جھیلوں سے ایک نظر دیکھ کر باہر صوف پر آ کر بیٹھ گئی اور وہ شاور لینے چلا گیا۔ اس کے لفظوں کی کاٹ سے پھرانی وہ کسی مورتی کی طرح ساکت بیٹھی تھی اس دوران 3 بار کوئی دروازہ بجا کر جاچکا تھا۔

”مجھے ان حالات کا مقابلہ کرنا ہو گا“ یہی گھر میری آخری پناہ گاہ ہے۔“ وہ ایک فیصلہ کر کے کھڑی ہو گئی۔

اذلان باہر آ گیا تو وہ شاور لینے چلی گئی۔ کثرت سے رونے کی وجہ سے سر پھٹ رہا تھا کافی دیر تک وہ شاور لیتی رہی مگر باہر تو جانا ہی تھا۔ گیلے بال ٹاول میں لپیٹ کر وہ باہر آئی تو اذلان غائب تھا۔ کمرے کا دروازہ تو ہنوز بند تھا..... سیاں ڈریسنگ کا بند تھا وہ یقیناً وہاں تھا اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر ٹاول سے بال جھٹکے ہلکا پھلکا میک اپ کرنے لگی اپ اسٹک لگا کر آئینہ دیکھا صرف نیچرل میک اپ سے ہی وہ جھگڑا اٹھی تھی۔

”مگر اس روپ کا کیا فائدہ؟“ اس کی آنکھیں جھٹکتے لگیں تبھی اس کے پیچھے دوسرا ٹکس ابھرا۔ وہ اس کے آنسو دیکھ چکا تھا۔ وہ پٹ کر صوفے کی طرف جانے لگی مگر وہ راستہ میں آ گیا ماہ نور نے حیرانگی سے اسے دیکھا مگر وہی پتھر پٹے تاثرات۔

”ایک بات کان کھول کر سن لو! ہمارے آپس کے تعلقات کیسے بھی ہوں گھر کے کسی فرد کو اس کی ہوا بھی نہیں لگنی چاہیے بطور خاص امی کو تمہیں ایک مقررہ وقت پر یہاں سے جانا ہی ہے ورنہ مجبوراً پھر مجھے فوراً ہی تمہیں طلاق دینا پڑے گی۔“

”طلاق!“ اس کے پتھر اے لبوں نے نامحسوس حرکت کی۔

”ہاں طلاق! اس لئے بہتر یہ ہے کہ جب تک میں نہ چاہوں“ سب اچھا ہے“ کا تاثر تم نے سب کو دینا ہے ورنہ..... آگے تم خود سمجھدار ہو۔“ وہ بے نیازی سے ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑا ہو کر بال بنانے لگا۔ وہ بے جان سی صوف پر ڈھلے گئی۔

”کیا کبھی کسی دلہن نے شادی کی صبح طلاق کی دھمکی سنی ہوگی؟“ اس کے حواس بکھرنے لگے۔

پھر دروازہ بجایا گیا اذلان گیٹ کھولنے لگا مگر کچھ یاد آنے پر پلٹنا سائیڈ ٹیبل سے ایک باکس نکالا اس میں سے رنگ نکال کر اس کی طرف آیا۔ ابھی وہ کبھی بھی نہ تھی کہ اس کا بایاں ہاتھ پکڑ کر تیسری انگلی میں رنگ پہنا دی۔

”میں دروازہ کھول رہا ہوں اپنے منہ کے زاویے درست کر لو یہ تمہاری رونمائی کا گفٹ ہے۔“ سرد مہری سے کہتا دروازہ کھول دیا۔

”آف تو پہ..... صبح سے پانچ بار دروازہ دھڑ دھڑا کر جا چکی ہوں تم نے تو حد کر دی اذلان! مانا دلہن پر یوں سے پیاری ہے مگر.....“ شرمین شرارت سے ہنسی اذلان ایک ٹھنڈی سانس بھر کر سائیڈ میں ہو گیا۔

”کیسی ہو ماہ نور! ماشاء اللہ کل سے زیادہ پیاری لگ رہی ہو بہت روپ آیا ہے تم پر تو.....“ وہ خلوص سے تعریف کر کے اس سے گلے ملی۔ اس کا دل کٹ کر رہ گیا (کیسا روپ؟ کیسی دلہن؟)

”منہ دکھائی کیا ملی.....؟“ شرمین شرارت سے

پوچھنے لگی۔ اذلان نظر انداز کر کے میزین لے کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ سر جھکا گئی شرمین اس کی شرمناک سی۔

”یا تمہیں دیکھ کر وہ ہوش ہی کھو بیٹھا کہ منہ دکھائی کی نوبت ہی نہیں آئی؟“ وہ شوخی سے بولی۔ اس کا سارا خون سمٹ کر چہرے پر آ گیا۔ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی وہ بری طرح جھینپ گئی۔

”واؤ! ہاؤ! پریشی..... لک اذلان“۔ وہ بے ساختہ بولی تو اذلان کی بھی بے ساختہ نظر پڑی۔ گھال چہرہ لیے نظریں جھکائے وہ رعنائی کا پیکر مگر یہاں تو نگاہوں میں تصویر ہی دوسری تھی۔

”بھابی! یہ.....“ اس سے پہلے کہ شرمین کی تفتیش اور سنگین ہوتی اس نے ہاتھ آگے کر دیا ڈائننڈ کی خوبصورت انگوٹھی جگمگا رہی تھی شرمین نے دل کھول کر تعریف کی۔

”آج ناشتہ ملے گا؟“ شرمین کو مستقل اس کی تعریف میں رطب اللسان دیکھ کر وہ تپ گیا۔

”بالکل ملے گا..... اماں تم لوگوں کا انتظار کر رہی ہیں چلو“۔ وہ مسکراتی ہوئی کھڑی ہوئی اور ماہ نور کو کھڑا کیا اذلان ان دونوں سے پہلے ہی لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا۔

وہ دھیرے سے سلام کر کے اماں سے پیار لے کر اذلان کی برابر والی کرسی پر بیٹھی۔ اس کا کچھ کھانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا مگر اماں اور شرمین مستقل کچھ نہ کچھ کھلاتی رہیں شرمین اپنی بیٹی میں بھی مصروف رہی۔

”بیٹا! تھوڑا آرام کر لو پھر پارلر بھی جانا ہے شام کو ولیمہ ہے ناں“۔ جب اس نے مزید کچھ نہ کھایا تو اماں بولیں۔ وہ جی کہہ کر کمرے میں چلی آئی۔

اذلان کے آنے کا کوئی امکان نہ تھا اس لئے وہ بینڈ پر ہی لیٹ گئی ساری رات کی بے آرا می کے باعث تھوڑی ہی دیر میں وہ محو خواب ہو گئی۔

انسان ایک کڑا سفر طے کر کے آئے اور یہ پتہ لگے کہ جسے وہ منزل سمجھ بیٹھا تھا وہ محض پڑاؤ ہی تھا۔ یہی کچھ ”ماہ نور علی“ کے ساتھ بھی ہوا۔ ایک پیارا سا چھوٹا سا گھر جس میں ماہ نور اپنے بابا اور اماں کے ساتھ رہتی تھی بہت پرسکون زندگی تھی غم اور دکھ کیا ہوتے ہیں؟ کچھ خبر ہی نہ تھی پھر آسمان تو تب گرا جب دو سال پہلے انٹر کا آخری پیپر دے کر آئی تو گھر میں نت نئے چہرے بھرے ہوئے اور پند و حشت سماں آگے آنے پر پتہ لگا کہ اس کے بابا جان اسے چھوڑ کر خالق حقیقی سے جا ملے ہیں۔ اماں اس کیلئے ڈھال بن گئیں مگر اپنے آپ اندر کھلتی رہیں اس نے گریجویشن کر لیا اور اماں کمزور ہوتی گئیں۔ پھر فالج کا ایک ہوا تو بستر پر پڑ گئیں۔ اماں کو اس کی بہت فکر تھی کیونکہ دھبیال سارا انڈیا میں تھا تنہیال کی طرف سے ایک خالہ اور ماموں ہی تھے وہ بھی کراچی میں اماں نے خط بھجوایا خالہ کو۔ خالہ 3 دن بعد ہی فیصل آباد آ گئیں۔ بہن کی حالت بھانجی کی مسکینی دیکھ کر دل تڑپ گیا۔ اماں اور خالہ میں جانے کیا بات ہوئی اگلے ہی دن خالہ کا بیٹا آ گیا اور خالہ نے اس کا نکاح کر دیا وہ بہت روکی مگر اماں کی حالت اور واسطوں سے مجبور ہونا پڑا اماں بھی اس کی ذمہ داری سے بری ہو کر اس رات ایسا سوئیں پھر نہ اٹھیں۔

اس کی حالت ناگفتہ تھی کچھ ہوش نہ تھا 3 دن بعد خالہ اسے اپنے ساتھ کراچی لے آئیں۔ شرمین بھابی خالہ کی بڑی بہو بہت اچھے مزاج کی تھیں اس سے چند سال ہی بڑی ہوں گی بڑی بہنوں کی طرح اس کا خیال رکھنے لگیں تھوڑا وہ ٹارٹل ہوئی کہ خالہ نے گھریلو تقریب میں رخصتی کردی اور آج ولیمہ کی تقریب بھگتا کر اپنے حال پر دل گرفتہ وہ بینڈ کراؤن سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے ہوئی تھی۔

اذلان دوستوں سے فراغت حاصل کر کے بڑی مشکل سے کمرے میں پہنچا دروازہ کھولتے ہی نظریں اس ایسرا پر ٹپ گئیں۔ مرنجنڈارنگ کا لہنگا اس پر بہت اٹھ رہا تھا ”مچنگ جیولری میک اپ سے سجا چہرہ آنکھیں موندے وہ حسین تر لگ رہی تھی۔“

”یہ میری کوئی نہیں ہے!“ اذلان یکخت حواسوں میں لوٹا زور سے دروازہ بند کیا وہ چونک کر سیدھی ہو گئی۔

”یہ سوانگ آج کیوں رچایا ہے جبکہ تمہاری حیثیت میں کل ہی واضح کر چکا ہوں“۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کے سر پر پہنچ گیا۔

”مجھے قطعاً آپ کی نظر عنایت کا انتظار نہ تھا..... ہاں مگر جب تک آپ نہ آتے کوئی بھی آ سکتا تھا“۔ وہ قطعاً ڈرے جھجکے بغیر دونوک بولی اور بینڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی اس کے اٹھتے ہی زیورات نے ساز بجایا۔

اذلان کے ذریعہ روم میں جانے سے پہلے ہی وہ کپڑے لے کر چلی گئی۔ وہ قدم روک کر رہ گیا چند لمحوں بعد ہی وہ باہر تھی۔ بے بی پنک کاٹن کا سلپنگ سوٹ اس کی گلابی رنگت میں مدغم ہو رہا تھا زیورات غائب تھے وہ بھنا گیا اس کا کانفیڈنس دیکھ کر۔ تیزی سے چھینچ کر نے چلا گیا۔ وہ آرام سے بینڈ پر لیٹ کر سر تک کمبل اوڑھ گئی۔ وہ باہر آیا تو اسے بینڈ پر لیٹا دیکھ کر حیران ہوا منہ بناتا ہوا دوسری طرف لیٹ گیا۔ ایک ہی بستر کے کنارے وہ انفوس بالکل اجنبی بنے لیٹے تھے حالانکہ سب سے گہرا تعلق ان کا ہی تھا۔ رات کو کسی بالچل سے اذلان کی آنکھ کھلی پہلے تو سمجھ ہی نہ آیا ہوا کیا ہے؟ مگر اپنے سے بالکل نزدیک ایک نازک وجود پایا جس کے اوپر اس نے ہاتھ رکھا ہوا تھا وہ ہراساں سر اپا اس کی دسترس میں تھا اور اس کے حصار سے نکلنے کی جدوجہد میں تھا وہ ایک ٹک اسے دیکھے گیا۔

ایک ہی کمبل تھا جو ماہ نور اوڑھ کر سو گئی تھی اذلان

تب تو یونہی لیٹ گیا عمر رات کو کسی پہر سردی کے مار۔ یہی کمبل خیند میں اوڑھ لیا تھا اور خیند میں ہی ماہ نور کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا جس سے ماہ نور کی آنکھ کھل گئی تھی اپنے بالکل ساتھ اذلان کو پا کر اس کی حالت غیر ہونے لگی اس نے بہت کوشش کی اس کی گرفت سے نکلنے کی مگر نکل نہ پائی اسی بالچل میں اذلان کی آنکھ کھل گئی۔ اب وہ ایک ٹک ماہ نور کو دیکھے جا رہا تھا اس پر وہ اور ہراساں ہو گئی۔

”چھوڑیے مجھے“۔ وہ دے دے لہجے میں چیخی۔

”اگر یہ میری زندگی میں نہ آتی تو اس وقت یہ رات ایسی نہ ہوتی حبابا میرے ساتھ ہوتی میرے پاس سارا قصور اس آفت کی پرکالہ کا ہے“۔ وہ وحشتوں میں گھر گیا۔

”ارے کیسے مرد ہیں آپ؟ کوئی ایک زبان نہیں ہے آپ کی کل تو فرما رہے تھے کہ آپ کسی سے محبت کرتے ہیں یہ کیسی محبت ہے کہ ایک عورت کو پاس پا کر اپنی محبت کو بھول رہے ہیں مجھے ایسے دھوکہ باز مردوں سے نفرت ہے۔ کسی ایک سے بھی وفادار نہیں ہوتے ایسے مرد تو نامرد ہیں جنہیں نفس پر ہی قابو نہ ہو“۔ وہ اس کی سخت ہوتی گرفت سے گھبرا کر شدید غصے میں آ گئی اور بے تکان بولنے لگی۔

”اوہ پوشٹ اپ“۔ وہ غصے سے دھاڑا اس کے الفاظ تازیانہ بن کر لگے تھے۔

”کبھی کسی مرد سے واسطہ پڑا ہے جو مرد نامرد کے طعنے دے رہی ہو؟“ وہ غرا کر بولا پھر وحشت زدہ انداز میں اس کے بال کھینچنے وہ درد کے مارے چیخ پڑی۔

”چپ بالکل خاموش“۔ ایک آواز نہ نکلے تمہاری“۔ اس کے انداز میں دیوانگی ڈرائی تھی۔

”یہ طعنہ تو تمہیں سہنا پڑے گا ماہ نور بیگم اور نہ ارادہ تو تمہیں اُن چہرے رکھنے کا ہی تھا“۔ اس کی کمر میں بازو جمائل کر کے اسے اپنے بالکل قریب کر لیا۔

”پپ..... پلیز!“ وہ کپکپاتے ہونٹوں سے مشکل بول پائی بہت زور لگایا اس کی گرفت سے نکلنے کیلئے۔
”کوئی پلیز نہیں اب بھگتو۔“ وہ اپنے حواس کھو چکا تھا۔ وہ بہت ترپا مگر اس کی سسکیاں اس کے آنسو اسے سکون دے رہے تھے بالآخر اس کی مزاحمت دم توڑ گئی۔

☆
اذلان کی آنکھ صبح موبائل کی بیل سے کھلی۔ موبائل اٹھایا ”جبا کالنگ“ اسکرین پر چمک رہا تھا اس نے نظریں دوڑائیں ماہ نور کمرے میں نہ تھی۔
”ہیلو! گڈ مارننگ۔“ اس کی کھلتی آواز اس کی ساری جھکن اتار گئی۔
”نو یوڈیر! ہاؤ آریو“ وہ گنبدیہ لہجے میں بولا۔
”وفا ثابت کرنے کیلئے کیا کرنا پڑے گا؟“ وہ مسکرا دیا۔

”بنفس نفیس آنا پڑے گا یہ بتاؤ دو دن سے موبائل کیوں آف تھا؟ کتنا پریشان ہو گئی تھی میں۔“ وہ اس کے شکوے پر لب بھینچ گیا۔
”تم کچھ گنہگار آج ہی پہنچ جائیں گے..... اوکے بائے زندگی۔“ وہ موبائل بیڈ پر اچھال کر فریش ہونے چل دیا۔ وہ باہر آیا تو ناشتے کی بیل پر بھابی ماہ نور بیٹھی تھیں بھابی اسے زبردستی ناشتہ کروا رہی تھیں اور وہ نخرے کر رہی تھی۔ وہ کرسی گھسیٹ کر اس کے مقابل بیٹھ گیا۔
دزدیدہ نگاہوں سے اسے دیکھا اس کے ہاتھ کاپنے لگے تھے۔

”بھابی! ناشتہ۔“ اس کی حالت دیکھ کر جیسے سکون ساما تھا۔

وہ گئی تو اب یہ دونوں اکیلے رہ گئے ماہ نور کے حلق سے نوالے اترنا مشکل ہو گئے تھے۔ وہ آرام سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ سر سے دوپٹے اس طرح اوڑھے ہوئے تھی کہ گردن بالکل چھپ گئی تھی گرین کمرے کے کام والے سوٹ میں وہ ڈری سبھی بہت اچھی لگ رہی

تھی۔ اس کے اس طرح دیکھنے سے وہ پریشان ہو گئی وہ دو گھونٹ میں چائے ختم کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ابھی دو قدم ہی چلی ہوئی کہ کلائی اس کی گرفت میں آ گئی وہ پوری جان سے کانپ کر رہ گئی۔
”کہاں جا رہی ہو؟“ وہ اس کے مقابل کھڑا ہو گیا۔

”کک..... کمرے میں۔“ وہ اتنی دھیمی آواز میں بولی کہ اذلان بمشکل سن سکا۔
”میری وارڈروب میں ایک بیگ رکھا ہے اس میں میرے 3 سوٹ رکھ دو جو پیک وہی رکھے ہیں اور کوئی دوشلوار میض۔“ وہ اس کی کلائی چھوڑ کر بولا۔ وہ استغنامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگی۔
”میں اسلام آباد جا رہا ہوں ڈیوٹی جوائن کرنے“ شادی کا کھیل دو دن کافی تھا بس۔“ وہ استغنامیہ انداز میں مسکرا کر بولا اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں مگر خود کو سنبھالا۔

”جاؤ جلدی کرو۔“ وہ جتنی انداز میں بول کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ مرے مرے قدموں سے کمرے میں آ گئی۔
”تو میں یہ بازی کھیلنے سے پہلے ہی ہار گئی سب کچھ لٹا کر بھی کچھ فائدہ نہیں۔“ دل بھر بھرا رہا تھا۔ وہ بیڈ پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

اذلان ناشتہ کر کے امی سے اجازت لے کر کمرے میں بیگ لینے آیا تو وہ ہنوز بیڈ پر گری رونے میں مصروف تھی۔

”کس نے ظلم کے پہاڑ توڑ ڈالے ہیں آپ پر۔“ وہ اس کے برابر بیٹھ کر اسے سیدھا کر کے بولا۔

”ہاتھ مت لگائیں مجھے۔“ وہ اچھل کر دوڑ پئی۔ اسی میں دوپٹے بیڈ پر گر پڑا اس کی مرمریں گردن پر لال لال نشان اس کی گزشتہ شب کی وحشتوں کو واضح کر رہے تھے۔

”ایکسکیوز می! مجھے آپ کو ہاتھ لگانے کا کوئی شوق نہیں کل جو بھی ہوا سب تمہاری بکواس کا رد عمل

تھا۔ دوسرا یہ کہ میری مرضی ہاتھ لگاؤں یا نہیں تم مجھے نہیں روک سکتیں۔“ وہ چیلنجنگ انداز میں بول کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ چکا تھا وہ اس کے سینے سے آ گئی۔

”جب مجھے بسانا ہی نہیں تو یہ سب کیوں کیا؟“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

”کہا تو ہے تمہاری باتوں کی وجہ سے دماغ گھوم گیا، کل کی رات تمہیں ہمیشہ یاد دلائے گی کہ کسی مرد کو نامردی کا طعنہ دینے سے کیا حشر ہوتا ہے۔“ اس پر اس کے بچے آنسوؤں کا کوئی اثر نہ ہوا۔

وہ دوپٹے سے بے نیاز اس کی دسترس میں تھی کل کی رات ان کے درمیان حجابات منا چکی تھی تو نظر کیسے نہ بہکتی وہ اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اس پر جھک گیا۔
رشتہ کو تسلیم نہ کرنے پر استحقاق قابل دید تھا۔ وہ پھل کر رہ گئی مگر مقابل پر کوئی اثر نہ ہوا۔

”چلتا ہوں۔“ وہ تیز تیز قدموں سے چلتا باہر اور پھر گھر سے چلا گیا وہ بے سدھ پڑی روٹی رہی۔
نکاح کے دو بول اس کے دل کو اس کے ساتھ باندھ گئے تھے اب ناچاہتے ہوئے بھی وہ اس کے زگ وپے میں اتر گیا تھا۔

☆
وہ اسلام آباد پہنچ کر سیدھا حبابا کے گھر پہنچا۔ اندر سامنا اس کی مٹی سے ہوا جو کہیں جانے کیلئے پوری طرح تیار تھیں۔

”ارے اذلان ڈیر! تم حبابا کے روم میں چلے جاؤ وہ ابھی تک سو رہی ہے۔“ وہ اسے بائے بائے کر کے چلی گئیں۔

اذلان پہلے بھی بہت بار اس کے روم میں جا چکا تھا۔ دھیرے سے دروازہ کھولا کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا کھڑکیوں پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے اس نے لائٹ آن کی سر سے پیر تک وہ کبل میں پیک سو رہی تھی۔ وہ حبابا کو اپنے سینے کی ٹائٹنگ بھی بتا چکا تھا

پھر بھی وہ سو رہی تھی اسے غصہ آیا ایک جھٹکے سے کبل ہٹا دیا سلیولیس بلیک ٹائی میں گورے سڈول بازو الگ ہی بہار دکھا رہے تھے ڈیپ گلی کی نیٹ کی ٹائی اگرچہ اس کی خوبصورتی کو اجاگر کر رہی تھی مگر کافی بے باک تاثر پیدا کر رہی تھی۔ اذلان کی نگاہوں میں ماہ نور کا ڈھکا چھپا سراپا گھوم گیا سر جھٹک کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

”جبا..... جبا! اٹھو بھئی۔“ وہ دھیرے دھیرے اس کا کاندھا ہلا کر اٹھانے لگا۔
”اذلان!“ بڑی مشکل سے اس نے آنکھیں کھولیں مگر اسے دیکھتے ہی چیخ مار کر اس کے گلے میں جھول گئی۔

”کہاں رہ گئے تھے تم! کراچی جا کر تو مجھے بالکل ہی بھول جاتے ہو۔“ وہ ابھی بھی اس کے گلے میں بازو جمائل کے شکوے کر رہی تھی۔

”تمہیں کون بھول سکتا ہے؟“ وہ دھیرے سے اسے اپنے سے الگ کر کے مسکرا کر بولا۔

”فریش ہو کر نیچے آ جاؤ میں ویٹ کر رہا ہوں۔“ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا نیچے چلا گیا۔
نیچے خانساہاں نے فوراً ہی اسے چائے پیش کر دی وہ ساتھ ساتھ ٹی وی دیکھنے لگا۔

”بابا میرا بیک فاسٹ بھی لاونچ میں لا دیں۔“ وہ ٹی وی دیکھ رہا تھا کہ حبابا کی آواز پر اس کی طرف متوجہ ہوا۔

ریڈ گھٹنوں سے نیچے تک کیپری اور اسکن ٹائٹ بلیک سلیولیس شرٹ پہنی ہوئی تھی۔
”تمہارے پاس کوئی کپڑے نہیں ہیں؟“ وہ بے اختیار بول گیا۔

”واٹ؟“ وہ ایکدم ہکا بکا رہ گئی۔
”تم کراچی گئے تھے یا چچوں کی ملیاں..... تم اتنے بیک درڈ کب سے ہو گئے اذلان؟“ وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

”میں بیک ورڈ نہیں ہو گیا۔ مگر تم بہت زیادہ فارورڈ ہو گئی ہو خیر چھوڑو۔ وہ بات بدل گیا بہت مشکلوں سے جہاں کا موڈ ٹھیک ہوا۔ مگر اس کی نگاہوں میں ایک اور ذرا سہاسر ایا بار بار آتا رہا جو اس کی بیوی ہونے کے باوجود اپنے آپ کو اس سے چھپاتی تھی اور یہ جو کچھ نہ تھی اسے کچھ جھجک ہی نہیں تھی۔“

ڈیوٹی جو اُن کرنے کے بعد بہت کم وقت ملتا اس میں جہاں خود ہی آ جاتی اور تھوڑی بہت آؤٹنگ کر لیتا تھا مگر پتہ نہیں کیوں یہ جہاں کیلئے وہ جذبات اب محسوس نہیں کر رہا تھا کئی دفعہ جہاں کو ناراض کر چکا تھا مگر پھر فوراً منا لیتا تھا۔

اسے پندرہ دن کیلئے لاہور بھیجا جا رہا تھا وہ جہاں کو بتا کر چلا گیا۔

اتفاقاً کام 10 دن میں ہی ختم ہو گیا تو وہ لوٹ آیا مگر 5 دن کی چھٹیاں باقی تھیں تو اس نے سوچا کہ جہاں کے ساتھ کہیں آؤٹنگ کا پروگرام رکھ لے وہ جہاں کے گھر پہنچا۔ حسب عادت گھر نوکروں ہی کے حوالے تھا۔

”جہاں بی اپنے فرینڈز کے ساتھ روم میں ہیں۔“ نوکر نے ہی اطلاع دی۔ اس نے تھوڑا سا گیٹ کھولا کان پھاڑنے والا تیز میوزک لگا ہوا تھا اندر کے منظر پر نظر پڑتے ہی اس کا خون کھول اٹھا۔

جہاں نے انتہائی مختصر بازوؤں اور شارٹ اسکرٹ پہنی ہوئی تھی دو لڑکے ایک لڑکی انتہائی قابل اعتراض ڈانس کر رہے تھے۔ اذلان کی نظر ٹیبل پر پڑی تو 4 گلاس اور ایک واٹن کی بوتل رکھی تھی وہ اٹنے قدموں واپس پلٹ گیا۔ بڑی ریش ڈرائیونگ کر کے گھر پہنچا اور بینڈ پر ڈسے سا گیا۔

”کیا یہ تھی تمہاری پسند جس کیلئے تم میں اور کسی مرد میں کوئی فرق نہیں جسے صرف پارٹنر چاہیے اس لڑکی کیلئے اپنی بیوی کو ٹھکرا کر آئے تھے۔“ اس کا تمیز اسے لعنت

ملاست کرنے لگا۔

”مگر وقت تو ابھی گزرا نہیں۔ میں چاہوں تو ابھی بھی وقت کی باگیں اپنے ہاتھ میں سمیٹ سکتا ہوں۔“ وہ واپسی کا منہم ارادہ کر کے اپنے ٹرانسفر کیلئے درخواست لکھنے لگا۔

☆.....☆.....☆

اس کے نفل بجانے پر دروازہ شرمین نے کھولا۔ ”اوہ..... یاد آگئی گھر کی۔“ شرمین نے چھوٹے ہی پہلا حملہ کیا وہ سر کھجا کر رہ گیا۔ ”یا کوئی خبر کھینچ لائی ہے۔“ اب کے وہ شرارت سے مسکرائی۔

”خبر؟ کیسی خبر.....؟“ وہ حیرانگی سے بولا۔ ”کیوں ماہ نور نے تمہیں فون کر کے نہیں بتایا ہم سے کہا تھا تمہیں فون کر دیا ہے۔“ وہ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہو گیا کون سی خبر؟ کیسا فون؟

”ارے اذلان بیٹا! ماں کی کام سے باہر آئیں تو ایکدم اس پر نظر پڑ گئی۔“

”کہاں رہ گئے تھے جینا! شادی کے اگلے دن جو بھاگے اب ڈیڑھ ماہ بعد گھر لوٹ رہے ہو دلہن کو کس کے آسرے پر چھوڑ گئے تھے؟“ ماں نے فوراً شکوؤں کی برسات کر دی۔

”ارے ماں! آپ کیلئے آپ کی بہو کیلئے اب مستقل آ گیا ہوں..... میرا ٹرانسفر ہو گیا ہے کراچی۔“ وہ مسکرا کر بولا۔ ساتھ ہی نظریں کسی کی تلاش میں دوڑیں۔

”اوہو! ماں کا تو نام ہے ورنہ لوٹے تو کسی کیلئے ہوتا۔ شرمین بھابی چھیڑنے سے باز نہ آئیں۔“

”کیسے خوشی کے موقع پر لوٹا ہے اذلان! بڑی بہودعوت کا انتظام کر دو وہ خوشیاں ہمیں ایک ساتھ مل گئیں۔“ وہ پیار سے اذلان کا ماتھا چوم کر بولیں۔

”وہ خوشیاں.....؟“ وہ پھر ٹھنکا۔

”ارے تجھے نہیں پتہ؟ تو باپ بننے والا ہے۔“ وہ ویسے ہی مسکرا کر بولیں۔

”ہیں.....“ وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا پھر شرمین بھابی کو مسکراتا دیکھ کر جھینپ گیا۔

”اماں! میں ذرا نہالوں سڑکی بہت ٹھکن ہو رہی ہے۔“ وہ تیزی سے کمرے میں آیا۔

وہ کمرے میں کہیں نظر نہ آئی اچانک ہاتھ روم کا دروازہ کھول کر وہ باہر نکلی۔

”آپ؟“ وہ شاور لے کر نکلی تھی نیوی بلیو کاٹن کا سوٹ گیلٹا ہو کر بالکل جسم سے چپکا ہوا تھا۔

اس کی نظروں کی گرماہٹ سے وہ ایکدم ہوش میں آئی اپنے دوپٹے کے غائب ہونے کا احساس ہوا

دوپٹے کی تلاش میں نظریں دوڑائیں وہ اذلان کے پیچھے استری اسٹینڈ پر رکھا تھا۔ وہ تیزی سے ادھر

بڑھی مگر راستے میں ہی اذلان نے کلائی پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ ٹھنڈا ملائم گلابوں کی طرح وجود اس کے سینے سے آگیا اسے سکون سا ملا شدت سے اپنے

اندز سمجھنے لیا وہ بری طرح چل اٹھی تیزی سے اس کی گرفت سے نکلی۔

”بس! اب ایک بار بھی آپ مجھے نہیں چھوئیں گے“ آپ نے مجھے کیا کھلونا سمجھ رکھا ہے؟“ وہ ایکدم زور سے چیخیں آنکھوں میں یکدم ہی آنسو بھر آئے۔

وہ دھیرے دھیرے اس کی طرف بڑھنے لگا وہ قدم بقدیم پیچھے ہٹتی گئی مگر دیوار کے آجانے کی وجہ سے

پیچھے ہٹنا ممکن نہ رہا وہ اس کے دونوں طرف دیوار پر ہاتھ ٹکا کر اسے محصور کر گیا۔

دھیرے سے اس کی پیشانی پر لب رکھ دیئے۔ وہ کوئی جائے فرار نہ پا کر اس کے سینے میں منہ چھپا کر

سک پڑی۔

”آئی ایم سوری! آئی ریلی سوری! میں اپنے پچھلے ہر رویے پر بے سلوکی پر تادم ہوں مجھے احساس ہو گیا ہے کہ والدین کی پسند ہماری پسند سے ہر لحاظ

سے اچھی ہوتی ہے میں تمہیں سنا رہی ہوں کہ چکا تھا ہاں مگر بیوی ہونے کا پورا مانا اب تم مجھے کبھی بھی میرے وعدے سے لٹا۔ پاؤ کی معاف کر دو ایک بار پلیز.....“ وہ اس سے تھوڑا سا دور ہو کر اس کے آگے ہاتھ باندھ گیا۔ وہ تڑپ کر آگے آئی اور اس کے ہاتھ الگ کر کے ان پر سر ٹکا کر رو دی۔

”کیوں مجھے گناہگار کرتے ہیں آپ لوٹ آئے اس سے بڑھ کر میرے لیے کیا ہو سکتا ہے؟“ اس نے بازو پھیلانے وہ بھاگ کر اس کے سینے میں سما گئی۔

”شرمین بھابی کسی خبر کا ذکر کر رہی تھیں!“ وہ دھیرے دھیرے اس کی زماہٹ اپنے اندر جذب کر رہا تھا۔

”کک..... کون سی خبر؟“ اس کا چہرہ ایکدم گلال ہوا تھا نظریں سجدہ ریز ہو گئیں وہ ہنس پڑا۔

”سنا ہے اماں کو دادی بولنے والا کوئی آ رہا ہے یا آ رہی ہے۔“ وہ دھیرے سے اس کی آنکھیں چوم کر بولا۔

”پلیز!“ وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا گئی۔ وہ اس کی حیا پر سرشار سا ہو گیا یہی شرم و حیا تو اس کی چاہ تھی۔

کچھ تو کہو..... کیا ہے محبت؟ کچھ تو کہو..... تمہیں بھی ہے کیا چاہت؟ میں تیری نظروں کی گہرائی میں ڈوب جاؤں تجھے اتنا چاہوں کہ بس تو ہی تو ہو جاؤں.....! وہ دھیرے دھیرے اپنے پیار کا امرت اس کے کانوں میں پٹکا رہا تھا وہ اس کے دست و نظر کی شرارتوں سے کہیں فرار نہ پا کر اسی کے سینے میں منہ چھپا گئی۔

☆.....☆.....☆

سافح سرنگ اور سلکوز

اچیرے سے وہ از قہور اکھول کر انہوں نے دیکھا ہوا خروہ اب فی وی آف کرتی اور کچ سے ہار رہی تھی۔ اس وقت وہ کمرے سے باہر آئے تھے جب سارہ نے اپنے کمرے میں جا کر دروازہ بند کر لیا تھا تھیں قہموں کے ساتھ وہ

سامنے کمرے کی جانب بڑھ کے تھے۔ دو تین پار انہوں نے بند دروازے پر دستک دی تھی اور پھر ہی جی اب ہا انتھار کے بغیر کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ اس آں کر کے انہوں نے ایک نظر بند پر موئے ہوئے شانورس اور کارپٹ پر اوندھے لیٹے شان کو دیکھا تھا۔ ان کی سخت آواز پر وہ دونوں ہی ہڑبڑاتے اٹھ بیٹھے تھے۔

”اس سے پہلے کہ میں کوئی سوال کروں وہ ساری چیزیں میرے سامنے اور رخصت ہو میرا اس پہلانا فانی سے سامنے بھٹکا دینے کے لیے کافی ہیں۔“ ان کی تپکی بولی سخت آواز پر شان نے پورنگاہوں سے شانورس کو دیکھا تھا وہ خاموشی کے ساتھ ڈرائنگ کی سمت گیا تھا اور جب وہیں آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا پاؤچ تھا جو اس نے نظر لانے بغیر شمس کی طرف بڑھا دیا تھا۔ ایک ایک چیز نکال کر بند پر ڈالتے ہوئے وہ نرکی نظروں سے ان دونوں کو بھی دیکھ رہے تھے جو فق چہرے کے ساتھ سر جھٹکے کھڑے تھے۔

”کیا یہ سب...“ نے کیا یہ سب...“ خالی پاؤچ بند پر چھینکتے ہوئے وہ پھر کر بولے تھے۔

”میں سیدتان کر جن کا دفاع کر رہا تھا۔ یہ ہے ان کی اوقات۔“ وہ شعلہ ہار نظروں سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے تھے۔



”اب کیا منہ لے کر جاؤں میں باہر..... بتاؤ مجھے جا کر اقرار کر لوں کہ یہ میں میرے بھائی..... اور کیا جواب دوں گا سدرہ کو..... جسے میں نے باور کروادیا تھا کہ اس کی بہن غلط ہے۔“ وہ شدید غصے میں بولے تھے۔

”کس نے کی ہے یہ گھٹیا اور گری ہوئی حرکت؟“
”میں صرف شیمپو لینے گیا تھا.....“

”اور باقی چیزیں خود تمہارے پیچھے چل کر آ گئیں۔“ وہ بھڑک کر شاہ رخ کی بات کاٹ گئے تھے۔

”شرم نہیں آئی تمہیں اس کے کمرے میں جا کر چیزیں اٹھاتے ہوئے..... کیا تم جانتے نہیں ہو کہ کس قسم کی زبان رکھتی ہے وہ بھرے ہجوم میں تمہیں بے عزت کرنے کی جرات رکھتی ہے وہ پھر بھی تم نے یہ حرکت کر ڈالی اور آخر ضرورت ہی کیا تھی یہ فضول کام کرنے کی تمہارے چمڑے جیسی کھال پر یہ چیزیں اثر انداز ہو سکتی ہیں کبھی؟“ بری طرح گھرکتے ہوئے انہوں نے مزید شرمندہ کیا تھا۔

”بڑے بھائی.....! آپ میری بات سن لیں۔“ شان نے بمشکل درمیان میں کہا تھا۔

”آج اکیڈمی میں سارے اسٹاف کی ایک گیٹ نوٹیدر تھی ہم وہیں جانے کیلئے تیار ہو رہے تھے۔ اس سب میں میں بھی شاہی کے ساتھ شامل تھا اسے شیمپو چاہئے تھا اور میری ڈرائیئر مشین خراب ہو گئی تھی تو میں نے کہا تھا سارہ کی ہینڈ ڈرائیئر مشین لے آئے وہ ایک بار پہلے بھی مجھے استعمال کرنے کیلئے دے چکی تھی تو.....“

”تو پھر تم نے سوچا کہ اسے اپنا ہی مال سمجھ لوں۔“ شمس نے جھڑکنے والے انداز میں اس کی بات کاٹ کر شاہ رخ کو گھورا تھا۔

”شیمپو اور ہینڈ ڈرائیئر تک سمجھ آ گیا مگر یہ باقی چیزیں یہاں کیا کر رہی ہیں؟“ وہ پوچھ رہے تھے۔

”وہ..... اچھی لگ رہی تھیں تو ساتھ لے آیا.....“

”جو تے اتار کر دن میں دس بار تمہارے سر پر مارنے چاہئیں۔“ شمس دوبارہ بھڑکے تھے۔

”جاؤ..... سنو جا کر اس کی زبان سے اگلے لقب..... آج چوری کا الزام لگا رہی ہے کل کوئی اس سے بھی بڑا تمہارے ذریعے مجھے مل جائے گا..... مزید کروالسی گھٹیا حرکتیں تاکہ میری ناک مکمل کٹ جائے اس کے سامنے۔“ بمشکل ضبط کے باوجود ان کا طیش بڑھ رہا تھا۔

”میں یہ چیزیں ہمیشہ اپنے پاس رکھنے نہیں لایا تھا مجھے وقت نہیں ملا ورنہ استعمال کے بعد ہی یہ چیزیں واپس رکھ آتا مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ آج ہی آجائے گی کیونکہ اس نے بھابی سے کہا تھا کہ وہ کچھ دن رک کر آئے گی اس لئے میں مطمئن تھا میں رات تک ضرور یہ چیزیں اس کے کمرے تک پہنچا دیتا مگر اس کی اچانک آمد پر میں فوری طور پر کچھ نہیں کر سکا تھا..... مجھے معاف کر دیں میری غلطی کی وجہ سے آپ کو باتیں سننی پڑیں میں شرمندہ ہوں۔“ ہمت کر کے اپنی صفائی غلط میں بیان کرتے ہوئے شاہ رخ نے واقعی ندامت کے ساتھ معافی مانگی تھی۔

”میں یہ پاؤچ بھابی کے حوالے کر کے ان کو سب بچ بتا دوں گا وہ سارہ سے بات کر لیں گی۔“ شان نے درمیان میں معاملے کا حل بتایا تھا۔

”چپ رہو تم..... مجھے میری بیوی کے سامنے شرمندہ کرنے کے سارے راستے معلوم ہوتے ہیں تم سب کو۔“ شمس نے ناگوارگی کے ساتھ اسے ڈپٹا تھا۔

”اسی پاؤچ میں واپس ڈالو یہ سامان۔“ ان کی ہدایت پر شان نے سرعت سے ساری چیزیں پاؤچ میں رکھی تھیں اور پھر بیڈ کے نیچے سے ہینڈ ڈرائیئر کا پیکٹ نکال کر وہ بھی شمس کے حوالے کر دیا تھا۔

رداؤ انجسٹ [136] اگست 2011ء

”شان! میں یہ سب اپنے کمرے میں لے جا رہا ہوں مگر کل یہ چیزیں سدرہ کی نظر میں آئیں گی تو مجھے ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوگا لیکن وہ تمہارے سامنے ذکر کرے یا نہ کرے تم نے اسے بتا دینا ہے کہ تم نے احتیاط یہ چیزیں سمیٹ کر کمرے میں رکھ دی تھیں مگر بتانا بھول گئے تھے حالانکہ ضرورت نہیں ہے یہ سب کرنے کی تم دونوں کی فطرت جانتی ہے وہ مگر یہاں میری عزت کا بھی سوال ہے۔“ شان کو ہدایت کرتے ہوئے آخر وہ پھر بھڑکنے والے انداز میں بولے تھے۔

”سمجھ گئے ہو کیا کہا ہے میں نے؟“ دروازے کی سمت جاتے جاتے وہ رک کر خونخوار انداز میں پوچھ رہے تھے جس پر شان نے فوراً ہی اثبات میں سر ہلایا تھا۔
”آپ فکر نہ کریں میں ویسائی کروں گا جیسا آپ نے کہا ہے۔“

”ہاں..... تم تو ماہر ہو ایسے کاموں میں میری بیوی معصوم سی تو ہے آجائے گی تمہارے جھانسنے میں۔“ کھا جانے والی نظروں سے ان دونوں کو گھورتے وہ باہر نکل گئے تھے۔

”اس بار تو خود ہی ہدایت دے گئے ہیں جھانسنے پر۔“ لنکے چہرے کے ساتھ شان بڑبڑایا تھا۔

”سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے غلطی ہو گئی جو گیہوں کے ساتھ گھن کی طرح پس گیا مجھے بتا دینا چاہیے تھا بڑے بھائی کو کہ تم نے سارہ کو تنگ کرنے کیلئے یہ حرکت کی تھی۔“ شان نے اسے گھورا تھا جو خلا سی ہو جانے پر اطمینان سے بیڈ پر گر گیا تھا تب ہی شاہ رخ کا سیل فون چینا تھا۔

”ساری چیزیں بھائی کے حوالے کر دی ہیں یا سارہ سے لسٹ بنوا کر بھائی تک پہنچاؤں۔“ مسکراتی آواز پر شاہ رخ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

”آپ کو بڑی انجوائے منٹ ملتی ہے ہماری بے عزتی پر۔“ وہ تپ کر بولا تھا۔

”پکا یقین ہے مجھے تم باہر کھڑے ضرور کن سوئیاں لے رہے ہو گئے اتنا نہ ہوا کہ مدد کیلئے اندر آ جاتے۔“

”چوری تم کرو باتیں ہم سنیں..... پاگل سمجھ رکھا ہے۔“ شیٹ نے اسے مزید جلایا تھا۔

”اچھا..... بھائی کے ساتھ طعنے بازی..... کل بھابی کی بہن کے کمرے سے کچھ اور چرا کر تمہارے کمرے میں منتقل کر دوں گا اور نشانہ ہی بھی خود کروں گا۔“ شاہ رخ نے بدلا لیا تھا۔

”کل کی کل دیکھیں گے..... ابھی تو حالیہ پڑنے والی پھنکاریں انجوائے کرو..... گڈ نائٹ۔“ جواباً کہتے ہوئے اس نے لائن منقطع کر دی تھی۔

☆☆☆☆☆

نائی کی نائٹ درست کرتے ہوئے وہ بیچتے ہوئے انٹرکام کی سمت گیا تھا دوسری جانب سدرہ تھیں انہیں دو منٹ میں اپنے آنے کی اطلاع دے کر اس نے سیاہ مینڈ بیک اٹھایا تھا اور ڈرائیونگ سے سیل فون ڈالٹ اور سن گلاسز سیٹنا دروازے کی سمت بڑھ گیا تھا۔ ناول سے چہرہ صاف کرتی وہ اچانک ہی باہر نکلی تھی مگر اگلے ہی پل بدک کر پیچھے ہٹتے ہوئے اسے دیکھا تھا جو بروقت ہی رکا تھا۔

”ابھی تک گئے نہیں تم دونوں..... جلدی جاؤ۔“ وہ کچھ خیرانگی سے بولی تھی۔

”خیریت تو ہے؟“ شیٹ نے جواباً خیرانی سے اسے دیکھا تھا۔

”میں آج اپنے گھر کی طرف جاؤں گی۔“ وہ بتا رہی تھی۔

”وہاں جا کر کیا کرو گی وہ تو ریٹ پر جا چکا ہے۔“ وہ مزید خیرانی سے بولا تھا۔

رداؤ انجسٹ [137] اگست 2011ء

”تم بھول رہے ہو جو فیملی ہمارے فلیٹ میں ہے وہ میری دوست کے بھائی کی ہے ہمارے فلیٹ کے سامنے والے فلیٹ میں میری دوست رہتی ہے۔“ اس نے تفصیل بتائی۔

”واپس تہامت آ جانا‘ شان سے کہہ دینا تمہیں واپس بھی لے آئے گا۔“ وہ تاکید کر رہا تھا۔

”اب میں اور اس بے چارے کو پریشان نہیں کرنے والی‘ خود ہی آ جاؤں گی۔“ وہ فوراً ہی بولی تھی۔

”ہرگز نہیں..... اتنی دور سے تم تہا ہرگز نہیں آؤ گی۔“ وہ ناراضی کے ساتھ ہدایت کر رہا تھا۔

”شیث! وہ باہر ہارن پہ ہارن دے رہے ہیں۔“ سدرہ کی بلند آواز پر وہ ہڑا کر سیزھیوں کی جانب گیا تھا۔

☆☆☆☆☆

شعور آنے کے ایک عرصے بعد تک اندر ہی اندر یہ غم ضرور سر اٹھاتا تھا کہ ایک خالی پن اس کی زندگی میں بھی موجود ہے، کبھی کبھی وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی تھی کہ کہیں نہ کہیں اس میں ہی کچھ کی ہے جو دنیا کے اس جہوم میں کوئی ایسا انسان نہیں جسے وہ اپنا دوست کہہ سکے وہ دوست جو بہت خالص ہوتا ہے جو صرف اپنا ہوتا ہے جس کی آنکھیں ہماری ذات کی تمام بھول بھلیوں میں اتر جائیں..... اسکول اور کالج میں اس کی دوستوں کا ایک گروپ رہا تھا مگر وہ ان سب میں ایڈ جسٹ کبھی نہ ہو سکی تھی۔ فیشن، جیولری، افیئر، زلزلے کے یہ موضوعات اسے اکٹا دیتے تھے مگر پھر بھی وہ مجبوراً زبان بند کیے مگر نگران سب کے چہرے دیکھتی اور چلتی زبانیں سنتی رہی تھی..... یہ اور بات کہ اپنے گروپ کے ساتھ ہونے والی کسی زیادتی پر سامنے والے گروپ سے جھگڑا کرنے میں وہ سب سے آگے ہوتی تھی اپنے گروپ سے اس کا تعلق محدود تھا مگر اس کے دفاع میں وہ حد سے بڑھتے پر تیار رہتی تھی اور اس کی یہی ایک خصوصیت تھی جس کی وجہ سے اسکول، کالج کے ادوار میں اس کا گروپ اسے اپنے ساتھ رکھنے میں بہت سنجیدہ رہا تھا مگر وہ جانتی تھی کہ اگر وہ کسی مشکل میں گرفتار ہوگی تو اس کی تمام نہاد دوستوں نے کبھی اس کی افسردگی کا کھوج لگانے میں وقت ضائع نہیں کرنا ہے یہ سچ اسے افسردہ اور مزید تہا کر ڈالتا تھا۔ شیث کی آمد نے اس کے غم کو کسی حد تک کم کر دیا تھا پر بالکل نہیں۔ وہ ہر بات اس سے شیر نہیں کر سکتی تھی اپنا دل اس کے سامنے اس طرح کھول نہیں سکتی جس طرح اپنی دوست کے سامنے کھول کر رکھ سکتی تھی اور پھر جب اس نے اس حقیقت سے سمجھو یہ کر لیا کہ دوست جیسا نایاب تحفہ اس کی زندگی میں نہیں مل سکتا یہ بات اس وقت غلط ثابت ہوئی جب اس کے سامنے والے فلیٹ میں زینب کی فیملی آ کر آباد ہوئی۔ وہ ایک عام سی گھریلو لڑکی تھی پڑھائی لکھائی اور کتابوں سے دور بھاگنے والی گھر کے کاموں میں غم رہنے والی۔ اس کا دل رکھنے کیلئے اس نے دوستی کا ہاتھ تھام لیا تھا مگر اس سے زیادہ امیدیں وابستہ نہیں کی تھیں مگر اسے اندازہ نہیں تھا کہ آگے جا کر زینب اس کیلئے اہم ہو جائے گی۔ زینب اسے بہت اچھی طرح نہیں سمجھ سکتی تھی نہ ہی اس کا چہرہ دیکھ کر اس کے دل کا حال جان لیتی تھی مگر وہ اسے خوش کرنے کیلئے ہر کام کر سکتی تھی۔ زینب اس کی خالص دوست تھی یا نہیں اس چیز پر غور کرنے کے بجائے وہ ہمیشہ یہ کوشش کرتی رہی اپنی گفتگو اپنے اخلاق سے کہ زینب اسے اپنی سب سے قریب ترین بیسٹ فرینڈ آنکھیں بند کر کے کہہ سکے۔

واپسی کیلئے جب اس نے زینب کو الوداع کہا اس وقت دوپہر ہو چکی تھی شام سے پہلے وہ گھر پہنچنا چاہتی تھی اس لیے شارٹ کٹ کے طور پر اس نے دوسرا راستہ استعمال کیا تھا جو فلیٹ کی غمارت کے عقبی حصے سے شروع ہوتا تھا۔ فلیٹس کی عمارتوں کا سلسلہ ختم کرنے کے بعد اس کے قدم مزید تیز ہو گئے تھے یہ جگہ اس کیلئے نئی نہیں تھی اس لیے اسے کسی قسم کی دقت نہیں تھی حالانکہ شان نے آفر کی تھی کہ جب واپسی کا ارادہ ہو تو بس ایک فون کر دے وہ اسے لینے آ جائے گا مگر خود اسے یہ مناسب نہیں لگا تھا۔ یونیورسٹی اور اکیڈمی کی مصروفیات کے دوران یہ ایک مشترکانہ نکالنا اس کیلئے

مشکل تھا اس لیے وہ انکار کر گئی تھی۔ کاشن کی سفید چادر سر اور وجود کے گرد لپیٹے شائے پر لٹکے بیک کا اسٹریپ تھا اسے وہ دھوپ سے بچنے میں ناکام تھی کہ سورج اس وقت بالکل سر پر موجود تھا۔ چلتے چلتے اس کی نظریں ارد گرد کا جائزہ بھی لیتی جا رہی تھیں اس کے دائیں جانب رہائشی حصہ تھا جہاں متوسط طبقے کے افراد رہائش پذیر تھے جبکہ بائیں جانب ایک وسیع کھلا میدان تھا ہر سمت سناٹے اور ویرانی کا راج تھا میدان میں بہت دور اسے کچھ بچے کرکٹ کھیلتے دکھائی دے رہے تھے جس رہائشی حصے کے ساتھ ساتھ وہ چل رہی تھی ہر تھوڑے فاصلے پر ایک طویل گلی موجود تھی وہاں بھی اسے اکاؤنڈا بچے کھیلتے دکھائی دیئے تھے۔

”کیسے لا پر واہ والدین ہیں اتنی دوپہر میں بچے گھر سے باہر ہیں انہیں کوئی فکری نہیں معلوم بھی ہے کہ حالات کتنے خراب ہوتے جا رہے ہیں۔“ تاسف کے ساتھ سر ہلاتے ہوئے وہ سوچ کر رہ گئی تھی۔ ماتھے پر آیا پسینہ صاف کرتے ہوئے اس نے راستے میں آتی ایک اور گلی پر نظر دوڑائی اور اگلے ہی پل وہ بری طرح چونکی تھی ایک وجہ تو وہ بچی تھی جو بمشکل تین سال کی ہوگی اپنے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ لڑکھڑائے انداز میں چل رہی تھی جبکہ چونکنے کی دوسری وجہ وہ مشکوک شخص تھا جس کی پشت ہی وہ دیکھ سکتی تھی۔ اتنی گرمی میں وہ سرخ مظر اپنے سر اور گردن کے گرد لپیٹے ارد گرد کے گھروں کے بند دروازوں پر نظر ڈالتا اس بچی کی جانب بڑھ رہا تھا۔ سرعت سے بھاگ کر وہ دیوار کی اوٹ میں ہو گئی تھی ذرا رک کر اس نے جھانکا تھا اگلے ہی پل اس کا دل نوے کی اسپید سے بھاگنے لگا تھا جب اس شخص نے بہت آرام سے بچی کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے اٹھا لیا تھا۔ دیوار سے پشت لگائے وہ ساکت کھڑی تھی اسے کوئی بچاؤ کا راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ بچی کی گھٹی گھٹی چیخیں اسے اب سنائی دے رہی تھیں وہ جانتی تھی کہ وہ شخص یہیں سے باہر آئے گا اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا تیز قدموں کے ساتھ بچی کو بازوؤں میں چھپائے وہ شخص گلی سے باہر آیا تھا دوسری جانب آزادی کے لیے ہاتھ پیر مارتی اس بچی کی گھٹی چیخوں نے اس کا سارا خوف ختم کر دیا تھا اس شخص کی پشت کو گھورتے ہوئے اس نے جھک کر دو بڑے سائز کے پتھر اٹھائے تھے اور وقت ضائع کئے بغیر ایک پتھر پوری قوت کے ساتھ اس شخص کے سر پر دے مارا تھا جس کے بعد اس شخص کی بلند کراہ ابھری تھی اور بچی اس کے بازوؤں سے نکل کر بچنے لگی بڑی تھی بچی کی دھماڑوں پر توجہ دینے کے بجائے اس نے وہ دوسرا پتھر بڑی دلیری سے آگے بڑھ کر سیدھا اس شخص کی گھٹنی پر مارا تھا سر پر مظر ہونے کی وجہ سے شاید وار اتنا کاری نہ ہو مگر اچانک اس حملے نے اس شخص کو ہیروں پر کھڑے رہنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ پلک جھپکتے میں اس نے بچی کو جھپٹ کر گود میں اٹھایا تھا اور اندھا دھند اسی گلی کے اندر بھاگی تھی۔ بچی کو سنبھالتی وہ گرتی بڑتی ایک گھر کے سامنے رکھی تھی دروازہ بری طرح دھڑ دھڑاتے ہوئے اس نے دائیں جانب اس شخص کو دیکھنے کی کوشش کی تھی جواب وہاں موجود نہیں تھا۔

”کون ہیں آپ؟“ اس کے وحشت زدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ عورت حیرت سے سوال کر رہی تھی جبکہ اس کے عقب میں ایک لڑکا بھی آچکا تھا۔

”آپ اس بچی کو جانتی ہیں اس کا گھر کہاں ہے؟ مجھے وہاں جانا ہے۔“ پھولی سانسوں کے درمیان اس نے روتی مچلتی بچی کا چہرہ سامنے کیا تھا۔

”ارے یہ تو سمیہ کی بیٹی ہے مگر تم کون ہو اس کی؟ پہلے تو کبھی نہیں دیکھا۔“ وہ عورت تعجب سے بولی تھی۔

”اگر میں اس کی کچھ ہوتی تو آپ سے اس کے گھر کا پتہ نہ پوچھ رہی ہوتی..... انخوا ہو جانے والی تھی یہ۔“ ایک تو خوف کا حملہ اوپر سے اس عورت کے سوالات وہ یکدم ہی غصے میں آنے لگی تھی۔

”ہائے میں مر گئی۔“ وہ عورت آنکھیں پھاڑے کلبجہ تھام کر بولی تھی اور اگلے ہی پل وہ اپنے بیٹے کے ساتھ سارہ

کو کچھ فاصلے پر موجود گھر کی طرف لے گئی تھی۔ اس عورت نے گھر کے کھلے دروازے میں منہ ڈال کر جو پکاریں لگائی تھیں اس پاس کے دروازے بھی کھل گئے تھے۔ گھر میں سے پہلے ایک عورت نکلی تھی جس نے چھیننے والے انداز میں روتی چیختی پئی کو سارہ سے لیا تھا اس کے پیچھے کچھ اور بچے اور ایک مرد بھی حیران پریشان باہر نکل آیا تھا۔ اس عورت کی زبانی ساری بات سن کر بچی کی ماں کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ بچی کو بار بار چومتے ہوئے وہ عورت بے تحاشا آنسو بہاتے سارہ کو مومن نظروں سے دیکھ رہی تھی جبکہ اس کا شوہر کبھی سارہ کا شکر یہ ادا کرتا کبھی اپنی بیوی کی لاپرواہی پر اسے برا بھلا کہہ رہا تھا۔ اس پاس کے کچھ لوگ اس شخص کو ڈھونڈنے نکل گئے تھے دوسری جانب بچی کو اس کی ماں کی گود میں دیکھ کر جہاں اسے اطمینان ہوا تھا وہیں اس کی اپنی حالت ڈاؤن ہو گئی تھی۔ کانپ تو پہلے ہی رہی تھی اب تو پیروں سے بھی جان نکل گئی تھی ارد گرد جمع لوگ کبھی اس بچی کے ماں باپ پر غصہ کر رہے تھے کچھ اس اغوا کرنے والے پر لعنت بھیج رہے تھے کبھی اس کی تعریفوں میں حد سے تجاوز کر رہے تھے۔

”بہن اب رونا چھوڑو خدا کا شکر ادا کرو اور اس لڑکی کا بھی وردہ آج تو نکل جانی تھی بچی ہاتھ سے۔“ ایک عورت نے بیزاری سے بچی کی ماں سے کہا تھا۔

”بیٹا اللہ اجر دے گا تجھے ایک ماں کی گود اجڑنے سے بچالی۔ ویسے آئی کہاں ہو اور اکیلی یہاں کیسے آنکلیں؟“ ایک بڑی بی دعا دیتے ہوئے کھوجنے بھی لگی تھیں۔

”ارے..... اماں بعد میں سوال کر لیتا اس بے چاری کی حالت تو دیکھو کوئی ایک گلاس پانی ہی پلا دو اسے۔“ ایک دوسری عورت اماں جی کو پرے ہناتے ہوئے بولی تھی۔

”آپ گھر میں آ جائیں..... پانی وغیرہ پی لیں۔“ بچی کے باپ نے اسے مخاطب کیا تھا۔

”نہیں شکریہ..... بس ایک گلاس پانی لادیں یہیں۔“ حلق میں چبھتے کانٹوں کے درمیان وہ بولی تھی۔ اس کے انکار پر جھٹ پٹ ایک کرسی باہر لائی گئی تھی جس پر بیٹھنے میں اس نے دیر نہیں لگائی تھی۔ ٹھنڈے پانی کے تین گلاس پینے کے بعد اس کے حواس ٹھکانے پر آئے تھے۔

”اس علاقے میں پچھلے کچھ عرصے میں دو بچے اغوا ہو چکے ہیں تمہاری بہت کی داد دینی چاہیے جو اس خبیث کے بچے سے معصوم بچی کو چھین لائیں۔“ وہی عورت بول رہی تھی جس کا دروازہ اس نے دھڑ دھڑایا تھا۔

”ویسے معاف کرنا عمر بھائی! تمہاری بیوی کو کچھ خبر نہیں ہوئی کہ بچے کہاں آ جا رہے ہیں کس سے مار کٹائی کر رہے ہیں جب دروازے پر جاؤ اماں سو رہی ہیں بچے اور ہم چارہ ہیں بچے بول گئے اس طرح بچے۔“ وہی عورت اٹھلا کر اس بچی کے باپ کو بھڑکا رہی تھی۔

”بائے آپا! خدا کا خوف کرو ایک تو مجھ پر قیامت گزری ہے اوپر سے تم انکار سے بر سار ہی ہو سب کے سامنے میرے گھر آ کر جھانکتی تک نہیں ہو مگر تمہیں معلوم ہوتا ہے کہ میں سو رہی ہوں یا جاگ رہی ہوں۔“ بچی کی ماں اس بار برداشت نہیں کر سکی تھی۔

”میں تو خدا لگتی کہتی ہوں عمر بھائی! مگر تمہاری بیوی کی بھلائی کی بات کرو تو بھی آگ لگ جاتی ہے۔“ منہ بناتے ہوئے اس عورت نے دوبارہ بچی کے باپ کو بھڑکایا تھا مگر شکر تھا کہ سب کے سامنے بھڑکا نہیں تھا بیوی پر مگر غصے میں اسے اس طرح گھوڑ رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو گھر کے اندر چل پھر خبر لیتا ہوں۔ دوسری جانب اس ساری گفتگو کے دوران وہ بالکل نارمل ہو چکی تھی اس لیے اب وہاں رک کر معاملے کو مزید گرم اور وہاں موجود عورتوں کیلئے پختارے دار نہیں بنا سکتی تھی اور جس کی وجہ سے یہ ہنگامہ کھڑا ہوا تھا وہ اب اپنے باپ کی گود میں اطمینان سے سو رہی تھی۔

”ہم ان کو ان کے گھر تک چھوڑ آتے ہیں کہیں وہ خبیث نقصان پہنچانے کیلئے تاک میں نہ بیٹھا ہو۔“ بچی کی ماں نے کچھ تشویش کے ساتھ اپنے شوہر سے کہا تھا جس پر باقی لوگوں نے بھی اس کی تائید کی تھی جس پر وہ بمشکل ہی انہیں یہ کہہ کر روک سکی تھی کہ اس کی ضرورت نہیں ہے مگر وہ اس چھوٹے سے جلوس کو نہیں روک سکی تھی جو اسے مین روڈ تک ساتھ لایا تھا۔ وہ رکشے میں بیٹھی تھی جب بچی کے باپ نے ایک بار پھر اس کا شکر یہ ادا کیا تھا۔ گھر آنے تک وہ اس واقعے کے بارے میں سوچتی رہی تھی اسے اپنے آپ پر بھی یقین نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کس خطرناک صورتحال سے گزر کر آئی ہے جو بھی تھا اپنا یہ کارنامہ اس نے سدرہ کے سامنے بیان نہیں کرتا تھا ورنہ انہوں نے تو داد دینا ہی مجاہدینا تھا۔

.....☆☆☆☆☆.....

رات گئے اپنے پورشن میں آتے ہوئے اس نے گرلز اور گیٹ کو لاک کیا تھا اور اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ سامنے ہی وہ سیزھیوں پر بیٹھی سیل فون پر گفتگو میں مصروف تھی۔ اس پر سے نظر ہٹا کر شیٹ نے پہلے ٹمپس کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھا تھا اور پھر احتیاطاً شان اور شاہ رخ کے کمرے میں جھانک کر مطمئن ہوتا خود بھی سیزھیوں پر اس سے ذرا نیچے والے اسٹپس پر بیٹھ گیا تھا دوسری جانب وہ جو پہلے ہی زینب کو اپنے کارنامے کے بارے میں بتا چکی تھی اب اس کی ڈانٹ سن رہی تھی مگر شیٹ کی آمد پر غلٹ میں زینب کو الوداعی کلمات کہتے ہوئے اس نے جلانے کیلئے خود ہی اپنی تعریف میں کچھ ایسے جملے کہے تھے کہ وہ جواب تک خاموشی سے اپنا سیل فون چیک کرتے ہوئے اس کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہا تھا چونکہ کراسے دیکھتے لگا تھا جو اپنی دوست کو خدا حافظ کہہ چکی تھی۔

”آج میں جس دوست سے ملنے گئی تھی اسی سے بات کر رہی تھی۔“ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے اس نے شیٹ کے سوالیہ نشان بنے چہرے کو دیکھا تھا۔

”تم اس سے جس بارے میں بات کر رہی تھیں مجھے وہ جانتا ہے کیا ہوا تھا آج؟“ وہ مشکوک نظروں سے اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ دوسری جانب وہ ایک پل کور کی تھی اور پھر ساری داستان اس کے سامنے بیان کر گئی تھی۔ چہرے پر بلا کی معصومیت سجائے وہ اسے دیکھ رہی تھی جو دمک نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”تمہیں اپنی پرواہ ہے بھی یا نہیں؟ بغیر کچھ سوچے سمجھے تم نے خطرہ مول لے لیا۔“ وہ یکدم ہی خفگی کے ساتھ بول اٹھا تھا۔

”سوچنے سمجھنے میں وقت ضائع کرتی تو وہ غنڈہ بچی کو لے کر کرب کار نو چکر ہو گیا ہوتا۔“ وہ فوراً ہی بولی تھی۔

”اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچتا تو کیا ہوتا؟ تمہارا نشانہ خطا ہو سکتا تھا وہ شخص جو ابی کارروائی بھی کر سکتا تھا ہو سکتا ہے وہ شخص تمہانہ ہو اس نے اپنے چیلے ارد گرد چھپا رکھے ہوں جو تم پر حملہ بھی کر سکتے تھے بجائے وہاں کے لوگوں کو خبر دینے کے تم تمہاں سے بھڑ گئیں۔“ وہ شدید ناراضی کے ساتھ بولا تھا۔

”بات سنو..... لوگوں کے انتظار میں رہتی تو تب تک وہ بچی کو لے کر فرار بھی ہو سکتا تھا اگر اس کے پاس کوئی ہتھیار ہوتا تو وہ اسے بھی مجھ پر استعمال کر سکتا تھا..... تم بجائے خوش ہونے کے مجھے خوفزدہ کر رہے ہو کہ یہ ہو سکتا تھا وہ بھی ہو سکتا تھا۔“ وہ ناگواری سے بولی تھی۔

”ہاں..... میں بہت خوش ہو رہا ہوں تمہاری اس احمقانہ دلیری پر دیکھو کیسی خوشی پھوٹی پڑ رہی ہے میرے چہرے سے تمہاری کامیابی پر۔“ وہ خشکیں نظروں سے اسے دیکھتا ہوا بولا تھا۔

”گو نو ٹیل مین۔“ اس کے سر جھٹکنے پر شیٹ نے پھر دمک نظروں سے اسے دیکھا جو منہ پر ہاتھ رکھے ہنسی

www.pdfbooksfree.pk

”چھوٹے بھائی! قریب مت آنا یہ کاٹ لے گا۔“ وہ خوفزدہ انداز میں چیختی تھی۔

”یہ بے چارہ کہہ تو رہا ہے تم سے سانپ کو نیچے چھوڑ دو مگر اس پر بھی نہیں راضی ہو رہی ہو۔“ سپیرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاہ رخ بتا رہا تھا۔

”نہیں..... میں اسے چھوڑ دوں گی تو یہ مجھے کاٹ لے گا سانپ کا بچہ۔“ سانپ کو خود سے دور رکھے ایک ہی پوزیشن میں کھڑی وہ روہانی ہو کر چیختی تھی جس پر ہنسنے کی آوازیں ابھری تھیں۔

”اس میں زہر نہیں ہے۔“ سانپ کی دایبسی کے انتظار میں پٹاری کھولے کھڑے سپیرے نے عاجز آ کر کہا تھا۔ دوسری جانب وہ پھر چیختی تھی سانپ کے بل کھانے پر شیٹ نے کوشش کی تھی سانپ اس سے لے کر خود پکڑے مگر اس کی چیخوں پر کوئی کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔

”اچھا ہے کھڑی رہو اسی طرح جیسی حرکتیں ہیں تمہاری اس کی یہی سزا ہونی چاہیے۔“ یہ مومو کا بھائی تھا جو شدید بھڑکا ہوا تھا۔

”یہ سانپ میرے ہاتھ سے نکلنے دو بھائی! اس کے بعد تم میرے ہاتھوں سے نہیں بچو گے۔“ وہ سانپ پر پھٹی آنکھیں جمائے چیختی تھی۔

”تمہیں ضرورت کیا تھی اس سانپ کو اٹھا کر بہادری کے مظاہرے کرنے کی۔“ شیٹ نے اسے گھر کا تھا۔

”میں تو بس تفریح لے رہی تھی۔“ وہ بسورتی آواز میں بولی تھی۔

”کوئی اس کے ہاتھ پکڑ لے اور سانپ کھینچ لے۔“ یہ مومو کی پچازاد بہن تھی۔

”تم آ جاؤ سانپ کھینچنے۔“ شاہ رخ نے اپنی اسی کزن کو خشکیوں نظروں سے دیکھا تھا جو کھلکھلائی تھی۔

”اتنی مضبوطی سے سانپ پکڑا ہوا ہے تم نے یہ مر گیا تو کہاں سے لا کر دیں گے۔“ مومو کے دوسرے بھائی نے اسے گھر کا تھا۔

”لانے کی ضرورت نہیں ہے تم ہی اس کی جگہ بڑھ کر دینا پٹاری میں بیٹھ کر۔“ وہ بھنا کر بولی تھی۔

”چھوٹے! آستینیں کیوں چڑھا رہے ہو؟“ مومو نے مزید دہل کر شیٹ کو دیکھا تھا۔

”میں اسے پکڑ رہا ہوں اس کے بعد تم اسے چھوڑ دینا۔“ نرمی کے ساتھ سمجھانے والے انداز میں اس نے کہا تھا اور سانپ کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا دوسری جانب سانپ کو چھوڑ کر مومو ایک چیخ کے ساتھ دور ہوتی تھی اس کے بھائی نے اس کی پوتی پکڑ کر کھینچتے ہوئے اس پر غصہ اتا رہا تھا جبکہ وہ سانپ کو سنبھالے سپیرے کی جانب بڑھ گیا تھا جو بے چارہ اپنے سانپ کے انتظار میں پریشان بیٹھا تھا۔ معاملہ رفع دفع ہو جانے پر سب تتر بتر ہونے لگے تھے ایک نظر سارہ نے مومو کے پورشن کی جانب دیکھا تھا جہاں اس کے بھائیوں کے علاوہ اس کے والد بھی موجود تھے اور اس سے سرزد ہونے والی حرکت پر باز پرس کر رہے تھے جبکہ وہ ناخن چباتی دور سے ہی سارہ کو گھور رہی تھی۔ باقی لڑکیوں کے ہمراہ گراؤنڈ کی باؤنڈری کے پاس رکھی کرسیوں کی جانب بڑھتے ہوئے وہ یکدم ہی رک کر اسے دیکھنے لگی تھی جو سپیرے کو رخصت کرنے کے بعد اب اسی کی جانب آ رہا تھا۔

”میں اس کے ساتھ تنہا گھر میں نہیں رہوں گی جب تک آپ واپس نہیں آ جاتیں باہر ہی رہوں گی مگر جو اسے میرا پہرے دار بنا کر گئے ہیں ان کی وجہ سے وہ دوبارہ میرے پاس آئے گی اپنی زبان میں سمجھا دو اسے ورنہ تیزاب پھینک دوں گی اس پر۔“ وہ ناگواری کے ساتھ بولی تھی۔

”سمجھا دوں گا اور کوئی حکم۔“ وہ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتا پوچھ رہا تھا جو اب وہ اسی ناگواری سے سر جھکتی

آگے بڑھ گئی تھی۔

”بھابھی! لو نظریں اب جو قطعی الجھ کر رہ گئیں اس کی کمر سے لٹکتی زلفوں پر۔“ مومو کی تیز آواز پر وہ بس اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

”دو باتیں کیا کر لیں اس پھٹکنی نے؟“ فیس نو فیس بالکل ہی پٹری سے اتر کر کنارے لگ گئے کیا بول رہی تھی وہ؟“ ابرو چڑھائے وہ مشکوک نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔

”اس نے مجھ سے کہا ہے کہ وہ یہیں ان سب کے پاس بیٹھنا چاہتی ہے۔“ بولتے ہوئے شیٹ نے باؤنڈری کے پاس موجود لڑکیوں کی سمت اشارہ کیا تھا۔

”صرف آپ سے ہی اس نے دل کا یہ ارمان کہا ہے تو کیوں؟ سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔“ ہاتھ باندھتے ہوئے وہ خشکیوں نظروں سے اسے گھورتی اپنی ایڑیوں پر اوپر نیچے ہو رہی تھی جبکہ اس کے چہرے کے سنجیدہ مگر مضحکہ خیز تاثرات پر وہ اپنی مسکراہٹ نہیں چھپا سکا تھا۔

”ارے..... میں تو پہلے ہی جانتی تھی شان اور شاہی تو مفت میں بدنام ہیں..... آپ نے تو ان دونوں کو بھی ٹیک اور کر لیا ہے۔“ وہ ہاتھ پر ہاتھ مارتی تھی انداز میں بولی تھی۔

”میرے سامنے فضول گوئی سے پرہیز کیا کرو سمجھیں۔“ کچھ سنجیدگی کے ساتھ اسے ڈپٹے ہوئے وہ سامنے سے ہٹ گیا تھا جبکہ اس کی پشت کو زبان دکھائی وہ قریب سے گزرتے شاہ رخ کی طرف متوجہ ہوئی تھی اور اگلے ہی پل اس کا کار پکڑ کے واپس پیچھے کھینچی تھا۔

”ایک قدم بھی اس جھانپل کی طرف بڑھایا ناں تو بچھا دوں گی یہیں چادر کی طرح۔“ کھا جانے والے انداز میں وہ بولی تھی۔

☆☆☆☆☆

سدرہ کی مسلسل پکار پر اس نے بمشکل آنکھیں کھولی تھیں کل شام سے زکام اور بخار کے حملے نے اسے بیڈ سے اٹھنے ہی نہیں دیا تھا۔

”میں یہیں ناشتہ لے آتی ہوں اور ساتھ ہی ٹیبلٹ بھی۔“ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھنے میں مدد دیتے ہوئے وہ بولی تھیں۔

”کل ہی میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلتی تھی یہ حالت نہ ہو رہی ہوتی مگر آج تم نے لازمی چیک اپ کیلئے چلنا ہے۔“ تاکید کرتے ہوئے وہ اس کے پاس سے اٹھ گئی تھیں۔

”میں رات میں اتنی جلدی سو گئی کب بارہ بج گئے کوئی ہوش نہیں میں نے اسے وٹس بھی نہیں کیا۔“ سر ہاتھوں میں پکڑے وہ روہانی انداز میں بولی تھی۔

”کوئی بات نہیں آج کا سارا دن پڑا ہے ویسے بھی وہ جانتا تھا کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ سدرہ نے اسے تسلی دی تھی جو گھٹنوں میں چہرہ چھپائے بیٹھی تھی۔ سدرہ کے جانے کے بعد اس نے سیل فون چیک کیا تھا حسب توقع شیٹ کا میسج موجود تھا جس میں اس کی طبیعت کے بارے میں پوچھا گیا تھا۔ ایک بار پھر اسے اپنی نیند پر غصہ آیا تھا معذرت کے ساتھ اس نے برتھ ڈے وٹس کار پلائی شیٹ کو دیا تھا اور نیچے پڑھ گئی تھی۔ چند لمحے ہی گزرے تھے جب اسے دوبارہ سیل فون چیک کرنا پڑا تھا۔

”شام کو مجھے تمہارا چہرہ مسکراتا ہوا نظر آئے تمہاری طبیعت خراب ہے مگر کل سے اب تک آدھا بیمار میں ہو چکا

ہوں۔ اس کے صبح کو پڑھتے ہوئے ایک مضمحل سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ بیڈ سے اٹھ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆

کچن میں آتے ہوئے سدرہ نے حیرت سے اسے دیکھا تھا جو سر پکڑے بیٹھی تھی اور پھر اس کے سامنے رکھے کیک کی مجزی حالت کو جس نے انہیں مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

”اتنی محنت کی میں نے مگر یہ ٹھیک طرح بیک ہی نہیں ہوا ہاتھ لگاتے ہی پھٹ گیا۔“ وہ اترے ہوئے چہرے کے ساتھ بتا رہی تھی۔

”میں نے تم سے کہا بھی تھا کہ باہر سے کیک آ جائے گا پہلے ہی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے چہرہ دیکھو اور بھی زرد ہو گیا ہے۔“ سدرہ نے ناراضی سے اسے دیکھا تھا۔

”دوبارہ ہناؤں گی ابھی تھوڑا وقت اور ہے۔“ حتمی انداز میں بولتی وہ نئے عزم کے ساتھ اٹھی تھی جبکہ سدرہ چاہتے ہوئے بھی اسے مزید نہیں روک سکی تھیں۔

”بڑے سے کیک کو کریم کے ساتھ خوبصورتی سے سجاتے ہوئے اس کے چہرے کی زردی میں سرخیاں گھلتی جا رہی تھیں۔“

”آپی اشیث آ گیا ہے کیا؟“ کچن میں آتی آہٹ پر اس نے پلٹ کر دیکھے بغیر پوچھا تھا مگر عجب میں طاری خطرناک خاموشی پر اسے پلٹ کر دیکھنا پڑا تھا۔ سامنے کھڑے شمس کے چہرے کے سخت تاثرات اور غصیلی نظروں نے ایک پل کو اسے واقعی سہا دیا تھا۔

”زہر میں بھیگے تیر کی طرح لگتا ہے مجھے تمہاری فنش زبان پہ آتا اس کا نام۔“ بھنپی ہوئی مگر شعلہ بار آواز میں وہ بولے تھے۔

”تو پھر قیامت تک ان تیروں کو برداشت کرنے کی تاکید خود کو کرتے رہیں۔“ وہ سر و نظروں سے انہیں دیکھتی بولی تھی۔

”تمہیں لگتا ہے کہ قیامت تک میں تمہیں اپنے اور اس کے سر پر سوار رہنے دوں گا؟“ ان کے انتہائی حقارت بھرے لہجے پر سارہ کے لبوں پر ایک تلخ مسکراہٹ ابھری تھی۔

”مجھے لگتا نہیں ہے بلکہ پورا یقین ہے۔“ وہ بولی تھی۔

”نوئے گا بہت جلد تمہارا یہ یقین جب میں تمہارا نام و نشان اس کی زندگی سے مٹا دوں گا۔“ وہ بری طرح بھڑکتے دو قدم اس کی جانب بڑھتے تھے۔

”وہی ہوتم۔ جس کے نزدیک اس کی حیثیت سڑک پر پڑی چیز سے زیادہ نہیں تھی اور تم۔۔۔ تمہاری اوقات بھی نہیں کہ اس کے قدموں کی خاک تک پہنچ سکو۔“ وہ شدید ٹیش میں بولے تھے۔

”مت اکسائیں مجھے کہ میں آپ کی اوقات بھی دنیا کو بتا دوں۔“ وہ غصیلے انداز میں چیختی تھی۔

”تم بتاؤ گی میری اوقات۔۔۔“

”میں آج کے دن آپ کے منہ نہیں لگنا چاہتی۔“ ان کی بلند آواز کو وہ درمیان میں ہی کاٹ گئی تھی۔

”تمہارا منہ اس قابل ہے بھی نہیں کہ اس کی خوشی یا غم میں شامل ہو سکو۔“

”مگر میں آپ کو آج اس کی خوشی میں شامل ہو کر دکھاؤں گی۔“ نخوت سے بولتی وہ اپنے کیک کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

”اور آج میں یقیناً تمہیں روک کر دکھاؤں گا اس کی خوشیوں پر تمہارا سایہ بھی نہیں پڑنے دوں گا میں۔“ اس کی پشت کو گھورتے ہوئے وہ خونخوار لہجے میں بولے تھے۔

”میرا بنایا ہوا یہ کیک آپ کو ضرور پسند آئے گا۔“ کیک کا جائزہ لیتے ہوئے وہ سرسری انداز میں بولی تھی۔

”اٹھا کر پھینک دو اس کو ڈسٹ بن میں۔“ ان کی بلند آواز پر سارہ نے انہیں دیکھا تھا جو کچن سے جا رہے تھے جبکہ وہ کچھ چونک کر ونڈو کی سمت بڑھی تھی اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ سب نے شیٹ کو باہر ہی روک لیا ہے وہ سب گراؤنڈ میں جمع ہو رہے تھے شور و غل کی آوازوں کے ساتھ اسے مومونظر آئی تھی جس نے کیک ہاتھوں میں سنبھالا ہوا تھا۔ اپنے کیک کو بھلائے وہ تیز قدموں کے ساتھ کچن سے نکلی تھی۔

گھر میں اسے کوئی دکھائی نہیں دیا تھا کچھ حیرانی کے ساتھ وہ گلاس ڈور کی سمت تقریباً بھاگی تھی جہاں شمس اسی وقت باہر نکلتے دکھائی دیئے تھے۔ گلاس ڈور کھولنے کی کوشش کرتے ہوئے اسے زبردست شاک لگا تھا۔

”لاک کھولیں مجھے باہر آنا ہے۔“ گلاس پر ہاتھ مارتے ہوئے وہ شدید غصے میں چیختی تھی۔

”آپ بہت غلط کر رہے ہیں آپ اس طرح مجھے نہیں روک سکتے۔“

برآمدے کے اسٹپس اترتے ہوئے انہوں نے رک کر سامنے سے آتے شیٹ کو دیکھا تھا جو انہیں اور گلاس کے پیچھے موجود سارہ کو دیکھتے ہوئے دنگ ہوا تھا۔

”یہاں کیوں آ گئے چلو واپس۔“ وہ سخت لہجے میں اس سے مخاطب ہوئے تھے۔

”بھابی نے سارہ کو بلایا ہے۔“ بمشکل یہ کہتے ہوئے اس نے مقفل گلاس ڈور کی جانب دیکھا تھا جہاں وہ شدید غصے میں کچھ کبہ رہی تھی مگر گلاس کی وجہ سے اس کی آواز دب رہی تھی۔

”چلو میرے ساتھ۔۔۔ وہاں سب انتظار کر رہے ہیں۔“ سپاٹ لہجے میں بولتے ہوئے شمس اس کے شانوں کے گرد ہاتھ مضبوطی سے رکھے آگے بڑھتے چلے گئے تھے نہ تو وہ اس کی مزید کوئی بات سننا چاہتے تھے نہ ہی انہوں نے موقع دیا تھا شیٹ کو بند گلاس ڈور کی طرف پلٹ کر دیکھنے کا۔

وجود کے اندر تک اترتے گھیر سناٹے میں غوطے لگاتی وہ دھندلی نظروں سے گلاس پر ہاتھ لگائے باہر کی رونق چند لمحوں تک دیکھتی رہی تھی اور پھر پلٹ کر دھیرے دھیرے چلتی واپس اندر آ گئی تھی۔ نڈھال انداز میں سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ اپنے کمرے میں آئی تھی اور اپنا چہرہ عکس پر رکھ کر آنکھیں موند لی تھیں اس کا ذہن اس وقت بالکل خالی تھا کوئی سوچ دل و دماغ پر حاوی نہیں تھی چند لمحوں میں ہی وہ ارد گرد سے غافل ہو چکی تھی۔

☆☆☆☆☆

بند دروازے کے سامنے اس کے قدم زکے تھے۔ ایک بے بس کیفیت اس کی روح تک اترتی چلی گئی تھی۔ اسے یہ حق حاصل نہیں تھا کہ بے دھڑک اس بند دروازے کو کھول دے اس کے چہرے کو صرف نگاہوں سے چھو لے جو اس کی متاع حیات تھی۔ جلتی آنکھوں اور بوجھل قدموں کے ساتھ وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

بیڈ پر پھیلے کفٹس کے درمیان بیٹھی بنی اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

”چاچو! جلدی آئیں ہم یہ کفٹس کھولتے ہیں۔“ وہ اکیسا یئند ہو کر بولی تھی۔

”اس وقت نہیں بنی! مجھے نیند آرہی ہے۔“ بیڈ کے کنارے بیٹھتے ہوئے وہ تھکے تھکے انداز میں بولا تھا۔

”مگر میں تو آپ کا انتظار کر رہی تھی! ابھی دیکھیں ناں۔“ اس کی گردن میں بانہیں ڈالتی وہ لاڈ سے بولی تھی۔

”اچھا تم کھولو کفٹس میں دیکھتا ہوں۔“ کفٹس ایک طرف بنا کر اپنے لئے جگہ بناتے ہوئے وہ بولا تھا۔

”آپ کو پتا ہے ابھی پاپا نے ماما کو اتنا ڈانٹا تھا اور وہ ان سے ناراض بھی ہو گئے“ یعنی کے ’مضمومت سے کہنے پر وہ پوٹکا تھا۔

”کیوں ڈانٹا تھا پاپا نے؟“ وہ بچہ نکلتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔
 ”آئی نے آپ کے لیے جو کیک بنایا تھا ماما وہ لے کر آپ کے کمرے میں آ رہی تھیں تو وہ روک رہے تھے“ یعنی بتا رہی تھی جبکہ وہ سرعت سے اٹھ کر اسنڈی ٹیبل کی طرف گیا تھا اور کیک کے ساتھ رکھے سرخ اور سفید گلاب کے پھولوں کو اٹھ لیا تھا۔ پھولوں کے درمیان انکا خوبصورت سا گلابی کارڈ اس نے ٹبلت میں کھولا تھا۔

”کتنے برس گئے یہ جانتے ہیں

کہ میرے اندر تیرا ہونا کیا ہے

ایسا ہونا بھی چاہیے تھا

شام ہوتے ہی

چاند میں روشنی نہیں آ جاتی

رات ہوتے ہی

رات کی رانی مہک نہیں اٹھتی

شام اور روشنی کے بیچ

رات اور خوشبو کے بیچ

ایک ایسا لمحہ ہوتا ہے

جس کا ہماری زمین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا

اس آہانی لمحے نے

اب ہمیں چھو لیا ہے“

پتا نہیں کتنے لمحوں تک وہ کارڈ پر موجود خوبصورت لفظوں میں کھویا رہا تھا اور پھر مٹی کو دیکھا تھا جو قریب ہی کرسی پر چڑھی کیک سے کریم انگلی پر اٹھاتے ہوئے اسے کھانے میں مگن تھی۔

”ہنی! تم سارہ کے پاس گئی تھیں؟“ وہ پوچھ رہا تھا۔

”ماما نے منع کیا تھا کہ انہیں تنگ نہ کروں ان کی طبیعت ٹھیک نہیں مگر میں نے ان کے کمرے میں جھانکا تھا تب وہ سو رہی تھیں“۔ کیک سے توجہ ہٹائے بغیر وہ بتا رہی تھی۔

”تو پھر یہ فلاورز کہاں سے آئے؟“ اس نے پوچھا تھا۔ جواباً ہنی نے لائٹ سے شانے اچکائے تھے۔ چند لمحوں تک وہ ان تروتازہ پھولوں کو دیکھتا رہا تھا اور پھر ان کی دلچسپ مہک سانسوں میں اتارتا ٹیبل کے پاس سے ہٹ گیا تھا۔ ایک اضطراب کی سی کیفیت اس کے دل میں بڑھتی جا رہی تھی اس کیلئے یقین کرنا مشکل تھا کہ وہ سارہ کو اس طرح بھی ڈی گریڈ کرنے کی کوشش کریں گے اسے اس حد تک زچ کریں گے کہ خود وہ بھی اپنے آپ سے نظر ملانے کے قابل نہیں رو گیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح سارہ کا سامنا کرے گا اور سامنا ہو جانے پر کیا اس سے معذرت کے دو لفظ بھی کہہ سکے گا۔؟

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆

انعم خان

قسط نمبر 3۔

مکمل ناول

اسی دن میں ہوئی

”پڑھنے پڑھانے میں کیا رکھا ہے کاش ڈرعدن آپ مجھے پہلے ہی بتائیں آپ نے تو مجھے دیوانہ بنا دیا ہے۔“ وہ تمام نکاح کے سامنے اس پر حال دل منکشف کرنے لگی۔

”سریہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“ وہ عاجز آ گئی۔ ایسا کبھی اس کے ساتھ ہو گا یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔
بے بسی سے دوستوں کی طرف دیکھا۔

”مابھی مستبشرہ اور معطر سمیت سب حیران تھے ایسے میں سر نے بنا چنگچاہٹ کے اپنی بات جاری رکھی۔
”بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔۔۔۔۔ مجھے تم سے دیوانگی کی حد تک محبت ہو گئی ہے۔“ پھر کہتے ہوئے اس کے قریب چلے آئے۔

”سر! آپ کو اپنے رتبے کا لحاظ رکھنا چاہیے۔“ سر کی حرکت پر وہ رو دینے کو تھی یوں بھلا کب کسی کے ساتھ
ہوا تھا جو آج اس کے ساتھ ہو رہا تھا بھی حواس کو قابو کرتی سختی سے بولی۔

”ڈرعدن۔۔۔۔۔ اول یومیری می؟“ جبکہ وہ کوئی بھی اثر لائے بنا اس کے سامنے دست سوال دراز کر گئے۔
”سر! آپ مجھے نارج کرنے کی کوشش کر رہے ہیں میں آپ کی پرنسپل سے کسپین کروں گی۔“
”ضرور۔۔۔۔۔ مگر مجھے بھی آپ کے پاس اپنے دل کی کسپین لکھوانی ہے جسے آپ نے پہلی ہی نظر میں مجھ سے چرا
یا ہے۔“ وہ شوخ ہوئے۔



”پلیز سر.....!“ اگلے ہی پل وہ بے بسی کی انتہا کو چاہتی تھی۔

”اوکے..... لیکن محبت کرنا کوئی جرم تو نہیں ہے میں آپ کے سامنے سب اسٹوڈنٹس سے پوچھتا ہوں کہ کیا مجھے اپنے دل کی بات دل میں دبا کر رکھنی چاہیے۔“ وہ کلاس کی طرف متوجہ ہوئے۔

”نوسر.....!“ اسٹوڈنٹس کو تو بپا میسے خرچ کیے ذرا مدد دیکھنے کو ملا تھا سونے سے بولے۔ وہ مسکرائے۔

اس کی تینوں دوستوں نے فی الوقت خاموش رہنے پر ہی اکتفا کیا۔

”سر! آپ جد سے بڑھ رہے ہیں تین دن بعد میری انجمنٹ ہے آپ یہ پیار محبت کی باتیں مجھ سے نہ کریں تو ہی اچھا ہے اگر پرنسپل کو پتہ چل گیا تو آپ کی جاب بھی جاسکتی ہے۔“ وہ اب خود کو مضبوط ظاہر کرتی آخر میں انہیں باور کروانے لگی۔

”مجھے پرواہ نہیں..... اور ویسے بھی انجمنٹ تین دن بعد ہے ابھی ہوئی نہیں ہے۔“ وہ اپنے موقف پر ڈٹے ہوئے تھے۔

پوری کلاس ایک عجیب و غریب صورتحال سے خوب لطف اندوز ہو رہی تھی۔ سر کے چہرے پر بھی عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

”سر! آپ اچھا نہیں کر رہے۔“

”اچھا تو آپ بھی نہیں کر رہیں میرے ساتھ۔“ دوبدو جواب دیا۔

”سر پلیز.....“ وہ رودی جیسی وہ کچھ بوکھلا سے گئے۔

”سوری ڈرعدن پلیز..... رومست۔“ مگر وہ اپنی جگہ پر بیٹھ کر مزید بے بسی سے رونے لگی مایا اٹھ کر اس کے قریب آئی اسے چپ کرانے کی کوشش کی۔

”خالہ.....! یاد اندر آؤ یہاں تو سب الٹ ہو گیا ہے۔“ جیسی وہ دروازے کی جانب لپکے۔ اتنے میں سر خالہ اندر آئے تمام اسٹوڈنٹس حیران پریشان سے اٹھے انہیں سلام کیا۔ وہ ڈرعدن کے قریب آئے۔

”کم آن ڈرعدن.....! رومست! اٹھو شاباش۔“ اسے چپ کروایا۔

”سر آپ.....!“ مستبشرہ بھی حیران تھی۔

ڈرعدن نے آنکھیں صاف کیں اور اٹھ کھڑی ہوئی کہ سر خالہ کی دہشت سے اس نے کبھی اُن کی بات کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔

”سر! آپ یہاں ہیں تو یہ کون ہیں؟“ مایا نے پوچھا۔

”یہ میرا کزن اور دوست ہے عامر..... ابھی جو کچھ ہوا وہ محض ایک مذاق تھا میں آپ سب کو بتاتا چلوں کہ ٹھیک تین دن بعد عامر کی انجمنٹ ہونے والی ہے ڈرعدن سے جب میں نے عامر کے یہاں آنے کے بعد اسے بتایا کہ ڈرعدن میری کلاس میں پڑھتی ہے تب عامر نے یہ سب پلان کیا اینڈ ڈیر اسٹوڈنٹس! یہ سب مذاق تھا میں امید رکھوں گا کہ آپ میں سے کوئی اس بات کو کلاس سے آؤٹ نہ کرے۔“ وہ اپنے مخصوص سنجیدہ لہجہ میں پوری کلاس سے مخاطب ہو کر اصل بات بتانے لگے جہاں سب حیران ہوئے تھے وہیں سر خالہ کو یقین دلایا کہ کلاس کی بات باہر نہیں نکلے گی البتہ ڈرعدن تمام صورتحال سننے کے بعد ہکا بکا نظریں جھکا گئی البتہ عامر کی حرکت سے آنے والے غصے پر شرم غالب آچکی تھی۔

”آج آپ سب میری طرف سے فری ہیں اور ڈرعدن آپ میرے ساتھ آئیں مجھے آپ سے کچھ بات کرنی

ہے۔“ سر خالہ نے آج پہلی مرتبہ سب کے چہروں پر مسکراہٹ سجا کے انہیں خوش کیا پھر ڈرعدن سے کہتے کلاس روم سے باہر نکل گئے۔ مستبشرہ مدد روش اور معطر نے ایک دوسرے کو دیکھا اور مسکرا دیں۔

ڈرعدن نے سر خالہ کی پیروی کی عامر بھی ان کے پیچھے لپکے سر خالہ نے ڈرعدن کو آرام سے سب سمجھایا اس کے غصے کو کول ڈاؤن کیا اور جب وہ ریٹیکس ہوئی تب اسے عامر کے حوالے کر کے چلے گئے۔

”آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا..... میں تو پریشان ہو گئی تھی اور سب کیسے مزے مزے سے مجھے دیکھ رہے تھے جس رہے تھے۔“ کچھ جھجکتے ہوئے ڈرعدن نے اس سے شکوہ کیا۔

”ہوں جانتا ہوں پر میں تمہیں سر پرانز دینا چاہتا تھا اپنی تمہاری پہلی ملاقات کو یادگار بنانا چاہتا تھا۔“ وہ دھیرے سے مسکراتے ہوئے بولا۔

”ہاں اب تو یہ ملاقات مجھے ساری عمر یاد رہے گی مجھے کیا سب کو یاد رہے گی۔“ وہ بھی ہنستے ہوئے بولی۔

”اب تم سے ایک بات پوچھوں جواب ابھی ہی دو گی؟“ وہ فوراً بات بدلنے لگا۔

”جی پوچھیں۔“ عدن نے خاصے شرمیلے لہجے میں اجازت دی۔

”ڈرعدن.....! اول یومیری می۔“ عامر نے اس کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے جذب سے پوچھا جیسی اقرار کے طور پر ڈرعدن نے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔ دونوں کے لب مسکرا دیئے۔

ڈرعدن کا بعد میں تینوں نے خوب مذاق اڑایا جبکہ وہ دل و جان سے عامر کی گرویدہ ہو چکی تھی اور اب اس کی سگت میں مستقبل کے لیے حسین درنگین سننے دیکھنے کو بالکل تیار تھی۔

دوسری طرف علی آیان حسن گیلانی، مستبشرہ جمال کی محبت میں دیوانہ ہوا جارہا تھا جبکہ وہ مجبوراً اس کے ساتھ ہنستی مسکراتی کسی مناسب وقت کا انتظار کر رہی تھی۔ البتہ علی کے سنگ گزرتے پل پل میں وہ جان چکی تھی کہ علی حقیقتاً اسے اپنی جان سے زیادہ چاہتا ہے اور اسی کو سنگ کیے تصور میں مستقبل کا نقشہ کھینچنے چلا جا رہا ہے جسے فی الوقت وہ چاہتے ہوئے بھی روک نہیں پارہی تھی۔

☆.....☆.....☆

رات کافی گہری و خاموشی تھی مدد روش نے کروٹ بدلی مستبشرہ جانے کب کی سوچتی تھی مگر آج فیند مایا کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی اس کے دل و دماغ میں سوالات و خیالات نے ہلچل مچائی ہوئی تھی لاکھ کوشش کے باوجود وہ اپنی منتشر سوچوں کو منجمد کرنے میں ناکام رہی تو اٹھ بیٹھی مراد منصور کی یونیورسٹی آمد نے جہاں اس کے چونکنے میں اہم کردار ادا کیا تھا وہیں دوبارہ ملنے کی بات اسے مزید حیران کر گئی تھی گزرتے تین سالوں کی رنجش سے پہلے بھی ان کے درمیان کبھی سلام دعا سے زیادہ گفتگو نہیں ہوئی مراد شروع سے تنہا کی پسند اپنی ذات میں گم رہنے والا بندہ تھا لیکن اب کی ملاقات میں اس کا لب و لہجہ سوچ و خیالات تک بدلے ہوئے تھے مایا نے پھر سے لیٹتے ہوئے آنکھیں بند کیں البتہ ذہن و دل ہنوز اپنی سوچوں میں غالطیاں تھیں انہی سوچوں میں خواستہ پتہ نہ چلا کہ کب فیند کی مہربان دیوی نے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

صبح اس کی آنکھ کھلی تو مستبشرہ تیار ہو رہی تھی اُنھتے ہی گفتگو باتونی سی مایا کو پسند نہ تھی اسی لئے مستبشرہ نے محض ایک پیاری سے اسماں اس کی طرف پاس کی پھر اپنے کام میں مصروف ہوئی مایا فریٹش ہونے چل دی۔

آج بھی مستبشرہ اس سے باتیں کر رہی تھی مگر جو ابادہ صرف ہوں ہاں میں مختصر سا جواب دیتی مستبشرہ نے پوچھا بھی مگر وہ بات گول کر گئی۔ تمام وقت ذہن میں رات والی سوچوں کا رانج رہا پیر یڈ بھی غائب دماغی سے امینڈ کئے اور

باتوں میں حصہ لئے بنا دوستوں کی گپ شپ سختی رہی مراد نے اسے اپنے آنے کا وقت بتایا تھا سو وہ کچھ دیر بعد بہانہ کرتی دوسری طرف چلی آئی جہاں مراد منصور پہلے ہی سے موجود اس کا انتظار کر رہا تھا سلام دعا حال احوال پوچھنے کے بعد وہ دونوں ایک سائیڈ پر بیٹھ گئے مراد نے بغور اسے دیکھا وہ شاید ذہن میں لفظوں کے تانے بانے بنتی الجھن جھجک میں اپنے بھٹی ہاتھ کی انگلیاں مروڑے جا رہی تھی۔

”تم نے میرا انتظار کیا تھا؟“ مراد نے اسے حال میں لانے کے لئے آہستگی سے استفسار کیا اور جواب کا انتظار کرنے لگا۔ مروڑے کچھ نہ بولی دل ہی دل میں حیران ضرور تھی۔

”میں نے تم سے دوبارہ ملنے کے لئے دل سے انتظار کیا۔“ وہ خود ہی بولا۔

”کیوں؟“ اس بار بے ساختہ اس کے لب ہلے دل میں کچھ ہوا غیر یقینی طور پر ساعتیں کچھ خاص سننے کو تیار تھیں۔

”مجھے ہمیشہ سے تم سے ملنا بات کرنا اچھا لگتا تھا۔“ سنجیدہ سے مختصر جواب دیا۔ وہ قدرے متعجب ہوئی کیونکہ مراد نے اس سے پہلے بھی ایسی کسی بات کا اظہار نہیں کیا تھا۔

”میرا دل چاہتا ہے سب کچھ پہلے جیسا ہو جائے۔“ وہ پرسوج لہجے میں بات بدلتا گویا ہوا۔

”کیا ایسا نہیں ہو سکتا مروڑے کہ ہمارے گھروں میں تعلقات پھر سے استوار ہوں؟“ وہ مایہ سے پوچھنے لگا۔

”ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہوگا۔“ وہ اتنا ہی بولی۔

”ہاں..... ویسے بھی کسی ایک کی وجہ سے خونی رشتے جدا نہیں ہو سکتے جو ہوا ٹھیک نہیں تھا مگر پھر سے ٹھیک کیا جاسکتا ہے۔“ وہ اپنی دھن میں کہتا وقار کی ذات پر طنز کر گیا۔

”ابواب بھی پچھو سے شرمندہ ہیں وقار بھائی سے بات تک نہیں کرتے انہی کی وجہ سے ابو اور پچھو آج ایک دوسرے سے دور ہیں۔“ مروڑے افسردہ و طویل تھی۔

”ای اب بھی ماموں سے متنفر نہیں ہیں مروڑے! انہیں تو گلہ صرف وقار سے ہے جس نے خود ادینہ سے شادی کی خواہش ظاہر کی پھر شادی کے قریب خود ہی مکر گیا کتنی شرمندگی اٹھانی پڑی تھی ہمیں۔“ وہ ایک ہی جست میں پرانی باتیں چھیڑ گیا پھر مزید بولا۔

”اگر عین وقت پر معید ادینہ سے شادی کے لئے نہ کہتا تو ہم لوگ کسی کومند دکھانے کے قابل بھی نہ رہتے۔“

”وقار بھائی اب تو پچھتاتے ہیں لیکن شکر ہے ادینہ اب اپنے گھر میں خوش ہے۔“ مانی نے سنجیدہ ہوتی فضا کو نارمل کرنے کے لئے بات بدلی۔

”ہاں شکر ہے اللہ کا..... اگلے ہفتے میں واپس جا رہا ہوں اور مروڑے جانے سے پہلے میں تم سے کہیں باہر ملنا چاہتا ہوں بہت ضروری بات کرنی ہے تم سے..... جس سے شاید تمام الجھنوں کا سلجھاؤ مل جائے۔“ وہ گویا ہوا۔

”جی مگر..... باہر ملنا ناممکن ہے دارڈن بہت سخت ہیں ابو یا بھائی کے علاوہ کسی سے ملنے نہیں دیتیں۔“ اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواز اٹھایا۔

”ہاں پر ہم یونیورسٹی آؤر میں تو مل سکتے ہیں ناں میں جانے سے پہلے تمہیں دن بتا دوں گا تم اس دن کوئی کلاس مت لینا کیونکہ میرا تم سے ملنا بہت ضروری ہے۔“ مراد نے مل پیش کیا مانی نے کئی ہل سوچنے میں گزارے۔

”اوکے۔“ پھر آہستگی سے بولی۔

”تھینکس..... چلتا ہوں اپنا خیال رکھنا۔“ وہ تشکر سے مسکراتے ہوئے چلا گیا مروڑے بھی دوستوں کی جانب نکل دی ایگز امزدن بدن قریب آتے جا رہے تھے ایسے میں مستبشرہ نے اپنے پلان کے مطابق جلدی علی آیان کے سامنے اقرار محبت کر لیا۔

”تھینک یو سوچ مستبشرہ! تم نہیں جانتیں آج تم نے مجھے نئی زندگی دی ہے۔“ علی بہت خوش تھا۔

”جانتی ہوں محبت کبھی بے مول نہیں ہوتی جلد یا دیر سے اپنا آپ منوالیتی ہے۔“ اب اقرار کرنے کے بعد وہ کم از کم ایسے جملے بولنے پر مجبور ہو چکی تھی۔

”جانتی ہوں..... اگر تم مجھے نہ ملتیں تو میں مرجاتا۔“

”اپو سبیل! کوئی کسی کے لئے مر بھی سکتا ہے؟“ وہ قدرے حیران ہوئی علی کی سوچ اسے اس کی محبت کی طرف شدت میں جکڑی نظر آئی۔

”لگن اگر سچی ہو تو ایسا ممکن ہے اور تم میرے لئے اتنی ہی اہم ہو جتنا کہ جسم کے لئے روح۔“ وہ دل کی سچائی کو زبان پر لایا۔ مستبشرہ نے بغور اس کے پیکر محبت کو دیکھا جس کی دیوانگی و محبت کا ہر ہر رنگ اس کی آنکھوں سے ٹپک رہا تھا وہ پہلی ملاقات میں ہی اندازہ لگا گئی تھی کہ علی کوئی دل پھینک لڑکا نہیں ہے اس کا لب و لہجہ انداز و بیان ہمیشہ مخصوص حدود کے اندر رہا نہ اس نے کبھی بے باک بات کی نہ گھٹیا سطح معیاری جملہ اپنی محبت کے لئے زبان پر لایا اور یہی بات تھی جو مستبشرہ جمال اس کے ساتھ سے اکٹھا ہٹ یا کٹھی قیل نہیں کرتی تھی ہاں البتہ علی کی بے ریا پائیزہ محبت کے برعکس اپنی چھوٹی و بامقصد ترتیب شدہ محبت اسے اکثر بیزار و نادام کر دیتی۔

”علی..... آہستگی سے اسے پکارا۔

”ہوں.....؟“ وہ ہمدن گوش ہوا۔

”تم جذبوں کی سچائی پر کتنا یقین رکھتے ہو؟“ پھر سپاٹ و سنجیدہ لہجے میں استفسار کیا۔

”مطلب.....؟“

”مطلب تمہارے نزدیک محبت کیا ہے؟“

”زندگی۔“ اب کے مختصر جواب دیا پھر بات مزید آگے بڑھائی۔

”اور تم میری زندگی ہو مستبشرہ۔“ انداز چاہت بھرا سچائی سے لبریز تھا۔

”ہوں..... یقیناً محبت زندگی کی جواز ہے۔“ وہ ناچار بولی۔

”پتہ ہے میں نے ہمیشہ تصور میں ہی تمہارے سنگ باتیں کی تھیں خواب میں تم سے ملاقاتیں کی تھیں اور ڈرتا تھا کہ خواب ٹوٹ نہ جائے لیکن تمہارے اقرار نے مجھے محبت سمیت امر کر دیا ہے سوچتا ہوں اگر تمہاری سنگت کے خواب نہ دیکھتا تو شاید عمر بھر یکطرفی کا روگ پالے رکھتا جانتی ہو میں اس وقت خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان تصور کر رہا ہوں جس کے سامنے اس کی زندگی ہنستے مسکراتے کھڑی اسے اسی کی نظروں میں سرخرو و معتبر کر گئی ہے۔“

”مجھے محبت میں ایسی دیوانگی بڑی عجیب لگتی ہے علی۔“ وہ صاف گوئی سے بولی۔ بے شک وہ اس کی دیوانگی کی قائل ہو چکی تھی مگر دل و دماغ سے اس کی محبت کو مانتے ہوئے بھی موم نہ ہو سکی سودل ہی دل میں اسے سخت سنایا۔

”عجب ہے۔“ جبکہ وہ حیران ہوا۔

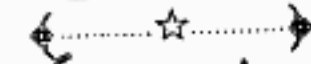
”لڑکیاں تو ایسی محبت کے لئے جان تک قربان کر دیتی ہیں۔“ پھر سنجیدگی سے بولا۔

”تو تم مجھے ان لڑکیوں جیسا سمجھتے ہو جو کسی بھی ایرے غیرے کی محبت کی جھوٹی چچی باتوں پر آنکھیں بند کئے یقین کرتیں ہیں۔“ یک دم وہ سخت ہوئی، علی کی بات کا جو مفہوم اس نے نکالا وہ اسے غصہ دلا گیا۔
”برگز نہیں۔“ علی دوہا دہا بولا۔

”پھر میرے سامنے ایسی لڑکیوں کی مثال کیوں دی تم نے؟“ حقیقتاً اسے علی کی بات ناگوار گزری تھی سو اب دو ٹوک پوچھا۔

”بس یونہی بٹ ایم سوری۔۔۔ تم مجھے ہمیشہ ایسی لڑکیوں سے مختلف لگتی تھی اسی لئے اظہار میں دیر کی ہمیشہ تمہیں دور سے دیکھا۔“ جس پر علی نے معذرت کے ساتھ صفائی بھی پیش کی۔

”مستبشرہ نے کچھ سوچتے ہوئے موڈ درست کیا اور مسکرا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے چپ رہنے پر ہی اکتفا کیا“ کیونکہ جی اپنی ایسی جھوٹی نائک بھری محبت سے مزین باتوں سے اکتانے لگا تھا۔ لیکن اس دوران وہ بالکل بھی یہ نہیں سوچتی کہ وہ جو کر رہی ہے بعد میں اس کے نتائج علی کے حق میں کتنے سنگین ہو سکتے ہیں اسے فکر تھی تو ہر حال میں اپنے بابا سے کئے وعدے کو نبھانے کی ان کے مان کو سامان بخشنے کی وہ ایک فرمانبردار اطاعت گزار بیٹی کے روپ میں ڈھلنے کے لئے کسی بھی جذبات و احساسات کو پروان چڑھانے کی سوچ بھی گناہ سمجھتی تھی ہر حال میں ثابت قدم رہنا چاہتی تھی یہ نہیں تھا کہ وہ ایک بے حس یا پتھر دل لڑکی تھی لیکن کسی وجہ کے سبب ہی سہی مگر وہ موم بن کر ہرگز بھی پگھلنا نہیں چاہتی تھی اور اس کے لئے ضروری تھا کہ علی آیان حسن گیلانی کی محبت کے زور شور سے بڑھتے طوفان کو بڑی بے دردی سے روک دیا جائے جس کے لئے وہ دوستوں کے منع کرنے کے باوجود بھی تیار تھی اور کسی بھی مناسب وقت کے انتظار میں تھی۔



در عدن کی انکجھٹ ہوئی تو وہ آئے دن یونیورسٹی سے آف رہنے لگی وجہ عام تھا۔
”تم نے یونیورسٹی کو مذاق ہی بنا لیا ہے عدن۔“ جس پر معطر اس پر کھلا طنز کرتی۔
”لگتا ہے ملگنی نہیں شادی ہو گئی ہے محترمہ کی۔“ مستبشرہ بھی اپنا حصہ ضرور ڈالتی۔
”کیا کروں یار! ہفتے بعد عامر واپس چلے جائیں گے ان کی خواہش ہے کہ جب تک میں کچھ وقت ان کے ساتھ گزاروں۔“ وہ کچھ شرمناک جواب دیتی۔

”ویسے اس دن تم کو عامر نے خوب لیا تھا بڑی بہادر بنی پھرتی تھی پل بھر میں رو گئی تھی۔“ معطر نے اسے یاد دلایا۔

”ہاں وہ تو بس۔۔۔۔۔ مجھے تھوڑی اصل بات پہنچتی تھی میرے نزدیک وہ نئے پتھر تھے اور پہلی ہی ملاقات میں پیار محبت شادی کی باتیں بھلا یوں بھی کبھی کسی کے ساتھ ہوا ہے۔“ وہ بنا کر اداسے بولی مائی جو غائب دماغی سے اسے سن رہی تھی دھیرے سے مسکرائی۔

”اب کیا کہو گی ان کے بارے میں؟“

”یہی کہ وہ بہت اچھے ہیں۔“ ایک اداسے جواب دیتی در عدن کھلکھلا کر ہنسی باقی سب نے اس کا ساتھ دیا۔
دن یونہی گزرتے رہے سب اپنی اپنی زندگی کے نئے آتے موڑ پر گامزن تھیں ایسے میں مدروش جانے انجانے مراد منصور کی طرف سے کسی بھی دن ملاقات کا انتظار کر رہی تھی اس کی سوچوں میں ہر وقت انتشار پھیلا رہتا وہ چپ چاپ گم سم ٹھہری رہتی جسے کم از کم مستبشرہ نے پل بھر میں محسوس کر لیا۔

”کیا بات ہے مائی؟“ اور رات سونے سے قبل اس سے پوچھا۔
”کچھ نہیں۔“

”پھر آج کل یوں چپ چاپ کیوں رہتی ہو؟“ اسے کریدا۔

”ایسے ہی۔“ وہ کسی کوئی الوقت کچھ بتانا نہیں چاہتی تھی سو ٹالنے کے انداز میں بولی۔

”نہیں کوئی بات تو ہے۔“ لیکن وہ دوست تھی اس کی اتنی آسانی سے ٹلنے والی نہیں تھی جرح کی۔

”کوئی بات بھی نہیں ہے ڈیئر فرینڈ! گیزامز قریب آتے جا رہے ہیں بس اسی فکر میں ہوں۔“ مدروش بولی۔

”سچ میں یہی بات ہے؟“ وہ قدرے یقین کرتے ہوئی بھی بے یقین تھی۔

”ہوں سچ میں۔۔۔ ایک اور بات بھی ہے۔“

”اچھا۔۔۔۔۔ کوئی بات؟“ مستبشرہ متوجہ ہوئی۔

”یہ ہمارا یونیورسٹی میں آخری سال ہے چار سال کا عرصہ کتنی جلدی سے گزر گیا ہے ناں ہم چاروں کی دوستی ایک دوسرے کو دل سے کتنا قریب کر گئی سوچتی ہوں کہ جانے پھر یہاں سے جانے کے بعد آپس میں کبھی مل بھی سکیں گے یا نہیں۔“ وہ بتاتے ہوئے آخر میں افسردہ سی ہوئی۔

”ہوں کیا پتہ۔۔۔۔۔ اور دیکھو تو چاروں رہتے بھی الگ الگ شہر میں ہیں جہاں نہ روز کا آنا جانا ممکن ہے نہ مسلسل رابطہ رہنا میرا تو دل ابھی سے اداس ہوئے جا رہا ہے میں سچ میں تم سب کو بہت مس کروں گی۔“ مستبشرہ بھی سنجیدہ مگر قدرے ملول ہوئی۔

”میں بھی۔“ مائی نے مختصر کہتے ہوئے لب و لہجہ میں اپنائیت کے تمام رنگ اتارے۔

اگلے کئی دن مائی نے مزید انتظار میں گزارے مگر نہ مراد آیا نہ اس کی جانب سے کوئی پیغام وہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اسی بابت سوچے گئی دل ہی دل میں پریشان ہوتی رہی مراد نے اپنے واپس جانے کا جو دن بتایا تھا وہ بھی آیا اور بیت گیا اور یہی بات اسے بہت کچھ سوچنے پر اکساتی رہی! گیزامز میں کبھی کبھار ہی عرصہ رہ گیا تھا اس نے اسی بہانے سوچوں کی یلغار سے چھٹکارا پانے کے لئے کتابوں کا سہارا لے لیا۔

”لگتا ہے مائی اس مرحلے پر ٹاپ کرنے کے موڈ میں ہے۔“ عدن نے اسے کتاب میں سرکھپاتے دیکھا تو جھٹ بولی مدروش نے نظر اٹھا کے اسے گھورا۔

”اگیزامز سر پر ہیں اب پڑھوں بھی نہ۔“

”کم از کم جب ہمارے ساتھ بیٹھو تو یہ گستاخی ہرگز مت کرؤ۔“ معطر نے شاہی انداز میں کہتے ہوئے بک اس کے ہاتھ سے لے لی۔

”کیونکہ یہاں معافی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔“ مستبشرہ نے معطر کا جملہ مکمل کیا۔

”مطلب؟“ وہ حیرت سے بولی۔

”فرینڈز کے درمیان ایسی گستاخی کی سزا تو تمہیں ملے گی۔“

”کیسی سزا؟“ وہ کچھ نہ سمجھی۔

”کیوں نہ ہم یونیورسٹی کے ان آخری دنوں کو یادگار بنائیں۔“ مستبشرہ نے کہا کہ لطف اندوز ہونے کے لئے وہ بہت کچھ سوچ چکی تھی۔

”ہاں واقعی۔“ باقیوں نے اس کی تائید کی۔

”پر کیسے؟“ عدن نے پوچھا۔

”بتاتی ہوں۔ تو سب سے پہلے مائی تمہاری باری ہے۔“ وہ اثبات میں سر ہلاتی مردوش سے مخاطب ہوئی۔

”کیا کرنا ہوگا مجھے؟“ مردوش نے پوچھا۔

”وہ جو سامنے سے عالیہ آرہی ہے تم کسی بھی طرح آج اس کو رلا کر دکھاؤ اینڈ ماسٹڈاٹ یہ تمہاری گستاخی کی سزا بھی ہے۔“ مستبشرہ اپنے مخصوص لاپرواہ مگر پرشوش انداز میں اسے اس کا ٹاسک بتانے لگی۔

”ناں یار! وہ تو اپنی کلاس بلکہ پوری یونیورسٹی میں سب سے بدھوسکین سی ہے بے چاری بات شروع کرنے سے پہلے ہی رو جائے گی کوئی اور دیکھو ارد گرد۔“ معطر نے مائی سے پہلے کہتے ہوئے اطراف میں نظر دوڑائی۔

”ارے کیسی سزا ہے۔“ جبکہ مائی انکاری تھی۔

”بہت انٹرسٹنگ ہے ڈیر مزرہ آئے گا۔“ عدن محفوظ ہوئی۔

جہاں ایک پڑھا کوڑا کا آنکھوں پر مونے مونے چشمے چڑھائے کدھ سے بیک لٹکائے دونوں ہاتھوں میں کئی کتابیں اٹھائے ارد گرد سے بالکل بے نیاز بڑی مستانہ چال چلتا کوریڈور کی طرف جارہا تھا۔

”ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔“ مستبشرہ نے فی الفور عالیہ کا خیال ترک کرتے ہوئے چپک کر حامی بھری۔

”اب کیا کرنا ہوگا مجھے۔“ جیسی مائی نے دل و ذہن سے تمام سوچوں کو جھٹکتے ہوئے خود کو نارمل کرتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں گیم کا حصہ بنتے ہوئے دل و جان سے استفادہ کیا۔

”تمہیں کسی بھی طرح اسے گرانا ہوگا۔“ عدن نے بتایا۔

”مگر کیسے۔“ وہ قدرے چونکی۔

اتنا سیدھا سادہ بندہ ان کے مذاق کا نشانہ بننے جارہا تھا۔

”یہ تمہارا کام ہے تمہی جانو۔“ وہ سب لاپرواہ نہیں تھیں جیسی مردوش نے سب کچھ فوراً سے ذہن میں ترتیب دیا اور نہایت خطرناک انداز میں انہی اور آگے بڑھی پھر جلدی سے اس لڑکے کی مخالف سمت پٹنی اور چال میں تیزی لائی وہ لڑکا ہنوز بے نیاز و بے فکر آگے ہی آگے آ رہا تھا مائی نے اس کے قریب پہنچتے ہی اپنی ٹانگ اس کی راہ میں حائل کی نتیجتاً اس کے قدم ڈمک گئے ہاتھ سے کتابیں چھوٹ کر زمین بوس ہوئیں لیکن اس سے پہلے کہ وہ خود زمین بوس ہوتا پلر کا سہارا لے کر خود کو بچا گیا اور فوراً سے پہلے گرتے چشمے کو سنبھالنے لگا پھر بوکھلا کر مردوش کی طرف دیکھا۔ مردوش نے بمشکل اپنی جسی روکتے ہوئے سرعت سے معصومانہ چہرہ بناتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

”سوری برادر۔“

”اے اس اوکے۔۔۔۔۔ سسر۔“ وہ عجب کھوئے سے انداز میں محض اتنا ہی بولا اور زمین پر پڑی بکس اٹھانے لگا البتہ قریب سے گزرتے کئی لڑکوں نے بلند قہقہے فضا میں بکھیرے۔ مردوش اس کے ساتھ بکس اٹھانے کی زحمت کو اٹھوڑ کرتی فوراً سے پہلے وہاں سے کھسکی وہ تینوں اس کو سب کرنا دیکھ چکی تھیں سو اس کے آتے ہی اسے داد دی۔

”اچھا اب کس کی باری ہے؟“ مائی نے سوال کیا۔

چاروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا سوالیہ نظروں سے پھر معطر کی طرف دیکھتے ہوئے تینوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے منتخب کیا وہ خود کو گیم کا حصہ سمجھتی تھی سو تیار تھی۔

”کیا کرنا ہوگا مجھے؟“ استفادہ کیا۔

تو ان تینوں نے ارد گرد متلاشی نظر دوڑائی اتنے میں پاس سے لڑکیوں کا ایک گروپ گزرا جو کافی تیز طرار اور لڑاکا طبیعت کی مالک تھیں جن میں سے ایک طوبی نامی لڑکی ٹھیک ٹھاک اونچی پونی کئے بڑی نزاکت سے اپنے بالوں کو جھٹکتی نخرے سے چل رہی تھی ان تینوں نے بیک وقت ایک ہی بات سوچی جسے مستبشرہ نے زبان دی۔

”تمہیں طوبی کے بالوں کو پونی کی قید سے آزاد کرنا ہوگا۔“ مستبشرہ بتانے لگی۔

”نہیں یار! وہ تو اس حرکت پر مجھے جان سے مار دے گی۔“ معطر نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

”تو کیا تمہارے ہاتھ پیر نہیں ہیں تم بھی اسے مارنا۔“ عدن نے اسے معنوی غصے سے لڑا۔

معطر نے بے بسی سے سب کی طرف دیکھا لیکن دیئے گئے چیلنج کو قبول کرنا اب اس کی مجبوری تھی کیونکہ باقی تینوں نے اس کی سادہ طبع و بے بسی کو سرے سے انکور کرتے ہوئے اسے ہاتھ کے اشارے سے دو منٹ کے اندر اٹھنے کا اشارہ کیا۔

چارو ناچار وہ انہی وہ عجب جینی قلبی کشش کے ساتھ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے بڑھی بار بار پیچھے بھی دیکھا انہوں نے ہمت بندھانے کے ساتھ اس کی طرف آنکھیں بھی نکالیں وہ ہمت کر کے آگے بڑھی اور قریب پہنچتے ہی بنا کوئی لمحہ ضائع کئے سرعت سے طوبی کی پونی کھینچتی اس کے بالوں کو دیئے گئے چیلنج کے مطابق ہوا کے دوش آزاد چھوڑ گئی اس اچانک افتاد پر طوبی نہایت غصیلے تیروں سے مڑی جہاں معطر نے کمال ہوشیاری سے چہرے پر حیرت مجتمع کی۔

”اوہ سوری! میں تمہیں اپنی دوست عدن سمجھ کر۔۔۔۔۔ مجھے نہیں پتہ تھا طوبی! کہ یہ تم ہوگی۔“ معصومانہ و معذرت

خواہانہ لہجے میں معطر نے اپنی طرف سے بھرپور شرمندگی ظاہر کی۔

طوبی اصلیت سے ناواقف اس کے ایکسکوز سے بھی اپنی لڑاکا طبیعت کی باعث خود پر کنٹرول نہ کر سکی معطر کو خوب سناٹیں لعنت ملامت کی البتہ مارنے سے گریز کیا جس پر معطر نے دل میں لاکھ شکر ادا کیا کہ تھپڑ مارنے سے فی الفور بچت ہوئی تھی طوبی اسے مزید کھری کھری سنا کر اس کے ہاتھ سے پونی کھینچتے ہوئے چلی گئی جبکہ وہ واپس ان تینوں کے پاس آئی۔ جو تمام صورتحال کو براہ راست خوب انجوائے کرتیں قہقہے فضا میں بکھیر رہی تھیں۔

اب عدن کی باری تھی اور اسے جو چیلنج ان تینوں نے دیا وہ اسے چکرا کر رکھ گیا کیونکہ اسے سرخالد کو ان کے پورے پیریڈ میں باتوں میں لگائے رکھنا تھا تاکہ آج وہ کوئی ٹیکر نہ دے سکیں جس پر اس نے خوب احتجاج کیا۔

”تم لوگ مجھے سرخالد کے ہاتھوں ایک نہ ایک دن ضرور مرواؤ گی میں ہی ہمیشہ ان کے عتاب کا نشانہ بنتی ہوں اور اب تو وہ عامر سے بھی کچھ نہیں چھپائیں گے نہ ہی رشتے داری کا کچھ لحاظ رکھیں گے۔“ وہ رد دینے کو تھی ان تینوں نے اس کی ایک فریاد نہ سنی سو مجبوراً وہ ان کی بات ماننے کو تیار ہوئی اور اگلے پیریڈ میں سرخالد کے آتے ہی ان سے باتوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ چھیڑا سرخالد وہابی تمام لڑکے لڑکیاں اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھتے رہے سرخالد نے کئی مرتبہ اسے خاموش بیٹھنے کو کہا مگر وہ سنی ان سنی کرتی بغیر بریک کے چلتی رہی نہ سرخالد کو ٹیکر اشارت کرنے دیا نہ اپنے لہجے میں لپک لائی اور چیلنج کو پورا کر دکھایا البتہ جانے سے قبل سر

خالد اتنا ضرور بولے۔

”لگتا ہے عدنان! آج تم کوے کا دماغ کھا کے آئی ہو جب تم سے کچھ سنا جائے تو تم یوں خاموش ہو جاتی ہو جیسے منہ میں زبان ہی نہ رکھتی ہو مجھے تو فکر ہے کہ تم عامر کا کیا حال کرو گی۔“ ان کا لہجہ کافی شوخ مگر طنزیہ تھا وہ اپنی جگہ شرمندہ سی ہو کر رہ گئی۔ بعد میں اس نے خینوں کو خوب سنائیں کچھ باتھ کی بھی صفائی کی۔ اب آخری باری مستبشرہ جمال کی تھی سب نے اس سے گانا سننے کی فرمائش کی مستبشرہ جو سریلی و خوبصورت آواز ہونے کے باوجود گنگلتاتی تنک نہ تھی آج بڑی سعادت مندی سے ان کی بات مان گئی اور ان کی فرمائش پر اپنی آواز کا جادو جگایا انہوں نے شکر یہ کے ساتھ اسے داد دی یوں یہ دن انہوں نے خوب مومج مستی میں گزرا۔

☆.....☆.....☆

”میں محبت اور تم۔“ علی بولا۔

”میں محبت اور تم۔“ مستبشرہ نے اسے دہرایا پھر سوالیہ اسے دیکھا ہر روز اس کا ایک نیا روپ اس کے سامنے آتا وہ حیران سی رہ جاتی۔

”میں ایک ایسا نگر آباد کرنا چاہتا ہوں جہاں صرف میں محبت اور تم ہوں جہاں صرف ہماری باتیں ہوں جہاں صرف چاہت کے پھول کھلیں جہاں تم ہنسو مسکراؤ خوشی کے گیت گاؤ آزاد چمچھی کی طرح ہوا میں رقص کرو اور۔۔۔۔۔“ وہ خواب کی سی کیفیت میں بولا یک دم مستبشرہ نے اسے ٹوکا۔

”اور بس علی! مت سوچو ابھی سے اتنا۔“ لہجہ اگرچہ اس کا نارمل تھا مگر علی کی ایسی افسانوی باتیں اس کا صبر ختم کرنے لگیں۔

مستبشرہ اپنے ترتیب شدہ پلان کے مطابق چلنا چاہتی تھی مگر علی اس قدر محبت کا پجاری ہو سکتا ہے اس نے سوچا تنک نہ تھا۔

”نہیں مستبشرہ مجھے سوچنے دو مجھے اچھا لگتا ہے خوش رہنا خوشوار لمحوں کو سوچنا تم سنگ چلتے رہنا۔“

”زیادہ سوچنے سے سوچ الٹ دی جاتی ہے علی!۔“ وہ سنجیدہ ہوئی۔

”مگر مجھے اپنی محبت پر یقین ہے۔“ وہ لا پرواہ بنا۔

”یقین نوٹے میں دیر نہیں لگتی۔“ مستبشرہ نے اسے فکر دلانی چاہی۔

”تم ایسی باتیں کیوں کرتی ہو مستبشرہ! کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے؟“ کان دھرے بغیر وہ الٹا اسی سے چہنچہ لگا۔

”ہے ناں مجھے تم سے محبت۔“ وہ عجیب سے انداز میں بولی جیسے اسے نہیں خود کو یقین دلانا چاہتی ہو علی آیان کے انداز پر دھیرے سے مسکرایا۔

”تمہارا کیا بنے گا علی! کیوں اس قدر محبت کرتے ہو کہ تڑپ سہ نہ سکو گے۔“ وہ دل ہی دل میں اس سے افسوس رہنے لگی۔

”تم جیسے خطی دیوانے کو شو کر دینی ضروری ہے تمہارے خود کے لئے۔“ پھر سوچتے ہوئے اس سے اجازت لیتی ت گئی۔

☆.....☆.....☆

”فلک۔ فلک۔“ مشارب نے اسے آواز دی لیکن اس نے ایک نہ سنی۔

”فلک! میں تمہیں آواز دے رہا ہوں بات تو سنو میری۔“ مشارب شاہ اس کے بالکل سامنے آیا اس نے اپنا چہرہ ہی جھکا لیا۔

”فلک پلیز۔۔۔۔۔“ اب کے وہ بے بس ہوا۔

فلک اس سے ناراض تھی غصے میں تھی اور غصہ اس کا سارے گھر میں مشہور تھا چیخ چلا کر خوب دل کی بھڑاس نکالنے میں ماہر تھی مقابل کوئی بڑا ہوا یا چھوٹا بات تو صرف اپنی منواتی تھی اور جب تک غصہ کم ہونے کا نام نہ لیتا ناراضگی برقرار رہتی اور اب اس سے وہ ناراض تھی اس کے لاکھ پکارنے پر بھی نہ بولی سر جھکائے رہی وہ سامنے کھڑا تھا سودا پس کو پلٹنا چاہا۔

”تو تم مجھ سے بات نہیں کرو گی؟“ اب کے اس نے پوچھا فلک رکی مڑی اور اسے دیکھا۔

”کروں گی تو ضرور مگر ابھی ہرگز نہیں۔“ وہ صاف صاف بولی۔

”ابھی کیوں نہیں؟“ وہ بولا۔

”بس میرا دل نہیں چاہ رہا۔“ وہ ناراضگی سے بولی۔

”جانتا ہوں خفا ہو مجھ سے۔“

”ہاں ہوں۔۔۔۔۔ اور یہ بھی جانتے ہو کہ کیوں ہوں۔“ چہا چہا کر بولی۔

”جانتا ہوں۔“ اعتراف کیا۔

”پھر مجھ سے بات مت کرو۔“ اسے سخت لہجے میں منع کیا۔

”کیوں نہ کروں؟“ وہ محظوظ ہوا۔

”مجھ سے جرح مت کرو۔“ وہ چڑنے لگی۔

”کیوں نہ کروں دوست ہو میری۔“ اس نے پورے استحقاق سے کہا۔

”دوست ہوں جیسی میری ہر بات مانتے ہو امی سے میری شکایت بھی نہیں کرتے میرے کہنے سے پہلے ہی ہر ماہ ڈائجسٹ میرے کمرے میں لا کر رکھ دیتے ہو میرے سامنے اسمارٹ نہیں بننے بارش میں آنسکریم لا کر دیتے ہو۔“ وہ طنزیہ و ترش لہجے میں بولی یہ وہ سب باتیں تھیں جس کا اسے مشارب سے گلہ تھا جنہیں فلک کے خیال میں وہ مشکل سے ہی کرتا تھا۔

”کیسی لڑکی ہو تم فلک۔“ فلک کی بات پر اسے زوروں کی ہنسی آئی۔

”کیا مطلب کیسی لڑکی ہوں میں۔۔۔۔۔ جیسی سب ہوتی ہیں ویسی ہی ہوں۔“ اس کی ہنسی اور فلک کے نزدیک مشارب کا ہمیشہ کی طرح الٹا سوال فلک کو طیش دلا گیا۔

”بہت عجیب ہو تم۔۔۔۔۔ اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پر لیتی ہو پھر ناراض ہوتی ہو اور جب تمہیں کچھ کہا جائے تو مرنے مارنے پر اتر آتی ہو فلک! ابھی تو سنجیدہ ہوا کرو اپنی سوچ میں وسعت لاؤ آگے بڑھنے کی جستجو کرو ڈائجسٹ کے بجائے نصابی کتابیں پڑھو اب تم بچی تو نہیں ہو جو بارش میں آنسکریم کھانے کی ضد کرو اور اسے فوراً پورا کیا جائے تاکہ تم روؤ نہ۔“ مشارب بنا سنجیدہ ہوئے اسے سمجھانے لگا کہ فلک کی ایک خوبی سنجیدگی سے نفرت بھی تھی۔

”پلیز مشارب شاہ۔۔۔۔۔ لیکچر مت دیا کرو مجھے بھلے اس کے لئے تم مجھے آنسکریم نہ لا کر دو امی سے میری نالائقی کی شکایت کرو تم نے کل امی سے میری شکایت کی کہ میں پڑھتی نہیں ہوں تو جاؤ اس کے لئے تمہیں معاف کیا مگر سمجھا یا نہ کرو نہیں اچھی لگتی مجھے پابندی قائم پر پڑھو، نیٹ نہ استعمال کرو ڈائجسٹوں میں کیا رکھا ہے

آئسکریم سے گلا خراب ہو جائے گا تو یار ہونے دو خراب..... میرا گلا خراب ہوگا مجھے ہوگی تکلیف کسی کا کیا جاتا ہے ہاں کوئی یہ کہہ دے کہ بنی فلک تمہیں کالج جانا اور پڑھنا اچھا نہیں لگتا تو کل سے مت جانا کالج تب میں مانوں کہ سب کو میری فکر ہے۔ وہ خاصی چڑ کر بولی اچھا خاصا خطاب کر ڈالا وہ بھی خاصے جذباتی انداز میں وہ منہ کھولے دم سادھے اسے ستاد بیکھتا رہا مقابل کی ایک بات آرام سے سنتے اسے چڑ ہونے لگتی مگر مقابل کو اپنی سو باتیں سنانے میں اسے مزہ آتا بولنے میں کسی سیاست دان سے کم نہیں تھی تو سنتے وقت بہرے پن کی ایکٹنگ بھی اسے خوب آتی تھی۔

ای کیا ابوتا یا اور تائی کے سامنے بھی یونہی بے فکری سے تڑپتی چھوٹے بھائیوں میں اتنا اپنا رعب ڈالا کہ وہ مجال نہیں رکھتے تھے اس کے سامنے احتجاج کرنے یا زیادہ بولنے کی اور مشارب سے دوستی نے فلک کو کافی حد تک فری کیا لیکن مشارب اپنی سنجیدہ طبیعت کم گوئی کے باوجود جب اس کے سامنے ہوتا تو اس کا بھرپور ساتھ دیتا۔ البتہ کبھی وہ ضرور اس کو سمجھاتا چاہتا اسے ایک حد میں روکنا چاہتا مگر میں سب کے سامنے اور غیر موجودگی میں وہ اس سے ڈھیر ساری باتیں کرتی اسے براہر گز نہیں لگتا تھا مگر اب آگے کے لئے وہ احتیاط چاہتا تھا سمجھدار تھا سو کسی کے ذہن میں بھی غلط فہمی پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا کوشش کرتا کہ گھر والوں کے علاوہ باقی خاندان والوں کے سامنے بھی اس کے ساتھ کم پایا جائے فلک جذباتی تھی شعور رکھتے ہوئے بھی زیادہ نہ سوچتی نہ زیادہ کسی کی بات پر توجہ دیتی تھی نہ کسی کی پرواہ کرتی تھی۔

”کم بولا کرو فلک اور زیادہ سوچا کرو۔“ مشارب سمجھاتا۔

”کیا سوچا کروں؟“ وہ انجان بنتی۔

”کہانیوں ڈائجسٹوں سے نکل کر آگے بڑھنے کی سوچا کرو۔“

”بیکار ہی ہے زیادہ سوچنا خواہ مخواہ کی ٹینشن اور درد اور آگے نکلنے کی تو بات بھی مت کرو مجھے تو بس آرام سے گھر میں بیٹھ کر ڈائجسٹ پڑھنے ڈرا سے دیکھنے میں ہی مزہ آتا ہے۔“ فلک نے صاف جان چھڑانے کی کوشش کی۔

”کیوں ساری عمر تو ایسا نہیں ہوگا کل کو تمہاری شادی ہوگی تو ایک لمحے کی فرصت نہیں ملے گی ان ڈراموں اور ڈائجسٹوں کے لئے بہت سارے کام ایسے کرنے پڑیں گے جو تم یہاں نہیں کرتی۔“ جس پر مشارب نے اسے مستقبل کا آئینہ دکھاتے ہوئے حقائق سے پردہ اٹھانا چاہا۔

”اگر ایک شادی میں اتنے جھیلے تو میں یونہی بیٹ۔“ ادا سے کہتے ہوئے وہ صاف صاف انکار کر گئی۔

”تو کیا شادی نہیں کرنی؟“ سوال کیا۔

”اتنے سارے کام کرنے پڑیں تو ہر گز بھی نہیں لیکن اگر شادی ہو ہی گئی تو پہلے دن ہی سے صاف لفظوں میں سب کو کہہ دوں گی کہ مجھ سے نہیں ہوتے کام۔“ وہ پل میں تمام پلان بنا گئی جس پر وہ حیران سا مسکراتے لگا۔

”تو پھر کون کرے گا تمہارے جسے کے کام؟“ وہ پوچھنے لگا۔

”جو مجھ سے شادی کرے گا اور ایک آدھ کام مجھے کرنا پڑ بھی گیا تو مجبوراً کر لوں گی مگر کپڑے ہر گز بھی استری نہیں کروں گی اسے اپنے کپڑے خود استری کرنے پڑیں گے اور اگر اسے برائے لگے تو اپنے کپڑے بھی اسی سے استری کروالوں گی۔“ فلک نے غیر سنجیدگی سے اس سے ڈسکس کیا وہ فلک کی سوچ پر دنگ تھا۔

”تمہارے ارادے تو بہت خطرناک ہیں۔“ مشارب نے ڈرنے کی ایکٹنگ کی۔

”تم کیوں ڈر رہے ہو تم سے تھوڑی شادی کروں گی۔“ وہ ہنسی مشارب نے بغور اسے دیکھا۔

ردا ڈائجسٹ 164 اگست 2011ء

”سچ میں؟“ اور قدرے حیران بھی ہوا فلک کے صاف الفاظ نے اسے بہت حد تک چونکایا تھا مگر وہ اندر سے مطمئن بھی ہوا تھا کہ اس کا خدشہ غلط ثابت ہوا وہ جس بات سے ڈر رہا تھا وہ فلک نے صاف انکار میں واضح کر دی۔

”شکر خدا کا..... ورنہ میں تو ڈر ہی گیا تھا کہ کہیں ساری عمر تمہارے اپنے کپڑے ہی نہ استری کرنے پڑیں۔“ اب کے وہ ریلیکس تھا۔

”تمہیں نہ سہی پر کسی بے چارے کو تو کرنے ہی پڑیں گے۔“ وہ فل موڈ میں آ چکی تھی مشارب سے تمام غفلت مٹائے۔

رات کا تقریباً آخری پہر تھا مستبشرہ نیند میں بے چینی سے کسمپاسی دو چار لمحے کروٹ یہ کروٹ بدلی اور پھر ہلکی سی چیخ مار کر اٹھ بیٹھی سارا جسم پسینے سے شرابور تھا اور چند حیا کی ہوئی آنکھوں میں خوف و ڈر کھودینے کا احساس تھا چند موتیوں سے قطرے اس کی آنکھوں سے نکل کر گال پر پھیلے تھے وہ عجیب سی کیفیت میں دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا گئی۔ چیخ کر آواز پر قریب ہی سوئی مردوش نے بدک کر آنکھیں کھولیں اطراف میں گردن گھما کر دیکھا مستبشرہ نے چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں چھپایا ہوا تھا اس نے آنکھیں پوری کھولنے کے لئے بھومیں اٹھائیں اور حیرانگی سے اٹھی اور پہلے لائٹ آن کی پھر جلدی سے اس کی جانب بڑھی۔

”کیا بات ہے مستبشرہ! کیا ہوا؟“ پھر اس کے ہاتھ چہرے سے ہٹائے اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔ اس نے ہلکا پر اول تو مای کو دیکھا پھر خود کو قدرے سنبھالا۔

”مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا مای۔“ اور اس کے ہاتھ تھام کر بے بسی سے بولی۔

”ہوا کیا ہے؟“ مردوش نے فوراً نیند سے ہوش سنبھالا۔

”مای! میرا دل بہت گھبرا رہا ہے ایسا لگ رہا ہے جیسے سب کچھ میرے ہاتھوں سے ریت کی مانند پھسل گیا ہو۔“ وہ عجب کھوئے کھوئے انداز میں گویا ہوئی۔

”بات کیا ہے..... کچھ تو بتاؤ؟“ جبکہ وہ حیران پریشان فی در چھو بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔

”مای! میں اسے کھونا نہیں چاہتی اسے واپس لے آؤ۔“ وہ تو یہ جیسے سن کر مای خاصی چونکی تھی۔

”کسے کھونا نہیں چاہتی تم؟“ مای پوچھنے لگی۔

”مای! وہ میرے روکنے کے باوجود مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔“ اس نے اس سے اپنی محبت کی بھیک مانگی مگر اس نے میری ایک نہ سنی مای! میں اس کے بغیر مر جاؤں گی۔“ مستبشرہ یقیناً اس وقت وحوش میں نہ بھی کھوئے ہوئے عجب سے انداز میں کتی آخر میں رو دی۔

”تم نے کوئی بھی ایک خواب دیکھا ہے مستبشرہ! مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ اس وقت تم کس کے بارے میں کیا کہنا چاہتی ہو پلیز۔“ لے ریلیکس ہو جاؤ پھر بات کرتے ہیں لو پانی پیو۔“ مردوش واقعی کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھی آہستگی و نرمی سے جتنی اسے تلاش میں پانی انڈیل کر دیا جسے مستبشرہ نے ایک ہی مانس میں خالی کیا۔ اگلے کئی لمحے کمرے میں خاموشی رہی۔ مردوش اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی جب کہ وہ بے ترتیب ہوئی دل کی دھڑکنوں کے بعد اطمینان سے اپنے ہوش و حواس میں لوٹی تب شدید حیران ہوئی اور مای کی طرف دیکھا آنکھیں صاف کیں اپنی کیفیت پر غور کیا۔

”اب بتاؤ اطمینان سے کوئی ڈراما خواب دیکھا تھا تم نے؟“ مای پوچھنے لگی۔

ردا ڈائجسٹ 165 اگست 2011ء

اسے سنا پھر پر سوچ انداز میں بولی۔

”بیشک تم سب میرا بھلا ہی چاہو گی مجھے یقین ہے ایسا کچھ بھی ہم دونوں کے حق میں غلط نہیں ہوگا اور نہ ہی میں علی کو کسی بھی اذیت میں سے گزارنا چاہتی ہوں۔ بس صرف کچھ دن اور پھر میں اسے سب بتا دوں گی۔“ وہ بولی اب کہ تینوں خاموش رہیں۔ مددوش حقیقتاً مستبشرہ کے لئے فکر مند اور علی کے لئے دعا گو تھی۔ مستبشرہ کا خواب اسے اسی کے حق میں نصیب و فراز کھڑا کرتا دکھائی دیا اور اپنے سمجھانے پر مستبشرہ کا مطمئن و بے فکر پروٹوق لب و لہجہ مائی کو چپ سا دھننے پر مجبور کر جاتا ہے۔ دن یونہی گزرتے جا رہے تھے وہ چاروں آپس میں خوب باتیں کرتیں۔ موج مستی کرتیں۔ یونیورسٹی کے ان آخری دنوں کو وہ چاروں زندگی کے آخری دن سمجھ کر اپنی سنگت میں ہر خوشی و انسبا سے سچائے قوس قزح کے رنگوں سے مزین کئے بہت خوش تھیں۔ اگلے کئی دن مددوش نے مراد منصور کے متعلق سوچا ضرور مگر اس کے خیال کو خود پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ ایگز امز بھی قریب آتے جا رہے تھے اس نے خود کو پڑھائی میں مگن کر لیا۔ عدن اور معطر بھی چاروں چار پڑھنے پر مجبور تھیں۔ جبکہ چاروں میں مستبشرہ کا ذہن تھیں ایک بار جو پڑھا فوراً یاد کر لیا۔ لیکن آج کل وہ مائی کی باتوں کے بعد علی سے ہر ملاقات میں پر سوچ لہجہ اپنائے اسے حقیقت بتانے کا فیصلہ کرتی لیکن جانے کیوں کچھ بھی نہ کہہ پائی۔ البتہ اپنے عزم ارادے پر ہنوز قائم تھی۔ علی کے جذبات سے بھی باخوبی آگاہ تھی۔ بہر حال فیصلہ تو اسے ہر حال میں کرنا تھا۔



مددوش اور مستبشرہ باری باری اپنے اپنے گھروں میں فون پر بات کر کے واپس کرے میں آئیں۔ دونوں قدرے اداس بھی تھیں کہ کچھ ہی عرصے میں جدا ہو جانا تھا۔ پھر جانے کب ملنا نصیب ہو۔ یونیورسٹی میں چاروں ساتھ ہوتیں اور رات میں وہ دونوں رات گئے تک باتیں کرتیں کہ گویا ایک بھی لمحہ ضائع کرنا دل کو طول کر جاتا۔ صبح دونوں یونیورسٹی کے لئے تیار ہونیں۔ مستبشرہ نے خلاف معمول بالوں کو پھیا کی صورت میں قید کیا۔ جسے وہ تینوں اگنور نہ کر سکیں۔ وجہ پوچھی۔ وجہ تو کوئی نہ تھی۔ سو وہ دل چاہتا ہے کہہ کر دوسری باتوں میں لگ گئی۔

آج کل میں یونیورسٹی بھی آف ہونے والی تھی جس لئے علی آیان خاصا پریشان تھا مگر اس نے اپنے بے قرار دل کے قرار کا بندوبست کر لیا تھا۔

”آج میں بہت خوش ہوں۔“ جس کا اس نے مستبشرہ کے سامنے اقرار بھی کر لیا۔

”اچھا کیوں؟“

”میں نے کل ممایا سے بات کی تھی۔“ وہ بتانے لگا۔

”کوئی بات؟“ مستبشرہ نے مصنوعی اشتیاق ظاہر کیا۔

”اپنی تمہاری محبت کی۔“ وہ فرط انسبا سے مسکرایا۔

”پھر؟“ مستبشرہ کے دل میں کچھ ہوا کیا ہوا تھا۔ یہ تو وہ نہیں جانتی تھی البتہ بے ساختگی سے پوچھا۔

”وہ مان گئے ہیں انہیں اپنے اکلوتے بیٹے کی خوشی و سکون ہر حال میں عزیز ہے میں نے ان کے سامنے تمہاری بہت تعریفیں کیں۔ تمہاری باتیں تمہاری مسکراہٹ حتیٰ کہ سب کچھ اور انہوں نے تمہیں بنا دیکھے ہی بہت سراہا کیونکہ انہیں میری پسند پر ہمیشہ ناز رہا ہے۔ وہ تمہیں جلد سے جلد..... علی نہایت خوشی و جوش سے اسے بتانے لگا۔ جسبھی مستبشرہ اسے ٹوک گئی۔

”اتنی بھی کیا جلدی ہے علی؟“

”ارے جلدی کہاں؟ کچھ ہی عرصے بعد فائل ایگز امز ہوں گے جس کے فوراً بعد میں پاپا کا ذاتی بزنس جوائن کروں گا۔ جب تک تم بھی اسٹڈی سے فارغ ہو چکی ہو گی سو میں تب جینڈا بے سمیت تمہارے شہر ملتان آؤں گا۔ تمہیں ہمیشہ کے لئے اپنا بنانے۔“ علی مستقبل کی مکمل پلاننگ کر چکا تھا تفصیل سے بولا۔

”اچھا جی..... اتنا یقین ہے کہ میں ہمیشہ کے لئے تمہاری زندگی میں آ جاؤں گی میرے بابا! اماں! بھائی سب مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ میرا نہیں خیال وہ تمہیں اتنی آسانی سے میرا ہاتھ دیں گے۔“ وہ بے ساختہ بولی۔ علی نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ جسبھی مستبشرہ نے دانت تلے زبان دبائی کہ ایسا وہ ہرگز کہنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی۔

”کیوں نہیں دیں گے مجھ جیسا قابل خوش شکل خوش اخلاق لڑکا انہیں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا۔ تم صرف میرے ساتھ ہی پرفیکٹ لگو گی۔“ وہ ایک ادا سے بولا۔ مستبشرہ کی محبت نے اسے خوب اعتماد بخشا تھا وہ بہت پروٹوق تھا جبکہ مستبشرہ بالکل ریلیکس انداز میں اسے سن رہی تھی کہ گویا آج اس کا دماغ کسی بھی سوچ سے ماور تھا۔ علی نے مسکراتی آنکھوں سے اسے بغور دیکھا۔

”آج تم بہت عجیب لگ رہی ہو۔“ پھر توقف کے بعد بولا۔

”کیا مطلب؟“

”کھلے بالوں میں تم زیادہ پیاری لگتی ہو۔“ وہ آہستہ مگر چاہت سے بھر پور لہجے میں بولا۔

”کیوں یہ پھیا اچھی نہیں لگ رہی میرے ساتھ۔“ جبکہ وہ کافی حیرانگی سے پھیا سامنے کر کے پوچھنے لگی۔ دل و دماغ کی کیفیت سے بالکل بے خبر استحقاق بھری نگاہیں اس پر جمائیں۔

”نہیں ایسی بات نہیں ہے تم یوں بھی بہت پیاری لگتی ہو۔“ علی نے پھر کھلے بال تمہیں زیادہ سوٹ کرتے ہیں۔“ علی حسن نے وضاحت دی اسے تو مستبشرہ ظاہر باطن دونوں طرح سے اچھی لگتی تھی پھر کیا مجال کہ تنقید کرتا۔

”اچھا۔“

”ہاں بالکل۔“ دل سے یقین دہانی کرائی۔

”اچھا تو پھر بتاؤ اور کیا سوٹ کرتا ہے مجھے؟“ خلاف توقع وہ آج بالکل بھی بے دلی یا اکتاہٹ کا شکار نہیں ہو رہی تھی۔

”تم پر ہر چیز سوٹ کرتی ہے مستبشرہ! خاص کر تمہاری کالی آنکھیں جمیل سا گہرا پن لئے جب گھنگھور پلکوں کو اٹھاتی ہیں تو میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب سی ہو جاتی ہیں۔“ وہ من کی سچائی سے بولا۔

”اچھا تم مجھے اپنا ایڈریس دو۔“ علی نے بات بدلی۔

”کیوں؟“

”تا کہ پریکٹیکل لائف میں قدم رکھتے ہی تمہاری چوکھٹ پر دستک دینے پہنچ جاؤں۔“ وہ مسکرا کر بولا۔

”ابھی نہیں علی!“ وہ صاف منع کرتی مگر غمی۔

”ابھی کیوں نہیں؟“ وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

”شاید ابھی مناسب وقت نہیں آیا۔“ وہ سنبھل چکی تھی نہایت چالاکی و ہوشیاری سے بولی۔

”تو پھر کب آئے گا تمہارا مناسب وقت؟“

”شاید جلد ہی۔“ وہ پر سوچ لہجے میں بولی۔

”تو میں اس امید کے ساتھ انتظار کروں کہ تم مجھے مایوس نہیں کرو گی بعد اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ سوالیہ ہوا۔
”میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔“ صاف جواب دیا۔

”کیوں..... کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے۔“ برجستہ کہا۔

”محبت ہے جیسی تمہارے ساتھ ہوں۔“ مطمئن لہجے میں جواب دیتی اسے یقین دلانا چاہا۔

”تم عجیب ہو مستبشرہ! اور تمہاری محبت اس سے بھی عجیب ہے۔“ جس پر وہ دھیسے لہجے میں بولا۔

”میں بھی نہیں۔“

”تم کبھی واضح جواب نہیں دیتیں محبت بھی کرتی ہو اور انتظار بھی کرواتی ہو میری تمہاری محبت یک طرفہ نہیں ہے پھر کیوں نہ ہم مناسب وقت خود اپنی قسمت میں لکھیں ایک دوسرے کی سنگت میں دل کے جذبات کو امر کر دیں ہمیشہ کے لئے باقی فارمیٹیز تو ہمارے پیرنس ہی نبھائیں گے۔“

”ہاں پر ابھی نہیں میں ذہنی طور پر تیار نہیں ہوں۔“ وہ فوراً بہانہ تراش گئی۔

”تو..... علی متعجب نکا ہوں سے سوالیہ اسے دیکھنے لگا۔

”تو پھر فائل..... ایک ماہ بعد ایگز امز اسٹارٹ ہو رہے ہیں میں تمہیں آخری پیپر کے بعد واضح آخری وائل جواب دوں گی۔“ مستبشرہ نے فوراً ڈیپریسڈ کیا اور اسے مطلع کیا علی کے لئے یہی کافی تھا سو خوشی سے کھل اٹھا۔

”تھینکس مستبشرہ!“ سو مشکور لہجے میں بولا۔

”میں تمہارے لئے ایک گفٹ لایا ہوں۔“ پھر یاد آنے پر بولا۔

”کیسا گفٹ؟“

”یہ لاکٹ؟“ علی نے جیب سے ایک لاکٹ نکالا پھر اس کا ہاتھ تمام کر اس کی پتیلی پر رکھا لاکٹ پر واضح طور پر

MA لکھا تھا۔

”یہ کس لئے علی؟“ وہ چونکی حیرت سے پوچھا۔

”یہ ہمارے پیار کی پہلی نشانی کے طور پر..... میں نے خاص آرڈر پر تمہارے لئے بنوایا ہے تاکہ تم اسے ہمیشہ پہنے رکھو اور یہ ہمیشہ تمہیں میرا احساس دلا سکے۔“ وہ تفصیل سے گویا ہوا۔

”مگر میں یہ نہیں.....“ مستبشرہ ایسا کچھ بھی اس سے نہیں لینا چاہتی تھی مگر اس کے انکار سے پہلے ہی علی اسے ٹوک گیا۔

”پلیز انکار مت کرنا مستبشرہ!“

”یہ سب کیوں علی؟“ وہ احتجاجاً بولی اسے یہ سب پسند نہ تھا اور یہ لاکٹ علی کی محبت کی نشانی تھا جسے وہ بعد میں

سنبھالنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

”اس میں M اور A بالکل ساتھ ساتھ لکھے ہوئے ہیں M سے تم مستبشرہ اور A سے میں علی..... ہم دونوں کبھی

جدا نہیں ہو سکتے اور یہ لاکٹ ہمیشہ اس حقیقت کا گواہ رہے گا علی اور مستبشرہ صرف ایک دوسرے کے لئے بنے ہیں

اور یہ دنیا کا سب سے خوبصورت سچ ہے۔“ علی نہایت تفصیل سے شیریں لب و لہجے میں دل کی گہرائی کو زبان پر لانا

بہت پردہ و قیاس بہت خوش تھا اور اس کی آنکھیں بھی اس کا بھرپور ساتھ دے رہی تھیں مستبشرہ چاہتے ہوئے بھی مزید

انکار نہ کر سکی اور چپ چاپ مٹھی بند کر کے اسے دیکھنے لگی۔

☆.....☆.....☆

دن گزرنے لگے تھے ایسے میں مستبشرہ جمال نے ہر طرح سے علی آیان حسن گیلانی کو اپنی والہانہ محبت کا یقین

دلایا یہی اس کی پلاننگ تھی جسے عملی جامہ پہنانا اب لازم تھا کہ دن بدن اسے علی کی محبت میں شدت بڑھتی دکھائی

دی جس سے اسے اب عجب سا خوف آنے لگتا تھا یا شاید نا چاہتے ہوئے بھی اس کا دل بے فکر رہنے لگا تھا دماغ

تو اس کا بھرپور ساتھ دیتا لیکن دل تنہا ہوتے ہی اسے ستانے لگتا۔ کچھ بھی غلط کرنے سے روکنا چاہتا اس پر صرف

ایک بات کا جنون سوار تھا اسے صرف ایک ہی نظر یہ..... ایک ہی سوچ حق پر لگتی اسے اپنے بابا کی انا کو مان بخشنا

تھا اسے صرف اپنے بابا سے کئے وعدے کو نبھانا تھا جس کے لئے وہ کچھ بھی کرنے کو تیار تھی چاہے کچھ بھی ہو وہ

اپنے بابا کی نظروں میں سرخرو ہو کر لوٹنا چاہتی تھی وہ سنگدل بے رحم لڑکی ہرگز نہیں تھی نہ ہی علی سے جھوٹی محبت کا

نانک اسے کوئی خوشی دے رہا تھا وہ مجبور تھی اپنی مجبوری سے زیادہ اس کے لئے کسی کے جذبات یا احساسات اہم

نہیں تھے کچھ بھی تھا اسے ایک فرمانبردار سعادتمند اور قابل اعتماد بنی ہونے کا ثبوت دیتا تھا سو بہت کوششوں

کے بعد اس نے تمام اونچ نیچ ذہن میں ترتیب دی دل جو کھل اٹھا تھا اسے ڈپٹ کر چپ کر دیا ننانک سے بے خبر

کچھ بھی الٹا اثر نہ لینے کا دماغ میں تہیہ کر لیا کہ جلد ہی راہیں جدا ہو جانے کے بعد علی حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے

لازماً اسے بھلا دے گا اور وہ خود بھی اس وقت کو مستقبل میں ماضی کی بھول بھلیاں سمجھتے ہوئے سکون سے اپنی

زندگی گزارے گی لیکن علی کی کیفیت مختلف تھی وہ حقیقت سے لاعلم مستبشرہ کی سنگت میں اپنے رنگین خوبصورت

کامیاب مستقبل کی جھلک کو اپنے دل کے آئینے میں واضح دیکھ کر ہر لمحہ کھلی ہوا میں رقص کرتا اسے تو گویا اب

حقیقی معنوں میں زندگی کا مقصد مل گیا تھا وہ شاد تھا دل کی نگری مستبشرہ کے پیار کے بوندوں سے گھر چکی تھی توقع

کے عین خلاف الفت کی راہوں کے پہل ہو جانے سے وہ زندگی کے جھیلوں سے بہت دور دل کی رعنائیوں میں

نگن تھا وقت یونہی سرگتار ہا یہاں تک کہ ڈیٹ شیٹ آئی پھر ایگز امز شروع ہوئے سب نے یونیورسٹی کے آخری

سال کی حسین یادگاروں کا دل میں رقم کئے خوب محنت اور جی جان سے تیاری کی نتیجاً پیپر ز بھی اچھے ہوئے تھے

سب بہت خوش تھیں مدروش تینوں دوستوں کو اپنی طرف سے سچ پر لے گئی جہاں انہوں نے خوب مستی کی مستبشرہ

نے انہیں آگاہ کیا کہ کل یعنی آخری پیپر کے بعد وہ علی آیان کو اپنا آخری فیصلہ سنانے والی ہے سب نے اس مرتبہ

اسے کچھ نہ کہا کہتیں بھی کیا؟ فیصلہ تو وہ کر چکی تھی پھر اسے روکنے یا سمجھانے سے کیا فائدہ جب اس نے کسی کی

بھی نہیں سننی ہوتی۔

”کل ہم سب پھر یہاں ملیں گے۔“ مدروش نے انہیں بیک وقت مخاطب کیا۔ یہ جگہ مائی کی فیورٹ تھی۔

”کل آخری پیپر ہے اس کے بعد سب اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں گے پھر جانے کون کہاں ملے۔“ وہ

نجیدگی سے بولی۔

”ہاں ٹھیک ہے۔“ مدروش نے حامی بھری۔

”میں بھی کل علی کا قصہ تمام کر دوں گی لیکن.....“ مستبشرہ بولی لیکن بات ادھوری چھوڑ گئی۔

”لیکن کیا.....؟“ معطر نے فوراً آخری لفظ پکڑا۔

”کچھ نہیں کل بتاؤں گی۔“ وہ ٹال گئی۔

☆.....☆.....☆

”پلیز مشارب شاہ.....“ وہ عاجز آیا۔

”وعدہ کرو تم امی ابو بلکہ کسی کو بھی بتاؤ گے۔“ وہ وعدہ لینے کے لئے اس کی طرف بڑھی آواز میں ہمیشہ کی

طرح رعب و دہ نہیں تھا کہ آج بڑی بڑی طرح پھنسی تھی۔

”تم چھٹا کیوں چاہتی ہو سب سے..... کسی بھی وقت انہیں پتہ چل سکتا ہے۔“ مشارب نے پوچھا سمجھایا بھی۔
 ”اگر کسی کو بھی پتہ چل گیا تو میری شامت پکی۔“ وہ ڈری ہوئی تھی۔
 ”پہلے سوچا کرو ناپ یہ سب۔“

”پہلے کیا پتہ تھا مجھے کہ یہ سب ہو جائے گا۔“ فلک نے کندھے اچکاتے ہوئے بلا کی معصومیت چہرے پر لائی۔
 ”پتہ نہیں تمہاری عقل عادات کس پر لگی ہیں خاندان کا ہر فرد ذہین اور قابل ہے مگر تم جتنا بد دنیا جہاں کی ٹکئی نالائق ہو۔“ مشارب شاہ نے اسے ڈپٹ کر کہا صبح ہی فلک کا FA کا رزلٹ آیا تھا اور وہ مشارب کی لاکھ کوشش پڑھانے کے باوجود بھی انگلش کے پیپر میں رہ گئی تھی جسے لئے مشارب کو اس پر غصہ تھا۔

”میں نے تو اپنی سی پوری کوشش کی تھی ایک بھی سوال نہیں چھوڑا تھا اب پھر بھی فیل ہو گئی ہوں تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔“ مگر زبان کو لگام دینا تو گویا وہ گناہ جھٹکتی تھی سو متواتر بولی۔

”انگلش کو کیوں آسان بنایا ہوا ہے تم نے کچھ بھی مشکل نہیں ہے بس ذرا سی توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے تم با آسانی پاس ہو سکتی ہو اگر ڈائجسٹوں سے نکل آؤ FSC بھی نہیں FA میں فیل ہوئی ہو کچھ شرم کرو۔“ مشارب اسے آج ہر حال میں شرمندہ کرنے کے موڈ میں تھا۔

”شرم نہیں میں تو شکر کروں گی کہ FA میں صرف انگلش میں..... فیل آئی ہوں اگر FSC کر رہی ہوتی تو آج صرف اردو میں پاس ہوتی۔“ مگر فلک کو کوئی فکر تھی ہی نہیں مزے سے بولی ساتھ ہولے سے مسکرائی بھی۔
 ”تو یہ فلک! بہت نالائق ہو تم۔“ مشارب نے اسے جھڑکا۔

”نالائق ہی اچھی ہوں میں نہ لکھ کر کوئی نوکری کرنے دیں گے سب مجھے۔“ وہ اب کہ سنجیدہ ہوئی۔
 ”نوکری بھلے نہ کرنے دیں مگر تمہیں تو فائدہ اٹھانا چاہئے کہانیوں کے علاوہ کچھ بھی تو نہیں پتہ تمہیں ایک تو پڑھتی بھی نہیں ہو اور دوسرا گھر کے کام بھی نہیں کرتی ہو تم سے کسی کو بھی تو فائدہ نہیں ملتا ہر وقت بیکار کے کاموں میں لگی رہتی ہو پڑھنے میں دلچسپی لو باہر کی دنیا دیکھو مستبشرہ کی طرح یونیورسٹی جاؤ اپنا نام مقام بنانے کی کوشش کرو۔“

”مجھے نہیں بنانا نام مقام..... اور پھو پھاجی نے مستبشرہ کو یونیورسٹی اس کی ضد پر بھیجا تھا مگر ابو مجھے یا کسی کو بھی یونیورسٹی نہیں جانے دیں گے۔“ وہ صاف بولی۔

”بیٹک مستبشرہ اپنی ضد پر یونیورسٹی لگی مگر پھو پھاجی کو اسے بھیج کر کسی قسم کی شرمندگی نہیں اٹھانی پڑی اور یہی بات خاندان کے باقی سب بڑوں کے لئے اپنی بیٹیوں پر اعتماد کی راہ کھول چکا تھا مجھے یقین ہے خاندان کا کوئی فرد لڑکی کی اعلیٰ تعلیم اور یونیورسٹی جانے کے خلاف نہیں ہوگا۔“

”جو بھی ہے پر مجھے نہیں شوق اعلیٰ تعلیم کا میں ایسے ہی اچھی ہوں۔“ وہ جان چھڑانے کے لئے سپاٹ انداز میں بولی۔

”مجھے بڑھی لکھی لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔“ مشارب نے اپنا آپ اسے بتایا۔
 ”بھلے لگتی ہوں مجھے نہیں فکر بس ایک مرتبہ میری انگلش کلیئر ہو جائے تو میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فارغ۔“ وہ اپنے مخصوص لا پرواہ انداز میں بولی۔
 ”اچھا میں جارہا ہوں چچا جان کو تمہارا رزلٹ بتانے۔“ وہ اٹھ کر جانے لگا کہ فلک سے بحث فضول تھی۔

”ہائے نہ بتاؤ نہ مشارب شاہ! ابو ڈانٹیں گے اور امی انگلش کلیئر ہونے تک ایک بھی ڈائجسٹ نہیں پڑھنے دیں گی اور نہ نیٹ استعمال کرنے دیں گی۔“ وہ ایک مرتبہ پھر معصومیت سے التجا کرنے لگی۔
 ”فکر نہ کرو میں انہیں سنبھال لوں گا۔“ مشارب اس کی ایسی معصومیت بھری قدر سے بے وقوفانہ باتوں پر سوائے مسکرانے کے کربھی کیا سکتا تھا سوائے تسلی دی۔

”جی۔“ وہ خوشی سے اچھلی۔
 ”ہاں جی جی مگر اگلی مرتبہ ایسا رزلٹ نہیں آنا چاہئے۔“ وہ بولا ساتھ وارن کیا۔
 ”کوشش کروں گی۔“ وہ ہنسی تھی۔

”تم کبھی نہیں سدھر سکتی۔“ مشارب نے اس کو افسوس سے دیکھا۔
 ”پاگل جو ٹھہری۔“ جس پر وہ اور زوروں سے مسکرائی۔
 ”واقعی پاگل ہو تم۔“ وہ بھی ہنستا ہوا وہاں سے چلا گیا۔



بہت سے لڑکے لڑکیاں اداس تھے جنہیں اس یونیورسٹی کو چھوڑ کر جانا تھا اپنے دوستوں سے جدا ہونا تھا وہ چاروں بھی ملول تھیں آخری پیپر سب کا ہی بہت اچھا ہوا تھا۔

دوسری طرف علی آیان حسن گیلانی بہت خوش تھا آج دل لگا کر اس نے اہتمام سے ملاقات کی تیاری کی اسے پتہ تو تھا کہ مستبشرہ اس سے محبت کرتی ہے لیکن آج باقاعدہ جواب ملنا تھا سو انتظار کا ایک ایک لمحہ اسے بھاری گزر رہا تھا بڑی بے تابی سے مستبشرہ کی آمد کا منتظر وہ خواب کی دنیا میں گمن تھا کچھ ہی دیر میں اسے مستبشرہ دور سے آئی دکھائی دی تو آنکھوں کی چمک میں خود بخود اضافہ ہوا دل کے تار انوکھے ساز الہ اپنے نکلے فضا میں جلتی رنگ سے بجنے لگے تھے گویا خزاں میں بہاری آگنی ہو علی بہت اکیسا یٹھ تھا اول تو خوشگوار انداز سے اس سے ملنا مستبشرہ نے بغور اسے دیکھا اس کے ہونٹ خوشی و مسرت سے کھل رہے تھے وہ خوشی سے چمک رہا تھا ایک لمحے کو مستبشرہ کو شرمندگی نے آن گھیرا وہ افسردہ سی نظر کا رخ دوسری جانب کر گئی فیصلے کا وقت تھا اور وہ گہری الجھن کا شکار تھی جبکہ علی آیان منتظر تھا۔ وہ ذہن میں الفاظ کے تانے بانے بننے لگی اس کا ٹک کا ٹکس کو وہ جتنا سہل گردان رہی تھی اس لمحے کئی گنا زیادہ ٹھن لگا ایک پل میں علی کی تمام باتیں اس کی چاہتیں شدتیں کسی فلم کی طرح اس کے ذہن میں چلنے لگیں تو وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائی۔ یہ نہیں تھا کہ وہ اپنی ذات کے لئے فکر مند تھی اسے تو محض اپنے فیصلے کے بعد علی کی کیفیت و حالت کا پہلا ممکنہ چکا اندر تک لڑا گیا تھا کہ واقعی اس کا ٹک علی جیسے جذباتی بندے کے لئے نہایت سنگین نتائج کا ذمے دار بھی ہو سکتا ہے۔

بہر کیف فیصلہ آج ابھی اسی وقت ہر حال میں کرنا تھا سو وہ کافی سوچ بچار کے بعد اسے بنا دیکھے اس کے تمام سوالات کا اس کی توقع کے برعکس جواب دے گئی علی اول تو بے یقین سارہ گیا۔

لیکن جب وہ نہایت کھردرے زوڈ لب و لہجے میں دوبارہ سے بولی تو وہ حیرت و بے یقینی سے دنگ رہ گیا دماغ جیسے شل سا ہو گیا اور دل تو جیسے برائے نام دھڑکنے لگا۔

”کیوں مستبشرہ!“ اور جب احتجاجاً بولا تو محض یہ دو الفاظ ادا کر کے مستبشرہ نے نہایت ضبط سے خود کو سنبھالا تیر کمان سے نکل چکا تھا پھر اپنے اندر ٹپک کرنا بے سود تھا۔

”کیوں کہ میں تم سے محبت نہیں کرتی۔“ قطعیت بھرا جواب نہایت سپاٹ انداز میں دیا۔

”محبت نہیں کرتیں..... تو آج تک کیا تھا سب؟“

”نانک..... محض نانم پاس میں اپنی ایک ہی رونین سے بیزار ہو چکی تھی وہی تین دوستیں پڑھائی ہوئی سو میں چینیج چاہتی تھی اور جب میری غیر موجودگی میں تم میری دوستوں کے پاس گئے تب میں نے چینیج کے لئے زندگی میں تفریح لانے کی غرض سے یہ سب ڈھونگ رچانے کا فیصلہ کیا! ایڈ آئی ایم دیری سوری اگر میری وجہ سے تمہارا دل وغیرہ دکھا ہو تو“۔ وہ لا پرواہی ساتھ ہی جھوٹ موٹ کی کہانی گڑھی۔

”سوری..... کیا ایک سوری کافی ہے مستبشرہ! میں نے تمہیں خود سے بڑھ کر چاہا ہے اپنی زندگی سمجھا ہے تمہیں کیا تمہیں میری سچی محبت کا ذرا بھی احساس نہیں تھا“۔ وہ پھٹ ہی تو پڑا تھا! مستبشرہ کا انکشاف اس کے جذبات پر گراں گزرا تھا۔

”احساس کیسا.....؟ میں نے کون سا تم سے پیار، محبت، شادی کرنی تھی! حقیقت اور نانک میں بہت فرق ہوتا ہے اور میں محض ان چکروں کو دل لگی سمجھتی ہوں جنہیں تم زندگی گردانتے ہو میرے نزدیک تمہاری محبت کوئی اہمیت نہیں رکھتی“۔

”پھر تمہیں میرے جذبات سے مذاق کرنے کا بھی کوئی حق نہ تھا“۔ وہ غصہ ہوا یا آواز بلند کہتا اسے بازو سے پکڑ کر جھجھوڑا۔

”اپنی حد میں رہو علی“۔ مستبشرہ نے اس کے ہاتھ کو پرے دھکیلا۔

”تو پھر کہہ دو مستبشرہ! کہ یہ سب جو تم کہہ رہی ہو جھوٹ ہے تم مذاق کر رہی ہو“۔ وہ یکدم جنونی ہوا۔

”کیوں کہہ دوں! جبکہ ایسا کچھ ہے ہی نہیں جسے تم اپنے لئے محبت سمجھ رہے تھے وہ محض نانم پاس تھا! یہاں یونیورسٹی آنے سے پہلے میرے بابا..... دیکھو علی! آج ہمارا یونیورسٹی میں آخری دن! آخری ملاقات ہے اس کے بعد ہم سب اپنی اپنی پریکٹیکل لائف اسٹارٹ کریں گے اور بہتر یہی ہے کہ ہم اپنی اپنی راہیں جدا ہی رکھیں! تم بھول جانا کہ کبھی تمہاری زندگی میں کوئی مستبشرہ جمال آئی تھی جس سے تم پیار کرتے تھے جبکہ میرے دل میں تمہارے لئے کوئی خاص و عام جذبہ ہی نہیں کہ میں تمہیں بھی یاد رکھوں سکوں! سو تم یہ پیار، عشق، محبت کے چکروں سے نکلو اور حقیقت کی دنیا میں واپس چلے جاؤ! افسانوی دنیا میں صرف دھوکہ فریب ہوتا ہے لوگ محض دل لگی پر ہی اکتفا کرتے ہیں! تم محبت پر کتنا یقین رکھتے ہو یا کرتے ہو یہ صرف و صرف تمہارا معاملہ ہے میرے نزدیک محبت صرف نانم پاس ہے! محض دل لگی ہے! بس وقت گزارو اور آگے نکلتے چلو“۔ وہ خاصی سنجیدہ و قدرے لا پرواہ بے نیاز بے رحم انداز میں اسے پل بھر میں بکھیر کے رکھ گئی! مستبشرہ کے الفاظ پل بھر میں اس کے اندر بہت کچھ تھس نہیں کر سکے تھے۔

”واہ خوب کہی! تو تم نے مستبشرہ جمال! علی آیان حسن گیلانی تمہیں اتنا چاہتا رہا اور تم اس کے جذبات کے ساتھ محض دل لگی! نانم پاس کی خاطر کھیلتیں رہیں! اس کالب و لہجہ چور چور تھا! حتیٰ کہ آواز تک میں کرب تھا۔

”تم جو بھی تجھو“۔ اس نے کندھے اچکائے ہوئے خود کو بری آزمایا۔

”تم نے اپنے عمل سے جیتے جی مجھے پاتال کی گہرائیوں میں اتار دیا ہے مستبشرہ! کیا قصور ہے میرا؟“ جبکہ وہ بارے ہوئے جواری کی طرح سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

”شاید یہی کرتے آج کے دور میں محبت پر یقین کیا“۔

”تم بے وفا نہیں ہو سکتیں! میری زندگی ہو تم! تم مجھے کیسے دھوکہ دے سکتی ہو؟“ علی اب کے تڑپ اٹھا تھا۔

”کم آن علی! ہوش میں آؤ! وفا بے وفا میں کچھ نہیں جانتی! محبت کیا یہ زندگی بھی ایک دھوکہ ہے! کب کس کے ساتھ کیا کر جائے کوئی نہیں جانتا! تم بھی خود کو اس گھٹیا خول سے باہر نکالو! آج یہ ہماری آخری ملاقات ہے! میں چاہتی ہوں کہ ہم اپنی خوشی دوستوں کی طرح اپنی پریکٹیکل لائف میں قدم رکھیں سو پلیز.....“ وہ قدرے تلخ ہوئی! صاف الفاظ میں کہتی اس کی طرف دیکھا۔

”میں اب بھی یہی کہوں گا! مستبشرہ پلیز! میرے ساتھ مذاق مت کرو! اور کہہ دو کہ یہ سب جھوٹ ہے! وہ یک دم بے بس ہوا۔ اس کا دل ابھی تک اس ستم کو قبول کرنے سے گریزاں تھا۔

”نہیں علی! یہ سچ ہے! تمہیں اس حقیقت کو قبول کرنا ہوگا“۔ وہ بھی ہنوز دو ٹوک داخل تھی کہ ایک لمحے کے لئے بھی علی کی بے بسی اس کی حالت اس کے دل کو نرم نہ کر سکی۔

”کتنی بار تم سے کہوں کہ میں تم سے محبت نہیں کرتی“۔

”پر میں تو تم سے محبت کرتا ہوں مستبشرہ“۔

”لیکن میرے بغیر مر تو نہیں جاؤ گے ناں“۔ وہ طنز یہ چلائی۔

”مر جاؤں گا! مر جاؤں گا میں تم بن“۔

”جھوٹ ہے! کواں سے سب“۔

”تو کیا تمہارا اقرار محبت کبھی جھوٹ تھا؟“

”ہاں..... جھوٹ تھا“۔ مستبشرہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ترکی بہ ترکی جواب دیا! علی نے ایک پل کو آنکھیں ہی بند کر لیں۔

”میں کبھی تمہیں معاف نہیں کروں گا“۔ علی نے سنہلنے کی بھرپور کوشش کی۔

”یہ تمہارا گل پن ہوگا! میں کبھی تمہارے بارے میں سوچوں گی بھی نہیں! کل سے تم میرے ماضی کا حصہ بن جاؤ گے اور میں مستقبل کی سوچ کے ساتھ حال میں جینے کی عادی ہوں“۔ وہ خود کو تارل ظاہر کر رہی تھی۔

”لیکن یاد رکھنا! میری یادیں تمہارا سکون تباہ کر دیں گی“۔

”مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے! نہ ایسا ممکن ہے“۔

”بہت خود غرض! بے حس ہو تم“۔ علی کی آواز تاسف میں ڈوبی تھی۔

”میں بے حس نہیں بن سکتی! ہوں“۔ مستبشرہ کو اس کی قطعاً پرواہ نہیں تھی۔

”تم ایک دن پچھتاؤ گی! مستبشرہ! علی نے اسے مستقبل کی پیش گوئی دی! اس کالب و لہجہ کرب و الم میں ڈوبا مقابل کو اندر سے ہلا کر رکھ گیا تھا۔

”جو ہو گا دیکھ لیا جائے گا“۔ پردہ بے غم بنی! اس کی بے بسی پر علی بن پانی کی مچھلی کی طرح ایک مرتبہ پھر تڑپ اٹھا تھا۔

”اور ہاں! جیسی وہ کچھ یاد آنے پر بولی! علی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

”اب بھی کچھ باقی ہے“۔ پھر شکست خوردہ لہجہ میں بولا کہ گویا اپنے ساتھ ہونے والے قدر کے اس سنگین مذاق کو مرنے کیلئے کرتا کے مصداق قبول کر گیا تھا۔

(جاری ہے)

اقراء چنہ

ناولٹ

زندگی چاروں طرف

”یہ کیا ذرا ہے؟“ وہ عیش بھرے انداز میں بولی۔
”کون سا ذرا ہے؟“ وہ جان کر انجان بنا۔

”تمہیں اپنی فیملی کو میرے گھر بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟“ مہک تنک کر بولی۔

”تا کہ جلد از جلد مہک صاحبہ اس گھر میں دلہن بن کر آجائیں اسی ادارے سے بیجا تھا اور تو کچھ خاص ادارہ نہیں تھا۔“ ہاتھ پکڑی کتاب وہ رکھ کر بولا اس کی باتوں سے مہک کا تن بدن جل گیا۔
”تو پلیز آپ ہم پر یہ احسان مت کریں۔“ وہ اکڑ کر بولی۔

”یہ احسان تو نہیں ہے بس اپنی دلی خواہش کو پورا کرتا چاہتا ہوں۔“ حدید نے اسے بغور دیکھ کر کہا۔

”تو انکار کر دو کیوں کہ مجھے اس گھر میں شادی کر کے نہیں آنا جس گھر نے ہمیشہ ہمیں اپنے سے دور رکھا۔“

”اور اگر میں نے انکار کر دیا تو چاہی پر کیا گزرے گی؟“ یہ بھی تم جانتی ہو۔“ وہ گھبراہٹ سے بولی۔

حدید کی بات میں دم تھا اس بارے میں تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا اور بنا سوچے سمجھے اس کے گھر بلکہ اس کے کمرے میں چلی آئی اس بیمار ماں کے بارے میں تو سوچا بھی نہیں جو بستر کی ہو کر رہ گئی تھیں اور جب سنا کہ ان کے رشتہ دار ان کی بیٹی کا ہاتھ مانگنے ان کے گھر تک چلے آئے ہیں تو جیسے انہیں نئی زندگی مل گئی تھی۔



”کیا سوچ رہی ہو؟“ اسے خاموش پا کر حدید نے اس کے آگے ہاتھ لہرایا۔ وہ جتنے غصے میں آئی تھی اب وہ غصہ کچھ ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

”میں اس فیصلے سے خوش نہیں ہوں یہ یاد رکھنا مسٹر حدید احمد۔“ وہ اس کی طرف انگلی کر کے بولی حدید کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی وہ جتنی تیزی سے آئی تھی اتنی ہی تیزی سے چلی بھی گئی۔ حدید کے روم سے نکلتے ہی اسے دادی اماں اور عروج نگر آئیں۔

”ارے مہک! تم یہاں؟“ عروج حیران ہوئی مگر اس کے لہجے میں خوشی تھی۔

”بیٹا! ہمیں خبر تو کر دیتی پہلی بار یہاں آئی ہو۔“ دادی اماں نے پیار سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

”نہیں مجھے دیر ہو رہی ہے پھر آؤں گی۔“ وہ تیزی سے کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی دادی اماں اور عروج نے تیزی سے جاتی ہوئی مہک کو نظر سے دیکھا۔ وہ تیزی سے اس خوبصورت وسیع و عریض گھر کا گیٹ عبور کر گئی اس گھر میں رہنے کی خواہش اس کے دل میں بچپن سے تھی لیکن جب سے ہوش سنبھالا تو اس گھر اور اس کے مکتبوں سے دل کڑوا ہو گیا تھا ان بے سہارا اور معصوم بچیوں کا کیا تصور تھا جو انہیں اس گھر سے اپنے پیارے دلا ر سے دور رکھا، جب گھر بچپنی تو امی سے معلوم ہوا کہ عائشہ پچھو کے ہاں سے ان کے بیٹے کی شادی کی دعوت آئی تھی، امی کے تو پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے وہ بہت زیادہ خوش تھیں اور تانیہ بھی بہت خوش تھی لیکن یہ سن کر اسے خوشی نہیں ہوئی۔

”کیا ضرورت ہے ہمیں وہاں جانے کی.....؟“ وہ بے زاری سے بولی۔

”کیوں ضرورت نہیں ہے؟ بلکہ یہی موقع ہے کہ ہم پھر سے اپنے رشتہ داروں سے ملیں گے۔“ امی نے

دلیل دی۔

”کیسے رشتہ دار؟ یہ وہی رشتہ دار ہیں نا جنہوں نے آپ کو اس گھر میں ایک قدم بھی رکھنے نہیں دیا آپ کو قبول نہیں کیا آپ کا دل بڑا ہو سکتا ہے میرا نہیں۔“ وہ کاٹ دار لہجے میں بولی۔

”آپ! یہ آپ امی سے کیسے انداز میں بات کر رہی ہیں؟“ چھوٹی تانیہ نے مہک کو ٹوکا وہ خاموش ہو گئی پھر وہ مہک کے ساتھ بیڈ کے کنارے پر بیٹھی امی ابھی تک فکر مند کھڑی تھیں۔

”اگر عائشہ پچھو نے ہمیں بلایا ہے تو ہمیں جانا چاہئے میرا بھی دل کرتا ہے کہ میں بھی اپنے کزنز سے ملوں اور سب کتنے اچھے ہیں حدید بھائی اور عروج تو بالکل دوستوں کی طرح ہیں دادا ابا اور دادی بھی ہمیں کتنا پیار کر رہے تھے ہم نے جوانی کے بارے میں تصور کیا تھا وہ اس کے بالکل برعکس نکلے زندگی نے موقع دیا تو ہمیں ان سب رشتوں کو سمیٹ لینا چاہئے یہ چاروں کی زندگی ہے اگر ہم اسے خوش ہو کر گزاریں گے تو ہمیں خود کو دلی سکون ملے گا۔“ تانیہ نے اسے نرم لہجے میں سمجھایا فرحت کے دل میں اپنی چھوٹی مگر سمجھدار بیٹی پر بے اختیار پیار آیا۔

”نہیک ہے بیٹی۔“ مہک نے تانیہ کے سر سے اپنا سر ٹکایا پھر فرحت نے دونوں بیٹیوں کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

☆.....☆.....☆

صبح سے موسم کے تیور بدلے ہوئے تھے وقفے وقفے سے بارش ہو رہی تھی جب بارش ختم مئی تو وہ آفس سے باہر نکلی سڑک پر گاڑیوں کی بھاگ دوڑ جاری تھی تمام روڈ برسات کے پانی سے بھیکے ہوئے تھے وہ پانچ اٹھائے روڈ کے اس پار چلی آئی کوئی سواری خالی نہیں تھی جو اکا دکا تھیں وہ رک نہیں رہی تھیں اتنے میں پھر سے آسمان کا لے بادلوں کی لپیٹ میں آ گیا مہک نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اندر دیکھتے دیکھتے دھواں دار بارش شروع ہو گئی

وہ پریشان ہو گئی مغرب کا وقت ہونے والا تھا امی گھر پر پریشان ہو رہی ہوں گی پریشانی میں اس کی آنکھیں نم ہو گئیں کندھے پر لٹکے پرس کو مضبوطی سے پکڑ کر ادھر ادھر پریشان کن نظروں سے دیکھنے لگی اتنے میں بیوہ کی گاڑی اس کے آگے رکی اور پھر حدید باہر نکلا اسے دیکھ کر مہک نے رخ پھیر لیا۔

”چل کر گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔“ وہ اس کے بھیکے اور تھرا تھرا تے وجود کو دیکھ کر تشویش سے بولا۔

”یہ زحمت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے تمہارے ساتھ نہیں جانا۔“ وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

”ابھی سمجھ کر ہی میرے ساتھ چلو۔“ اب وہ انتحاری لہجے میں بولا۔

”سوری..... پر میں اجنبیوں پر بھروسہ نہیں کرتی۔“ وہ کپکپاتے ہوئے بولی۔

”نہیک ہے اب مجھے اپنا طریقہ اپنانا پڑے گا۔“ مہک کے ساتھ ساتھ وہ بھی بھیک چکا تھا بارش رکنے کا نام نہیں

لے رہی تھی۔ حدید نے اس کی نکائی کو مضبوطی سے پکڑا اور کھینچ کر گاڑی میں دھکیلا۔

”یہ کیا بد تیزی ہے؟“ وہ اب بھی اکڑ کر بولی۔

”سوری ڈیر..... اس ٹائم یہ بد تیزی کرنا میری مجبوری تھی۔“ وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر بولا وہ بس ایک

پنجرے میں بند چڑیا کی طرح پھڑپھڑا کر رہ گئی۔

”یوں کیا دیکھ رہی ہو؟“ وہ ابرو اچکا کر بولا۔

”کچھ نہیں۔“ وہ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں مسلتے لگی۔

وہ وٹنیش انداز میں گفتار باتھا..... مہک نے غصے میں اسے دیکھا۔

”کھا جاؤ گی کیا؟“

”میں حرام چیزیں نہیں کھاتی۔“

”ویسے اس لک میں بھی بری نہیں لگ رہی ہو۔“ وہ برا منہ بنا کر اسے بغور دیکھنے لگا۔

”تم خاموش نہیں رہ سکتے؟“ مہک نے ٹوکا

”کیا کروں یا ر! عادت سے مجبور ہوں۔“ وہ بے چارگی سے بولا۔

☆.....☆.....☆

حدید جب میٹرک کے پیپرزدے کر فارغ ہوا تو اسے آگے بڑھنے کے لئے کینیڈا بھیج دیا گیا وہ بچپن میں کبھی اپنے چاچا یا ان کی فیملی سے نہیں ملا تھا پھر جب وہ پڑھائی مکمل کر کے پاکستان آیا تو دادا ابا اور دادی اماں نے اسے سب حقیقت بتادی اسے بہت دکھ ہوا تھا دادا ابا اور دادی اماں کو بھی اب پچھتاوا ہو رہا تھا پھر حدید نے ان کا ایڈریس تلاش کروایا جب پہلے دن ہی اس نے مہک کے مسکتے چہرے اور اس کی معصومیت کو دیکھا تو دل اس پر فدا ہو گیا اس نے اپنے دل کی یہ بات دادا ابا اور دادی اماں سے شہر کی دادا ابا کی تو حدید میں جان ہستی تھی اور ان کے لئے تو یہ دو گنی خوشی کا موقع تھا کہ حدید نے ان کی پوتی کو پسند کیا ہے انہوں نے یہ بات حسن احمد کو بتائی وہ بھی بہت خوش ہوئے دو دنوں بعد انہوں نے فرحت کے آگے اپنے دل کی خواہش ظاہر کی خوشی سے ان کی آنکھیں بھر آئیں حدید نے کن اکھیوں سے ہاتھوں سے دوپٹے کا پلو کو مروڑتی ہوئی مہک کو دیکھا تھا روینہ بیگم نے اس رشتے پر نا منظوری دی لیکن حسن صاحب نے انہیں خوب سمجھایا اور حدید کے آگے کچھ بھی کہنے سے منع کیا وہ ساتھ آئی تو تھیں مگر خوش نہیں تھیں حدید مہک کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر ہی سمجھ گیا تھا کہ وہ خوش نہیں ہے مگر اسے اپنی سچی محبت پر یقین تھا۔

وہ سب لاہور پہنچ گئے تھے عائشہ پھیمو بہت اچھی تھیں ان کے تین بچے فہد شاہ میر اور شمن تھے وہ بھی بہت اپنائیت دے رہے تھے مہک کو بھی اب سب کزنز سے مل کر اچھا لگ رہا تھا اور مزہ آ رہا تھا تانی تو ان سب کے ساتھ ایک بھی جسے بچپن سے ساتھ ہوں دادا ابا اور دادی اماں بھی ان دونوں کو بہت پیار کرتے تھے تانیا ابو بھی بالکل دوستوں کی طرح تھے باقی تانی نہ تو ان کے دوبارہ رشتہ داری سے خوش تھیں اور نہ ہی مہک کو اپنی بہو بنانے کیلئے راضی تھیں دونوں تانی اور مہک کو اپنے شہر کے بازار لے آئی پھر کچھ شاپنگ کرنے کے بعد وہ چاروں ریسورنٹ چلی آئیں۔

”فہد بھائی“ عروج نے حیرانگی سے کہا۔

”کہاں ہیں فہد بھائی؟“ تانی ارد گرد دیکھنے لگی۔

”وہ دیکھو“ عروج نے کونے والی ٹیبل کی طرف اشارہ کیا جہاں فہد بھائی کے ساتھ شاہ میر حدید اور ایک خوبصورت لڑکی موجود تھی وہ سب خوش پیوں میں مصروف تھے۔

”یہ لوگ اس لڑکی کے ساتھ کیا کر رہے ہیں؟ شاہ میر کو تو چھوڑو فہد بھائی اور حدید بھائی بھی مسکرا مسکرا کر بات کر رہے ہیں“ عروج بے یقینی سے بولی۔

”میں ابھی جا کر ان کو دیکھتی ہوں“ شمن جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ارے نہیں شمن تمہارا وہاں اس طرح جانا ٹھیک نہیں ہے“ مہک نے اس کے ہاتھ کو پکڑ کر روکا۔

”مہک تم جانتی نہیں ہو میں اچھی طرح ان کی خبر لیتی ہوں“ وہ کہہ کر آگے بڑھ گئی اس کے پیچھے پیچھے تانی اور عروج بھی گئیں جبکہ مہک اپنی جگہ بیٹھی رہی۔

”آپ تینوں یہاں کیا کر رہے ہیں؟“ وہ طنز ابولی وہ تینوں عروج شمن اور تانیہ کو دیکھ کر چونکے۔

”ارے یہ لڑکیاں کون ہیں؟“ اس لڑکی نے اداسے پوچھا۔

”یہ ہماری پڑوسن ہیں“ شاہ نے بڑی صفائی سے جھوٹ بولا۔

”جی نہیں ہم تینوں ان کی بہنیں ہیں“ عروج نے شاہ کے پاؤں پر زور سے اپنا پاؤں مارتے ہوئے سرعت سے کہا۔

”اوہ..... اچھا اب میں چلتی ہوں آپ لوگ انجوائے کریں میری بیٹی کی چھٹی کا ٹائم ہو گیا ہے وہ ریست وائچ پر ایک نظر ڈال کر کھڑی ہوئی۔

”بیٹی“ شاہ میر اور حدید نے ساتھ دہرایا۔

”جی میری بیٹی یہیں قریب اسکول میں پڑھتی ہے اس کی چھٹی میں ابھی ٹائم تھا تو میں یہاں آ گئی تھی باہر بہت گرمی تھی نا آپ لوگوں سے مل کر اچھا لگا اور میرا ٹائم بھی اچھا گزر گیا“ وہ شولڈر پر پرس ٹکا کر بولی اور پھر آگے بڑھ گئی۔

”ہم لوگ کوئی اندھی، نگڑی ہیں جو ہمیں اپنی بہنیں بتانے میں عار محسوس ہو رہی تھی“ شمن شاہ میر کو مارتے ہوئے بولی حدید کی نگاہیں مہک کو ڈھونڈنے لگیں پھر اس کی نظریں درمیان میں رکھی ٹیبل پر بیٹھی مہک سے ٹکرائیں وہ سب کی نظروں سے بچ کر اس کے پاس چلا آیا۔

”یوں کم صدم کس کے خیالوں میں بیٹھی ہو؟“ حدید نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھ کر پوچھا۔

”تم سے مطلب.....؟“ وہ کاٹ دار لہجہ میں بولی۔

”ہاں ہے مطلب“ وہ سینے پر دونوں بازو لپیٹ کر بولا۔

”ہمیشہ اٹنے سوال پوچھنا تمہاری عادت ہے کیا؟“

”تم بھی تو اٹنے جواب دیتی ہو“ وہ منہ بسور کر بولا۔

”کیا بات بھی موقع ملے ہی اپنی باتوں میں شروع ہو گئے“ فہد نے حدید کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر شرارت سے کہا تو مہک شیشا گئی۔

”یار! کیا ہو جاتا اگر وہ شادی شدہ نہ ہوتی“ شاہ میر اب تک اپ سیٹ تھا۔

”تو..... شمن دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر بولی۔

”تو می، پاپا کو اس کے گھر بھیجتا اور وہ تمہاری بھابی بن کر ہمارے گھر آ جاتی“ شاہ میر بتاتے بتاتے حسین خیالوں میں گم ہو گیا تو سب بے ساختہ ہنس پڑے۔

☆.....☆.....☆

شادی سے پہلے مہندی کی تقریب رکھی گئی تھی جس میں بس قریبی رشتہ داری شامل کئے گئے تھے عائشہ پھیمو کے دو پور کا بیٹا شایان بھی اس تقریب میں شامل ہوا تھا جس کی نگاہیں مہک کے چہرے سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں مگر مہک اس بات کو خوب محسوس کر رہی تھی مگر انور کر رہی تھی وہ لگ بھگ بھی تو آسمان سے اتری ہوئی ایک حور لگ رہی تھی گرین کلر کے خوبصورت کڑائی والے لباس میں اس کا سراپا دوسروں کو خود کی طرف متوجہ کرنے کیلئے کافی تھا لہجے گھنے بال کمر پر جلوہ دکھا رہے تھے اور کچھ لٹیں چہرے پر شرارت کر رہی تھیں باقی سب بھی اپنی اپنی جگہ اچھے لگ رہے تھے بلیک جنر اور ریڈ شرٹ پر بلیک جیکٹ میں حدید بہت پسند سم لگ رہا تھا۔ فہد بھائی دائیں سوٹ میں بہت کیوٹ لگ رہے تھے ان کو خوبصورت پھولوں کی گچی ہوئی جینز پر بٹھایا۔

”مما! یہ مہندی کس لئے ہے؟“ حدید نے ٹیبل پر پڑی مہندی کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

”یہ مہندی کی رسم ہوتی ہے سب بہنیں باری باری دو لمبے میاں کے ہاتھوں پر مہندی لگاتی ہیں“۔

”ارے لڑکے کے ہاتھوں میں مہندی“ وہ حیران ہوا۔

”ہاں جیٹا! یہ تو مہندی کی رسم ہے اور اپنی چھوٹی چھوٹی رسوں سے ہی ڈھیر ساری خوشیاں حاصل ہوتی ہیں“۔ روینہ نے اسے پیار سے سمجھایا وہ پہلی بار کسی شادی میں شامل ہو رہا تھا اور اسے یہ شادی کی رسمیں انٹرنسٹنگ لگی تھیں۔

”سب سے پہلے فہد کو مہندی مہک لگائے گی“ پھیمو نے لاڈ سے کہا۔

”لیکن فہد کی بہن تو شمن ہے اور پہلا حق تو اس کا ہے“۔ روینہ نے عائشہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”لیکن خاندان کی بڑی بیٹی مہک ہے پہلا حق تو اسی کا بنتا ہے“ عائشہ پھیمو نے پھولوں سے گئی مہندی کی پلیٹ مہک کو پکڑائی پھر سب سے پہلے مہک نے فہد بھائی کو مہندی لگائی اس کے بعد سب لڑکیوں نے لگائی شاہ میر اپنے کمرے میں سب کی خوبصورت یادوں کو تازہ کر رہا تھا۔

”بہت ٹائٹ لگ رہی ہو“ حدید نے پیچھے سے آ کر اس کے کان میں سرگوشی سے کہا۔

”ارے یہ کیا کھسر پھسر کر رہے ہو؟“ دادا ابا نے اسے دیکھ لیا تھا۔

”نہیں دادا ابا! میں تو.....“ وہ جھل ہو گیا دادا ابا اپنی مسکراہٹ چھپانے لگے حدید نے وہاں سے جانے میں ہی عافیت سمجھی۔

”می! میں بھی بھائی کو مہندی لگاؤں.....؟“ شاہ میر لہرا کر آیا۔

”نہیں لڑ کے نہیں لگاتے۔“ عائشہ نے اس کے سر پر چپت لگائی۔

تقریب ختم ہونے کے بعد وہ کچن میں منٹائی لینے کے ارادے سے آئی جب پیچھے مڑی تو کچن کے عین درمیان شایان کو کھڑا پایا اسے دیکھ کر مہک دم بخود ہو گئی۔

”بہت دیر سے تمہیں دیکھ رہا ہوں بہت اچھی لگ رہی ہو۔“ وہ مہک کو طائرانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

”شٹ اپ.....“ وہ دانت پیس کر بولی۔

”میں تعریف کر رہا ہوں اور تم شٹ اپ کہہ رہی ہو۔“ وہ آنکھیں گھما کر بولا۔

”دیکھو یہاں سے چلے جاؤ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔“ مہک نے انگلی اٹھا کر دھمکی دی۔

”اچھا۔“ وہ سخرے پن سے بولا۔

باہر سے ٹمن اور عروج کی آوازیں آرہی تھیں وہ کچن کی ہی طرف آرہی تھیں وہ مجبوراً وہاں سے ہٹ گیا اس کے وہاں سے جانے سے مہک کی جان میں جان آئی اور پھر اس نے گہری سانس خارج کی۔

﴿.....﴾

اگلے دن یعنی فہد کی شادی سے ایک دن پہلے حدید اور مہک کی تقریب رکھی گئی مہک کو یہ خبر سن کر بالکل بھی خوشی نہیں ہوئی اسے تو اب کوفت ہونے لگی تھی مگر فرحت اور باقی سب لوگ (علاوہ روبینہ کے) بہت خوش تھے۔

”ابا کو اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے پہلے ایک بار مجھ سے تو پوچھ لینا چاہئے تھا اتنی جلدی کیا تھی میں تمہاری ماں ہوں تمہاری زندگی کا فیصلہ کرنے کا حق میرا بھی ہے۔“ روبینہ نے دل کی ساری بجز اس حدید کے آگے نکال دی۔

”کیا آپ کو کوئی اعتراض ہے؟“ حدید نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

”ہاں مجھے اعتراض ہے۔“

”کیوں ممما؟“ حدید کو نکھیں پہنچی۔

”کیونکہ میں تمہارے لئے کسی اور اچھی لڑکی کا انتخاب کرنا چاہتی تھی جو تمہارے لائق ہو۔“ وہ بیڈ پر ہاتھوں میں سر دیئے بیٹھیں۔

”آپ کا کیا مطلب ہے کہ مہک میرے لائق نہیں ہے؟“ اس کا لہجہ بکھرا ہوا تھا۔

”ہاں وہ ایک مڈل کلاس لڑکی ہے خود کماتی ہے جب جا کر اس کے گھر والے کھاتے ہیں وہ تمہارے لائق نہیں ہے چھوڑ دو یہ بچپنا ابا کو منع کر دو۔“ وہ خود غرضی سے بولیں حدید کو اپنی ماں کی اس چھوٹی سوچ پر حیرانگی ہو رہی تھی۔

”ممما! مہک میری زندگی ہے اس کے بغیر میں ادھورا ہوں اگر یہ بات آپ نے کسی اور سے کہہ دی تو آپ مجھے کھودیں گی۔“ وہ ٹٹس میں کہتا ہوا بیرونی دروازہ عبور کر گیا۔

ٹمن اور عروج نے مہک کو سجایا مہک پر ایک نیاروپ آگیا تھا ڈارک پنک کالر کے لباس میں وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی سب نے اسے بہت سراہا فرحت نے تو اس کی نظر بھی اتاری مہک کو حدید کے پہلو میں بٹھایا گیا حدید خوشی سے پھو لے نہیں سار ہا تھا مگر روبینہ کے چہرے پر ابھی بھی خوشی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے اور دادا ابا تو اپنے اکلوتے پوتے کو اتنا خوش دیکھ کر جی انٹھے تھے اور وہ خوب انجوائے کر رہے تھے۔

”آج یہ تمہارا روپ صرف اور صرف حدید احمد کے لئے ہے۔“ حدید نے اپنے پہلو میں بیٹھی مہک کو آہستگی سے کہا مہک نے رخ اس کی طرف کر کے ٹیکھی نظروں سے دیکھا۔

”یار! آج کے دن بھی غصہ۔“ اس نے برا منہ بنا کر شکایتی انداز میں کہا شایان بھی مسلسل مہک کو دیکھے جا رہا تھا۔

نعر اس کے چہرے پر چلیس ہونے والے کوئی تاثرات نہیں تھے وہ صرف مسکرائے جا رہا تھا۔ پھر یوں ہی ایک دوسرے کو چھیڑتے ہوئے تقریب اختتام پر پہنچی سب لاؤنج میں موجود باتوں میں گمن تھے وہ چھینچ کر روم میں آئی وارڈ روپ سے لان کا لیسن کھر کا سوٹ نکال کر واش روم میں کھس گئی جب باہر نکلی تو ہکا بکا رہ گئی شایان بیڈ پر دراز تھا اور گھٹیا پن سے مسکرا رہا تھا۔

”تم یہاں کیا کر رہے ہو؟“ وہ تمام ہمتیں جوڑ کر نارمل لہجے میں بولی۔

”میرا تم سے اکیلے میں ملنے کا دل چاہ رہا تھا۔“ وہ اٹھ کر اس کے سامنے آگیا مہک کا سارا وجود کاپٹنے لگا اس سے پہلے وہ کچھ کرتا مہک نے وہاں سے جانے میں ہی بہتری سمجھی۔ وہ جھٹکے سے مڑی اور دہشت میں اتنا بھاگی کہ لان تک پہنچ گئی کسی سے بری طرح نکرانے پر وہ اسی کے سینے سے لگ گئی یوں لگا جیسے کسی محفوظ جگہ میں پناہ مل گئی ہو وہ گہری سانس لینے لگی۔

”مہک کیا ہوا؟“ حدید نے گھبرا کر پوچھا حدید کی آواز سماعتوں سے نکرانی تو وہ بجلی کی تیزی سے اسے الگ ہو کر پیچھے ہوئی۔

”کیا ہوا تم اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو؟“ اس نے دوبارہ پوچھا۔

”کچھ نہیں..... وہ میں ڈر گئی تھی۔“ اس نے چہرے پر ہاتھ پھیر کر خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی حدید کو کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا وہ پھر ذہیلے قدموں سے چلتی ہوئی اندر چلی گئی وہ تو فون پر بات کرنے لان میں آیا تھا مہک کا اس طرح گھبرا کر اچانک آنا اور اسے گلے لگ جانا اسے بات مبہم نہیں ہو رہی تھی لیکن اسے مہک کی یہ حرکت بہت اچھی لگی تھی اس کے لبوں پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی اور آنکھوں میں چمک آگئی وہ جانی دشمن کیسا احساس دلا گئی تھی وہ سرد آہ لے کر رہ گیا۔

﴿.....﴾

کپ میں چائے ڈالتے ہوئے اس کے بائیں ہاتھ پر گرم گرم چائے گر گئی عروج اور ٹمن نے چائے کی فرمائش کی حدید سمیت وہ سب کچن میں ہنسی مذاق کر رہے تھے۔

”آہ.....“ وہ گرم ہاتھ کو سہلانے لگی حدید جھٹکے سے اس کی طرف لگا۔

”تم اپنا خیال نہیں رکھ سکتیں؟“ وہ اس کے جلتے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر فکر مند ہی سے بولا۔

”چلو میں مرہم لگا دیتا ہوں۔“

”نہیں بس ٹھیک ہو جائے گا۔“ اس نے اپنا ہاتھ حدید کے ہاتھوں سے چھڑاتے ہوئے کہا۔

”میرے ساتھ چلو۔“ اس نے رعب سے کہا اور اس کا دایاں ہاتھ پکڑ کر پھپھو کے روم میں لے آیا عروج اور ٹمن نے حدید کی پریشانی دیکھ کر ایک دوسرے کو اشارہ کیا اور پھر مسکرائیں۔ اسے بیڈ پر بٹھا کر حدید نے اس کے ہاتھ پر مرہم لگایا اور پھر پٹی باندھی مہک کو پہلی بار حدید کا بات کرنا اپنے لئے فکر مند ہونا اچھا لگ رہا تھا اس کی چھوٹی سی تکلیف پر وہ کیسے تڑپ اٹھا تھا۔

”لگتا ہے اب ہر وقت مجھے تمہارے ساتھ رہنا پڑے گا تمہارا خیال رکھنے کے لئے۔“ وہ فکر سے بولا اس کی بات پر بجائے غصے کہ مہک کو ہنسی آگئی آج وہ پہلی بار حدید کے لئے مسکرا رہی تھی۔

”کیوں ہنس رہی ہو؟“

”میری مرضی میں ہنسون یا روؤں۔“ وہ کندھے اچکا کر مزے سے بولی۔

”اچھا اور مجھے لگا کہ تمہیں شک لگا ہے اور پاگل پن کے دورے پڑ رہے ہیں تبھی تو تکلیف میں بھی ہنس رہی ہو۔“ وہ مسخرے پن سے بولا یکدم گھر کے تمام افراد روم میں داخل ہوئے سب اس کی تکلیف پر فکر مند ہو رہے تھے جبکہ اسے اتنی تکلیف کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔

”بیٹا! اپنا خیال رکھا کرو ذرا اپنے آپ کا دھیان رکھا کرو۔“ دادی اماں نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

”ہمارا فاروق بھی بالکل تمہاری طرح تھا ہمیشہ نادانی میں خود کو تکلیف پہنچاتا تھا دیکھنے میں بھی بالکل میرے فاروق کی طرح لگتی ہوا اب ہماری تم میں جان بستی ہے جتنے دکھ تمہیں پہنچے تھے وہ تم لوگ سہ چکے ہو اب نہیں۔“ بولتے بولتے دادی اماں کی آواز نرم ہو گئی۔

”ہاں اور تم مجھے بالکل اپنے باپ کی طرح سمجھنا مجھ سے دل کھول کر اپنے دل کی بات شیئر کر سکتی ہو اور اگر یہ حدید تمہیں تنگ کرے تو مجھ سے اس کی شکایت کرنا پھر میں اس کی اچھی طرح خبر لوں گا۔“ آخر میں حسن احمد نے شرارت سے کہا تو سب کے لب مسکرائے۔

مہک کے دل میں جو سب کے لئے غلط فہمیاں تھیں وہ سب دور ہو گئی تھیں کبھی کبھی حالات انسان کو وہ کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں جو وہ کرنا نہیں چاہتے پھر کہتے ہیں تا وقت انسان کا بہت بڑا سانس ہوتا ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے زخم بھی بھر جاتے ہیں اگر زندگی میں برا وقت آتا ہے تو اچھا وقت بھی ضرور آتا ہے۔“

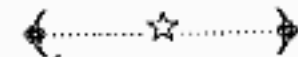
”یہ تمہاری بہن پاگل ہے کیا؟“ حدید نے آہستگی سے تانی سے پوچھا۔

”ہاں..... اور آپ فکر نہ کریں آپ کو بھی کروے گی۔“ تانیہ نے راز داری سے کہا۔

”تو تم میرا ساتھ دو نا۔“ وہ تانی کی ناک پکڑ کر شرارت بھرے لہجے میں بولا۔

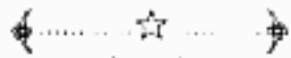
”سوری..... میں کہاب میں ہڈی نہیں بن سکتی۔“ وہ آنکھیں میچ کر بولی پھر حدید بے ساختہ ہنس پڑا مہک نے

حدید کو ہنستے ہوئے بھی پہلی بار دھیان سے دیکھا تھا وہ ایک شہزادہ لگ رہا تھا اسے ہنسا دیکھ کر مہک کے لب بھی خود بخود مسکرائے۔

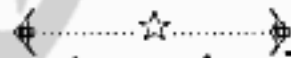


فاروق احمد اور فرحت کالج میں ساتھ پڑھتے تھے پھر دوستی ہوئی اور دوستی پسند میں بدل گئی مگر فاروق کے ابا فرحت کے خلاف تھے کیونکہ وہ فاروق کے لئے اپنی سچی پسند کر چکے تھے یہ بات تمام خاندان والوں کو بھی معلوم تھی وہ اپنے بھائی کو انکار نہیں کر سکتے تھے لیکن فاروق ہر قیمت پر فرحت کو حاصل کرنا چاہتا تھا فرحت کا اس کی تانی کے سوا کوئی بھی نہیں تھا اس کی تانی راضی تھیں پھر ایک دن فاروق صاحب اور فرحت کو رٹ میرج کر کے گھر آئے اس رات ان کے گھر میں قیامت کا عالم تھا ان کے ابا نے انہیں جائیداد سے بے دخل کر دیا لیکن فرحت کو قبول نہیں کیا فاروق کے بڑے بھائی حسن نے بھی بہت سمجھایا مگر انہوں نے کسی کی ایک نہیں سنی عائشہ کی تب شادی نہیں ہوئی تھی وہ ڈری سبھی ایک کونے میں کھڑی تماشا نیوں کی طرح دیکھ رہی تھی۔ تب حسن کا بیٹا حدید صرف دو سال کا تھا گھر سے واپس جانے کے بعد فاروق نے اپنے دوست کی مدد سے ایک فلیٹ لیا اور اسے اپنا گھر بنایا ان کی پہلی اولاد مہک ہوئی وہ بہت خوش تھے پھر پانچ سالوں بعد تانیہ پیدا ہوئی ان کی زندگی بہت اچھی گزر رہی تھی وہ اپنی چھوٹی سی دنیا میں بہت خوش تھے کہ تانیہ کے دو سالوں بعد فاروق احمد کا ایک ہیڈنٹ ہو گیا فرحت پر ایک قیامت ٹوٹی تھی ایک بیوہ عورت اور دو بیٹیوں سمیت کہاں جائے گی اس موقع پر بھی ان کے سسرال والوں نے انہیں قبول نہیں کیا ایک بار بھی نہیں کہا کہ وہ گھر چلے فرحت کی زندگی میں دکھوں کا پہاڑ ٹوٹا تھا ایک طوفان آیا تھا لیکن وہ ان دکھوں کا سامنا کرنا

چاہتی تھیں انہوں نے اپنی دونوں مصوم بیٹیوں کے لئے خود کو جوڑا اور جاب کرنے لگیں یوں انہوں نے مہک اور تانیہ کی پرورش کی انہیں پڑھایا انہیں اچھی تربیت دی پھر وہ بیمار رہنے لگیں اور ڈاکٹر نے بتایا کہ انہیں شوگر کی بیماری ہے مہک نے انہیں آرام کرنے کے لئے کہا اور خود جاب کی تلاش شروع کر دی یہاں قسمت نے ساتھ دیا اور اسے بہت جلدی ایک اچھے معیار کی جاب مل گئی۔



اگلے روز فہدی کی بارات تھی بچے بڑے سب خوب انجوائے کر رہے تھے اور خوب ناچ گار رہے تھے دادی اماں اور دادی پرتو جیسے نئی جوانی آگئی تھی شاہ میر اور حدید نے بھی خوب ڈانس کیا یوں کچھ رسوں کے بعد وہ لڑکی کی رخصتی کروا کر گھر لے آئے اسی طرح دوسرے دن ویسے کی بھی تقریب کافی دلچسپ گزری اس دن کے بعد شایان نظیر نہیں آیا اگلے دن ان سب کی واپسی کراچی ہو گئی تھی مہک کے ذہن سے اس رات والا منظر نکل ہی نہیں رہا تھا حدید کو وہ ہمیشہ انور کر رہی تھی اس کی اچھی باتوں کے بدلے میں اسے کڑوی سیلی باتیں سناتی اور جب وہ حدید سے جا لگی تھی تو کتنا سکون ملا تھا کہ اب کوئی خطرہ نہیں اب وہ مضبوط ہانہوں کے حصار میں ہے سوچتے سوچتے اس کے دل کو کچھ ہوا تھا دل میں حدید کے نام کی آوازیں گونجیں تھیں ایک نئی بے چینی پیدا ہو گئی تھی وہ کیا تھی؟ مہک سمجھ نہیں پاری تھی وہ رات اس نے حدید کے بارے میں ہی سوچ کر گزاردی۔



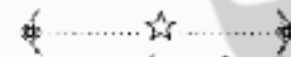
فرحت جیگم دو انیاں لے کر آرام کر رہی تھیں تانی اپنی دوست کی برتھ ڈے پارٹی میں گئی تھی وہ اکیلی بیٹھی آفس کا کام کر رہی تھی۔ مسلسل ڈور بیل بج رہی تھی اس نے بیزاریت سے دروازہ کھولا اور سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر وہ حواس باختہ ہو گئی۔

”آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟“

”گھر آئے مہمان کو اندر نہیں بلاؤ گی؟“ وہ تنک کر بولا تو مہک نے ذرا پیچھے ہو کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا ان کا فلیٹ تین کمروں اور ایک درمیانے ہال پر مشتمل تھا ہال سے ہی اندر آنے جانے والا دروازہ تھا اسے ہال میں رکھے صوفے پر بٹھا کر کچن میں بے دلی سے اس کے لئے چائے بنانے چلی آئی۔

مہک کا وقت برا چل رہا تھا کیونکہ اتنے میں حدید بھی وہاں داخل ہوا شایان کو یوں وہاں بے تکلف بیٹھے دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا کچن سے آتی مہک کے ہاتھوں میں چائے کا ایک کپ پکڑا دیکھ کر حدید سخت غصہ میں آ گیا مہک کی تو جان ہی نکل گئی اس کے ہاتھوں سے کپ چھوٹ کر زمین پر گرا۔

”ارے..... حدید آؤ نا!“ شایان سرعت سے بولا حدید مہک پر قبہ بھری نگاہ ڈال کر اسے پاؤں واپس لوٹ گیا کپ گرنے پر فرحت نے مہک کو پکارا شایان پہلے خوش فہمیوں میں تھا کہ گھر میں مہک کے علاوہ کوئی بھی نہیں ہے مہک ابھی بھی چھٹی پھٹی آنکھوں سے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی شایان دانت پیس کر کھڑا ہوا دھر پھر وہ بھی چلا گیا۔



فرحت کو جب اس گھر میں بلایا گیا تو ان کی خوشی کا کوئی تھا کا نہ رہا اور جب انہوں نے گھر میں پہلا قدم رکھا تو برسوں پرانی باتیں یاد آئیں اور آنکھیں نم ہو گئیں دادی اماں نے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر اندر آنے کا اشارہ کیا فرحت کو لگا کہ جیسے آج ان کی زندگی مکمل ہوئی ہے مہک کی بے چینی تھی کہ ختم نہیں ہو رہی تھی کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا

دھڑکتے دل کے ساتھ اس کا نمبر ڈائل کر کے بالکونی میں آگئی۔

”بیٹو!۔ اس کے ریسیدو کرنے پر وہ بے چینی سے بولی۔

”آپ کون بول رہی ہیں؟“ بوجھان کراٹھیاں بنا۔

”تم نے مجھے پہنچانا نہیں؟“ وہ حلقی سے بولی۔

”کیا کام ہے؟ وہ بھی اس وقت۔“ وہ بے زاری ہے بولا۔

”تم میرے پارے میں غلط سوچ رہے ہو۔“ وہ روپاسی ہو گئی۔

”تو اس سے تمہیں کیا فرق پڑتا ہے رات بہت ہو چکی ہے اب تم سو جاؤ مجھے بہت نیند آ رہی ہے۔“ غصے میں کہہ کر اس نے کال کاٹ دی وہ فون کو دیکھ کر رہ گئی آنسو آنکھوں سے نکل کر رخسار بھگو نے لگے۔ وہ حدید کو کیسے بتاتی کہ اب نیندیں اسے روٹھ گئی ہیں اس کا دل بدل گیا ہے اس کا نظریہ بدل گیا ہے اب چین و سکون لٹ گیا ہے اس نے دھیرے سے آنکھیں بند کیں صبح آفس جانے سے پہلے وہ دادا ابا کے گھر چلی آئی سب سے پہلے حدید کے روم میں چلی آئی گھر میں نوکروں کے علاوہ کوئی بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا شاید سب اپنے کمروں میں تھے وہ ابھی شاور لے کر باہر نکلا تھا گیلے بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے بلیو کرکی ہاف آسٹین والی شرٹ میں وہ غصہ لگ رہا تھا مہک نے اس سے نظریں چرائیں۔

”اور اب کیا پرابلیم ہے؟“ وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بے رخی سے بولا۔

”میں تمہاری غلط فہمی دور کرنے آئی ہوں“۔ وہ اب اسے طائرانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

”تمہیں اس بات سے کیا فرق پڑتا ہے کہ میں تمہارے بارے میں کیا سوچ رہا ہوں۔“ وہ آئینہ میں خود کو دیکھ کر تنحنی سے بولا۔

”چلیز ایسا مت بولو اگر فرق نہیں چڑتا تو یہاں نہیں آتی۔“ وہ اب نرم لہجے میں گویا ہوئی۔

”میں دادا! آپ سے آج ہی انکار کر دوں گا۔“ اس نے اپنا فیصلہ سنا کر مہک پر جم پھوڑا۔

”تم ایسا نہیں کرو گے۔“ اس کی آواز اونچی ہو گئی۔

”کیوں نہیں کروں گا؟ تم یہی تو چاہتی تھی تو اب میں تمہیں خود آ زاد کر رہا ہوں، تم مجھ سے سمجھوتے پر شادی کر رہی تھیں، صرف اپنی ماں کی خاطر تمہیں تو میں پسند نہیں ہوں نا، تو میں اب تمہاری یہ خواہش پوری کر رہا ہوں۔“

”لیکن میں اب سمجھوتہ نہیں کر رہی ہوں، میں تمہیں پسند کرنے لگی ہوں، تمہاری ناراضی سے میری تیندیں میرا سکون سب کچھ لٹ گیا ہے اب تم مجھے اس راہ پر لا کر چھوڑ نہیں سکتے میں خود نہیں جانتی اس دل میں تمہاری کب اور

یہی وجہ تھی کہ ابس اتنا یاد رکھنا مسٹر حدید احمد! الحرم نے انکار کیا تو میں جان دے دوں گی۔ وہ بھرے ہوئے سچے
میں کہتی ہوئی چلی گئی۔

حدید کو تو اپنی خوش سستی پر یقین نہیں آ رہا تھا وہ مہک کو جانتا تھا وہ سمجھ دار اور ایک نیک لڑکی ہے آخر اس کے دل میں حدید کے لئے خاص جگہ بن ہی گئی اس نے سوچا پھر دل مچنے لگا اس کے دل میں ڈھول بجا رہے تھے وہ ہنس کر گول گھوما۔

”اب ترپے اور ترسنے کی باری تمہاری ہے مہک“۔ اس نے خود کھامی کی اس نے دل میں ارادہ کر لیا کہ وہ اسے کچھ دن اور تنگ کرے گا اور خوب مزے لے گا۔

”حدید! اب تو تم مجھ سے ناراض نہیں ہونا؟“ وہ ہلکے پکارتے ہوئے بولی۔

”شایان یہاں کیوں آیا تھا؟“ جدید نے گہری نظروں سے اسے دیکھ کر سوال کیا، وہ فرحت چاچی سے ملنے شام کو ان کے گھر آیا تھا، تانی فرحت کو پانی دینے ان کے روم میں گئی تو مہک نے موقع دیکھ کر اپنے موضوع کو چھیڑا اس کے اچانک سوال کرنے پر وہ حیران ہوئی پھر بولنا شروع کیا۔

”میں نہیں جانتی وہ یہاں کیوں آیا تھا اور اس کا ارادہ کیا تھا، مگر مجھے اس کی نیت پہلے دن سے ہی خراب لگ رہی ہے، بہت گھٹیا نظروں سے دیکھتا ہے اور اس رات جب میں گھبرا کر تہہ مارے پاس آئی تھی اس رات تو وہ میرے روم تک چلا آیا تھا، میں بہت گھبرا گئی تھی اور اسی گھبراہٹ میں بھاگتی ہوئی تم سے کرا گئی۔“ مہک نے سب سچ تفصیل سے بیان کیا۔

”اس نے تمہارے ساتھ ایسی حرکت کی تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔“ دو غصے میں لال ہو گیا ایک ہاتھ پر دوسرے ہاتھ کی مٹھی بنا کر ماری۔

”میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔“ وہ طیش میں آ کر آگے بڑھنے لگا، مہک نے اس کے شانے سے پکڑ کر روکا۔

”پلیز..... ایسا مت کرنا‘ بات بڑھ جائے گی اور میرا نام خراب ہو جائے گا۔“

”لیکن کبھی سامنے آ گیا تو اسے چھوڑوں گا نہیں۔“ حدید کی آنکھوں میں پہلی بار اتنا غصہ دیکھ کر وہ ذرگئی تھی پھر اس روز کے بعد حدید نے اس سے کوئی کوشش نہیں کیا اس کا ذہن کسی اور چیز کے بارے میں سوچنے کے لئے راضی ہی نہیں تھا وہ الجھ کر رہ گئی تھی ہر وقت حدید کی باتیں یاد آتیں تو لب مسکرا اٹھتے اور پھر اپنا رویہ یاد کر کے مٹا بیٹھ جاتی۔

آفس سے باہر نکل کر اس نے آسمان کی طرف دیکھا اس روز موسم بہت خوبصورت ہو رہا تھا آفس سے نکلنے کے آدھے گھنٹے پہلے اس نے میج لکھ کر حد کو بھیجا تھا۔

”آفس کے باہر آ جانا آج موسم بہت خشین ہے، ہم کہیں ساتھ چلیں گے۔“ حدید نے اس کا ہتھ پڑھ کر تہیہ کر لیا کہ اب وہ اسے مزید تنگ نہیں کرے گا اور وہ اپنی گاڑی لے کر نکل پڑا اس کی نظریں ابھی تک آسمان پر تھیں کہ کسی نے سختی سے منہ پر ہاتھ رکھا وہ خود کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی مگر ناکام رہی ایک کمزور لڑکی کر بھی کیا سکتی تھی، شایان نے اسے بے دردی سے گاڑی میں دھکیلا۔

”یہ کیا بد تمیزی ہے؟“ وہ غصے میں دھاڑی۔

”معاف کرنا یا راب خاموشی سے بیٹھی رہنا“۔ وہ آنکھ دپا کر بولا۔

”گھنٹیا انسان! حدید تمہیں چھوڑے گا نہیں۔“ وہ نفرت بھرے لہجے میں بولی۔

”حدید تو بعد میں مجھے چھوڑے گا“ پہلے میں تمہیں چھوڑ دوں“ کیا ہوا اگر تمہاری اس کے ساتھ انجمنٹ ہو گئی تو شادی تو میرے ساتھ ہوگی۔“ وہ کہہ کر زور زور سے ہنسنے لگا۔ حدید باہر کھڑا مہک کا ہنی انتظار کر رہا تھا، مہک کو آفس سے نکلتے اور آسمان کو نکلتے وہ دلچسپی سے دیکھ رہا تھا، پھر اس کے آگے ہونے والے واقعہ کو بھی دیکھ لیا تھا، یہ سب اتنا جلدی ہو گیا کہ وہ شایان کو اس گندی حرکت سے روک ہی نہیں پایا، لیکن جلدی سے اپنی گاڑی میں بیٹھ کر ان کا پیچھا کیا، شایان نے مرر میں حدید کو دیکھ لیا تھا، وہ اس صورت حال سے کچھ پریشان ہو گیا تھا اب وہ گاڑی اور تیزی سے چلا رہا تھا، جہاں شایان کی ٹینشن بڑھ گئی تھی، وہاں مہک کو سکون ملا تھا، دیکھتے ہی

دیکھتے پریشانی میں شایان کا دوسری گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہو گیا، مہک کا فرنٹ ڈور زور سے کھلا اور وہ بری طرح سے دوسری گاڑی سے ٹکرا کر سڑک پر گر گئی، یہ منظر دیکھ کر حدید کی تو جان ہی نکل گئی، شایان کے اوسان خطا ہو گئے، وہ موقع پر فرار ہو گیا، حدید کا دھیان اس کی طرف نہیں تھا، اسکی نظریں تو زخمی پڑی مہک کی طرف تھیں وہ دوڑ کر مہک کے پاس آیا، زمین پر بیٹھ کر اس کا سر اپنے گھٹنے پر رکھا، لیکن وہ بری طرح زخمی ہو چکی تھی اس کی آنکھیں بھی بند تھیں اور خون کافی بہہ چکا تھا۔

چوبیس گھنٹوں تک وہ بے ہوش رہی، سب بہت فکر مند تھے، فرحت بیگم تو بہت غم زدہ تھیں انہوں نے ایسی حالت میں اپنے شوہر کو بھی دیکھا تھا اور پھر ہمیشہ کے لئے انہیں کھو دیا وہ اپنی بیٹی کو کھونا نہیں چاہتی تھیں حدید بہت فوٹ چکا تھا بار بار ڈاکٹر ز سے مہک کا پوچھتا اور وہ اسے تسلی دیتے، مہک کی اس حالت کا زوردار وہ خود کو سمجھ رہا تھا، بل بل خدا سے مہک کے ہوش میں آنے کی دعائیں مانگ رہا تھا، زندگی میں جتنی دعائیں اس نے ان چوبیس گھنٹوں میں مانگی تھیں اتنی بھی پہلے نہیں مانگی تھیں جب ڈاکٹر نے اسے مہک کے جلدی ہوش میں آنے کی خبر سنائی تو اس کا دل زرا مطمئن ہو گیا اور وہ مہک کو اس حالات میں لانے والے کو سزا دینا چاہتا تھا، غصے میں آ کر بنا کسی کو خبر کئے اس نے شایان کو تلاش کیا اب وہ بھی گھبرا ہوا لگ رہا تھا پہلے اس کو خوب مارا، پھر پولیس کے حوالے کر دیا۔ مہک نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں سب کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑ گئی، حدید اسی کے بیڈ کے ساتھ رکھے ہوئے اسٹول پر بے چینی کی حالت میں بیٹھا ہوا تھا۔

”میری بیٹی! تم کیسی ہو؟“ فرحت نے اس کے بکھرے بالوں کو سنوارتے ہوئے پیار سے پوچھا۔

”امی میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ وہ اپنے ارد گرد تمام لوگوں کو دیکھ کر دھیرے سے مسکرائی۔

”شکر ہے خدا کا تمہیں ہوش آ گیا، میری تو جان نکل گئی تھی۔“ حدید انداز تشکر سے بولا۔

”ہاں، بھئی ہماری بیٹی بہادر ہے اسے بھلا کچھ ہو سکتا ہے۔“ دادا ابانے لاڈ سے کہا۔

”بیٹا! اب تم سب ہمارے ساتھ ہمارے گھر میں رہو گے اب ہم مزید تم تینوں کو دکھ نہیں دے سکتے۔“ دادی اماں بھرائی آنکھوں سے بولیں، فرحت بیگم نے آنکھیں بند کر کے فاروق صاحب کو یاد کیا، کیونکہ وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ ایک نہ ایک دن اماں! بابا ہمیں ضرور قبول کر کے اس گھر میں واپس بلا لیں گے۔

”اگر یہ اموشنل سین ختم ہو گیا ہو تو ہم پر بھی نظر ڈال دی جائے۔“ شاہ میر نے گلا کھنکھار کر سب کو خود کی طرف متوجہ کیا سب اس کی شرارت پر مسکرائے۔ عائشہ پھپھو کی بھی تمام فیملی آئی تھی (انگل کے علاوہ) شایان کے بارے میں انہیں بھی سب معلوم ہو گیا تھا، انہیں خود بہت حیرت ہوئی تھی وہ فرحت سے معذرت بھی کر رہی تھیں، مہک تو بہت خوش ہو رہی تھی اسے پیار کرنے والے اتنے سارے لوگ ہیں اس کی تکلیف پر سب پریشان ہیں جن رشتوں کے لئے وہ بچپن سے تری تھی وہ سب اسے مل گیا تھا زندگی مکمل ہو گئی تھی اسے جیسے سب کچھ مل گیا تھا پیار اور فکر کرنے والے رشتے اور حدید جیسا ہمدرد مہربان اور محبت کرنے والا ہمسفر۔

زیادہ چوبیس اس کے سر اور ٹانگ میں آئی تھیں ابھی چلا بھی نہیں جا رہا تھا چہرے اور بازوؤں پر کافی کھردھیں آئی تھیں خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے وہ بہت کمزور ہو گئی تھی لیکن سب مل کر اس کا بہت خیال رکھ رہے تھے۔ دوسرے دن تمام بزرگوں کو حدید نے زبردستی گھر بھیج دیا فرحت بیگم تو مہک سے ابھی الگ نہیں ہونا چاہتی تھیں مگر ان

کی اپنی بیمار طبیعت کی وجہ سے ڈاکٹر ز نے انہیں آرام کے لئے کہا، پھپھو فہد بھائی اور ان کی وائف واپس اپنے گھر جا چکے تھے، باقی ایک پارٹی مہک کے ساتھ تھی، یعنی حدید، شاہ میر اور شمن، تانیہ اور عروج، روینہ بیگم بھی بہت حد تک ٹھیک ہو گئی تھیں مہک سے بار بار پیار بھرے لہجے میں طبیعت کا پوچھ رہی تھیں مہک کو یہ دیکھ کر بہت اچھا لگ رہا تھا حدید کو بھی اپنی ماں پر ڈھیر سارا پیار آ رہا تھا، انہوں نے اپنے بیٹے کی حالت ان چوبیس گھنٹوں میں دیکھی تھی (جب تک مہک بے ہوش تھی) انہیں صرف اپنے بیٹے کی خوشیاں عزیز تھیں اور خود بھی تہہ کر لیا تھا کہ وہ مہک کو بہت پیار دیں گی اور اس کو بہت کا وہ درجہ دوں گی جس کے وہ لائق ہے۔

”تمہاری اس حالت کا زوردار صرف میں ہوں میں نے سوچا تھا کہ تمہیں تھوڑا تنگ کروں گا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تمہیں نقصان پہنچے گا تو کبھی تم سے ناراض نہ ہوتا اور کبھی تمہیں خود سے دور نہ کرتا، پلیز مجھے معاف کر دو۔“ وہ اس کے نرم ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر دھیمی آواز میں بولا۔

”اس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں ہے میں تو ایک خوش قسمت لڑکی ہوں جو تم جیسا جیون ساتھی ملا میں بدل گئی میں اپنی ضد کے آگے ہار گئی، اس دل نے تمہارے احساس کے بغیر دھڑکنے سے انکار کر دیا، یہ تمہارے سچے پیار کی وجہ سے ہوا ہے۔“ وہ غلغلہ لہجے میں بولی۔

”اب میں تمہیں جلدی اپنی دہن بنا کر اپنے گھر لے آؤں گا۔“ وہ سرد آہ لے کر فیصلہ کن انداز میں بولا تو مہک کا چہرہ گلاب کی طرح کھل اٹھا۔

”ہیلو.....“ شاہ میر گلا کھنکھار کر داخل ہوا، اس کے پیچھے عروج، تانیہ اور شمن بھی تھیں۔

”مہک! تم اس روم میں تنگ ہو گئی ہوں گی چلو ہم تمہیں ہسپتال کے پارک میں لے چلتے ہیں۔“ شاہ میر نے اس کے بیڈ کے کنارے پر بیٹھ کر کہا۔

”نہیں..... میں فی الحال چل نہیں سکتی۔“ وہ شہنائی۔

”تو نفل الحمال ہم آپ کو اس وہیل چیئر پر لے کر چلتے ہیں، ذرہ تازہ ہوا کھاؤ گی تو فریش ہو جاؤ گی۔“ تانیہ نے مشورہ دیا، پھر سب کے کہنے پر وہ ہسپتال کے پارک چلی آئی، اور واقعی میں اسے وہاں آ کر اچھا لگ رہا تھا، شام کا وقت تھا وہاں بہت چہل پہل تھی، ہر طرف طرح طرح کے لوگ موجود تھے، کچھ اپنے پیاروں کی تکلیفوں پر پریشان تھے، کچھ مہک کی طرح مریض تھے جو اپنے پیاروں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی خوشیاں انجوائے کر رہے تھے اور ایک طرف مریضوں کے ساتھ آئے بچے اس دنیا کی تمام ٹینشنوں سے بے فکر ہو کر کھیل کود رہے تھے۔

”مہک! میں تمہیں اس دنیا کی ہر خوشی لا کر دینا چاہتا ہوں۔“ وہ گھنٹوں کے بل بیٹھ کر بولا تو مہک کو ہنسی آ گئی۔

”کیوں تمہیں میری باتوں پر شک ہے؟“ وہ خوشکلی نظروں سے دیکھنے لگا۔

”ایسی بات نہیں ہے میں بھی زندگی بھر تمہارا ساتھ چاہتی ہوں۔“ مہک نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا اس کے ہاتھ کالس محسوس کر کے وہ شرارت سے بولا۔

”میں تو صرف آپ کا ہوں، جان حدید۔“ مہک نے خدا سے ہمیشہ حدید کا ساتھ اور زندگی بھر کی خوشیاں مانگیں اور اپنے تمام رشتے ملنے پر خدا کی شکر گزار تھیں اس نے مسکرا کر آسمان کی طرف دیکھا، جس پر شام کے سایے تھے اور پرندے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔

انشاء حسنہ

موبائل فون کی تیز آواز کے ساتھ اس کی آنکھیں
اچانک کھلی تو کھلتی ہی چلی گئیں کیونکہ اس کی پہلی نظر
اس کے بید کے سامنے لگی دیوار گہری کی طرف چلی
گئیں جو کہ اس وقت شام کے پانچ بج کر اس کی حالت



زار پر ماتم کر رہی تھی۔

”او نو سر گئے۔“ جوہر کے منہ سے بے ساختہ یہ
الفاظ جاری ہوئے۔

”انشاء کو تو سازھے چار کا نام دیا ہوا تھا اور اب
پانچ۔۔۔۔۔۔“ وہیں جلدی سے بیڈ سے چلا ننگ لگائی
اور واش روم کی طرف دوڑ لگادی جلدی سے نہا کر نکالا
آج گھڑی تھی کہ رکسنے کا نام نہیں لے رہی تھی آج نام
کچھ جلدی بتا رہی تھی یا جوہر کی قسمت ہی خراب تھی کہ
آج تو اسے انشاء سے ڈانٹ سننے کی جی توقع تھی سو
جلدی سے والٹ اٹھایا موبائل اور گاڑی کی چابیاں لیتا

ہوا گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

”جوہر بیٹا! چائے پی او میں نے بنالی ہے۔“ کچن
سے امی نے آواز دی۔

”ای! میں ذرا جلدی میں ہوں پچھو کے گھر سے
پی اوں گا آپ فکر مت کیجئے گا۔“ جوہر نے گاڑی اشارت
کرتے ہوئے ہانک لگائی۔ جوہر نے انتہائی تیز رفتاری
کے عالم میں ڈروائی کرتے ہوئے اس کا رخ انشاء کے
گھر کی طرف موڑ لیا آدھی طوفان کی طرح وہ گاڑی
چلا تا ہوا جیسے تیسے آکر بیٹا پونے چھ بجے انشاء کے ہاں پہنچ
گیا لاؤنج میں پچھو سامنے بیٹھی ہوئی تھیں۔



"اسلام علیکم پھچھو"۔ جوہر نے پھچھو کے سامنے جھکتے ہوئے کہا۔

"علیکم اسلام! جوہر بیٹا کیا حال ہے۔؟"

انہوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے ساتھ ہی اسکی طبیعت بھی پوچھ ڈالی۔

"اللہ کا شکر ہے پھچھو"۔ جوہر نے جلدی سے جواب دیا۔

"پھچھو! انشاء نظر نہیں آ رہی کہاں ہیں وہ۔"

جوہر نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! پتا نہیں اسے کیا ہوا ابھی تو اچھی بھلی یہاں تیار ہو کر بیٹھی تھی اب کمرے کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گئی ہے شاید اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" انہوں نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"او کے پھچھو! میں خود جا کر اسے مل کر آتا ہوں۔"

جوہر نے یہ کہتے ہوئے انشاء کے کمرے کی راہ لی اس کی توقع کے عین مطابق وہ دروازہ بند کر کے بیٹھی تھی۔

"انشاء! دروازہ کھولو"۔ اس نے دروازے پر دستک دیتے ہوئے کہا لیکن اندر سے کوئی جواب نہ آیا جب وہ دروازہ بجایا کر کھٹک گیا تو اچانک اس کے دماغ میں ایک آئیڈیا آیا۔

"انشاء! دروازہ کھولو ورنہ میں اپنا امریکا جانے کا بندوبست کرتا ہوں اور پہلی فلائٹ سے امریکا اور تم جانتی ہو کہ میں یہ کر دکھاؤں گا۔" اس بار نتیجہ اس کی توقع کے مطابق سامنے آیا اور دروازہ کھل گیا اور انشاء کا چہرہ اس کے سامنے تھا وہ مسلسل رو رہی تھی۔

"کیوں آئے ہو اب چلے جاؤ ان فضول دوستوں کے پاس جن کے ساتھ سارا دن اور ساری رات گیمیں لگاتے ہو میں تمہاری صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔"

"انشاء! میری بات تو سنو میں مانتا ہوں کہ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے پر مجھے معاف کر دو میں معافی بھی تو مانگ رہا ہوں ناں پلیز معاف کر دو۔" جوہر نے انتہائی عاجزی سے کہا۔

"جھوٹ بولتے ہو تم! اگر تم مجھ سے محبت کرتے تو کبھی مجھے یوں ناٹم دے کر بھول نہ جاتے پلیز جوہر تم اس وقت چلے جاؤ۔" انشاء نے روتے ہوئے کہا۔

"انشاء! تم یہ بات اچھی طرح جانتی ہو کہ میں تب تک نہیں جاؤں گا جب تک تم مجھ سے راضی ہو کر میرے ساتھ نہیں جاتیں اس بار غلطی ہو گئی ہے اگر معافی مل جائے گی تو آئندہ نہیں کروں گا۔" جوہر نے التجائیہ لہجہ میں اپنے کان پکڑ لئے۔ انشاء نے اسے کان پکڑے دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر ہنسی پھیل گئی۔

"او کے اپنا وعدہ یاد رکھنا۔" انشاء نے ہنستے ہوئے کہا۔

"او کے بابا! یاد رکھوں گا لیکن اب تم بھی اپنا حلیہ ٹھیک کرو اور فوراً نیچے آؤ میں تمہارا لاؤنج میں انتظار کر رہا ہوں۔" انشاء کو تیار ہونے کا کہہ کر جوہر نیچے آ گیا جہاں پھچھو چائے بنا کر اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

"یہ لو بیٹا! تم چائے پی لو پھر میں تمہارے لئے کھانے کا انتظام کرواتی ہوں کوئی اجیشل چیز کھانی ہے تو بتا دو تا کہ میں وہ بنا سکوں۔" پھچھو نے اسے چائے بنا کر دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں پھچھو! آج میں اور انشاء باہر ہی ڈنر کریں گے آپ تکلف مت کریں۔" جوہر نے پھچھو کو پیار سے بتایا۔

"ٹھیک ہے بیٹا جیسی تم لوگوں کی مرضی لیکن ہاں جلدی واپس آ جانا۔"

"ارے پھچھو جانی! ابھی گئے ہی نہیں تو آپ واپسی کا کہہ رہی ہیں۔" جوہر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اور آپ تو جانتی ہیں ناں آج اس کا موڈ بھی خراب تھا۔"

"ماما! میں جوہر کے ساتھ ڈنر کرنے جا رہی ہوں۔"

"ہاں ہاں بیٹا! جاؤ اور اپنا خیال رکھنا تم دونوں۔"

"او کے پھچھو! اللہ حافظ۔" آف دائٹ اور بلیو

کنٹراسٹ کپڑوں میں رونے کی وجہ سے سرخ ناک اور کھلے بالوں میں وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔

گاڑی چلاتے ہوئے جوہر مسلسل پیار بھری نظروں سے انشاء کو دیکھ رہا تھا جو کہ اس کو نظر انداز کر کے گاڑی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

"انشاء! ایک بات کہوں مانو گی۔" جوہر نے انشاء کے چہرے کو نظروں کی گرفت میں رکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ! آج تو جناب اجازت لے رہے ہیں یقیناً کوئی خاص بات ہو گی۔" انشاء نے اس کی بات کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"انشاء! پلیز! سنجیدگی سے میری بات سنو۔" جوہر نے اسکی بات کے جواب میں کہا۔

"او کے بابا! بولو اب نہیں کرتی مذاق۔" انشاء نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ہاں انشاء! تم رویا نہ کرو مجھے کوئی اور سزا دے دیا کرو لیکن تمہاری آنکھوں میں آنسو مجھ سے برداشت نہیں ہوتے تم روتی ہو تو مجھے لگتا ہے کہ کوئی میرے جسم سے میری جان نکال رہا ہے۔"

"جوہر! تم بھی تو یہ بات جانتے ہو کہ میں تمہاری لاپرواہی برداشت نہیں کر سکتی۔" انشاء نے جوہر کی بات کاٹتے ہوئے جواب دیا۔

"جوہر! پلیز! گاڑی روکو جلدی۔۔۔۔۔" انشاء نے چیختے ہوئے کہا تو جوہر نے ڈر کے مارے فوراً گاڑی روک دی۔

"کیا ہوا انشاء۔۔۔۔۔؟" جوہر نے سوالیہ انداز میں انشاء سے پوچھا لیکن انشاء نے اس کی بات سے بنا گاڑی کا دروازہ کھول کر فٹ پاتھ پر کھڑے گول منول سے بچے کو چومنا شروع کر دیا یہ دیکھ کر جوہر کے ہوش تھوڑے بھال ہوئے کیونکہ وہ تو کیا پوری فیملی انشاء کا بچوں سے خاص لگاؤ کا گواہ تھا یہ سب دیکھ کر جوہر بے اختیار ہنسنے لگا۔ دس منٹ کے مسلسل انتظار کے بعد آخر کار جوہر کو خود ہی آواز دے کر انشاء کو بلانا پڑا۔

"انشاء! اب آ بھی جاؤ۔" جوہر نے انشاء کو آواز دی۔ ڈنر کے وقت بھی وہ ادھر ادھر کی باتیں اور لڑتے جھگڑتے ہی رہے آخر کار ایک اچھا سادہ گزار کر وہ اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ آئے۔

امیر الحسن اور فضیلت بیگم کو اللہ نے دو بچوں سے نوازا تھا ایک بیٹا جس کا نام ابراہیم الحسن تھا اور بنی جس کا نام عمیل تھا خدا نے اس خاندان کو ہر نعمت سے نوازا تھا امیر الحسن اور فضیلت بیگم کی زندگی میں ہی ابراہیم کی شادی اپنی خالہ زاد فرح سے اور بنی عمیل کی امیر الحسن نے اپنے دوست کے بیٹے توفیق سے کر دی تھی دونوں اپنی اپنی زندگی میں خوش تھے۔

ابراہیم الحسن کو اللہ نے دو بیٹے دیئے تھے جوہر اور عینیق۔ جبکہ عمیل بیگم اور توفیق نواز کو اللہ نے ایک ہی بیٹی دی جو کہ دونوں گھرانوں کو بہت پیاری تھی اور پیاری کیوں نہ ہوتی وہ تھی ہی کالج کی گڑیا کی طرح خوبصورت۔

جوہر اور عینیق شروع سے اپنے پھچھو کے گھر بہت جاتے تھے ان دونوں بھائیوں کا زیادہ تر بچپن انشاء کے ساتھ کھیلتے ہوئے گزرا چونکہ انشاء اور جوہر کی بات بڑوں کے درمیان ان کی پیدائش سے طے تھی لیکن وہ ابھی تک بچوں سے چھپائی گئی تھی لیکن جب بڑوں نے ان دونوں یعنی جوہر اور انشاء کی آپس میں پسندیدگی کو محسوس کیا تو ان دونوں کی چٹ مگنی اور پٹ بیاہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

آج انشاء اور جوہر کی مگنی کا دن تھا جہاں پوری فیملی خوشی سے ہال میں بیٹھے تھے وہیں عینیق اجڑا ہوا اپنے کمرے میں۔ عینیق اس وقت اپنے کمرے میں اندھیرے میں بیٹھا سوچ میں گم تھا کہ اس کی امی کمرے میں داخل ہوئیں۔

"عینیق بیٹا! انھو تمہاری پھچھو کا فون آیا ہے کہ عینی کو

بولو کہ وہ انشاء کو پارلر سے جا کر لے آئے۔
 ”امی! آپ جو ہر بھائی کو بھیج دیں ناں پلیز۔“
 عینق نے التجائے لہجہ میں کہا۔

”عنی! تم پاگل تو نہیں ہو وہ کیسے جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کے دوست اس ٹائم اسے کہیں جانے دیں گے کیونکہ ان سب نے مل کر اس پر ہلہ بول دیا ہے آج۔۔۔ اور ہاں تمہاری پچھو نے خاص فون کر کے تمہارا کہا لیکن تم ہو کہ۔۔۔“

”او کے امی! جارہا ہوں۔“ عینق نے اٹھتے ہوئے کہا۔ شاید آج سب اس کے ضبط کا امتحان لے رہے تھے۔

”سنو بیٹا! تم انشاء کو لے کر ادھر ہی پہنچنا ہم لوگ بھی وہیں پہنچ جائیں گے۔“ فرح بیگم اسے گاڑی تک چھوڑنے آئی تو ساتھ ہی اسے پچھو کے گھر جانے کا بھی کہہ دیا۔

”او کے امی۔“ وہ جلتا کھلتا گاڑی میں بیٹھ گیا۔

جتنا میں انشاء کا سامنا کرنے سے بچنا چاہ رہا ہوں اور وہ ہے کہ اتنا ہی۔۔۔ اس سے آگے وہ سوچ بھی نہ سکا پارلر کے سامنے گاڑی روک کر وہ پارلر کی طرف بڑھ گیا اندر پیغام بھیجنے پر وہ دشمن جان جب باہر آئی تو عینق کو لگا کہ وہ آج سانس لینا بھول جائے گا انشاء نے جیسے ہی گاڑی میں قدم رکھا عینق کو پوری کائنات اپنے گرد چکر لگاتی ہوئی محسوس ہوئی لگتا تھا وقت اب ختم جائے گا اور اس کی یہی دلی خواہش تھی کہ وقت ختم جائے اور یہ لمحہ کبھی ختم نہ ہوں وہ اپنی ہی سوچوں میں گم تھا جب اسے انشاء کی آواز آئی۔

”عینق! اب کس کا انتظار کر رہے ہو۔۔۔؟ میں آگئی ہوں۔“ انشاء نے خوشی سے کھلتے لہجے میں کہا۔
 ”کاش تم یہ الفاظ مجھے حقیقت میں میری زندگی میں آنے کے بعد کہتی اور میں۔۔۔“

”عنی تم کہاں کھو جاتے ہو لگتا ہے کوئی اسپیشل پروگرام بنایا ہوا ہے ہماری ممکنگی کے حوالے سے جسے سوچ رہے ہو۔۔۔ نہیں یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ تم کوئی پلان بناؤ اور ہمیں

نہ بتاؤ یقیناً کوئی بات ہے جو تم دل میں چھپا رہے ہو ہاں جی سمجھا گیا کوئی لڑکی تو نہیں پسند آگئی تمہیں۔“

”انشاء تم ہر بات سوچے سمجھے بغیر کر دیتی ہو کوئی پر اہلم نہیں بس ایک دوست کی پر اہلم ہے مجھے اور کوئی خاص بات نہیں جو تم لوگوں سے چھپایا جائے۔“ عینق نے انشاء کی بات کا جواب دیا اور گاڑی اشارت کر دی باقی راستہ خاموشی سے کٹا جب گھر پہنچے تو سب نے ان کا پر جوش استقبال کیا جو ہر اور انشاء کو ساتھ ساتھ بٹھا دیا گیا دونوں کو لوگوں نے چاند سورج کی جوڑی قرار دیا اور یہی بات درست تھی کہ اگر انشاء خوبصورت شہزادی تھی تو جو ہر بھی کسی شہزادے سے کم نہ تھا۔

سب گھر والے خوش تھے اور عینق خود کو زبردستی خوش دکھائی دینے کی کوشش کر رہا تھا لیکن دل تھا کہ اپنی کئے جارہا تھا جب درد برداشت سے باہر ہوا تو۔۔۔

”امی! میرے ایک دوست کا فون آیا ہے وہ بہت بری کنڈیشن میں ہے مجھے فوراً اس سے ملنے اسپتال جانا پڑے گا اسے اس وقت میری سخت ضرورت ہے اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔“ عینق نے جلدی سے باہر جاتے ہوئے کہا۔

”بیٹا! اتنی اہم تقریب چھوڑ کر تم کیوں جارہے ہو تمہیں پتا ہے تمہارا ایک ہی بھائی ہے اور یہ اس کی خوشی کا موقع۔۔۔“

”امی! کسی کی جان بچ جائے اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں پتا اگر ابھی میں نہ گیا تو میں کبھی خود کو معاف نہ کر سکوں گا اگر میں اس کی مدد نہ کر سکا۔“ اس نے ماں کی بات کاٹ کر جواب دیا۔ عینق اور امی کو بات کرتا دیکھ کر اس کے ابو بھی ان کے قریب آگئے اور پوچھنے لگے۔

”کیا بات ہے بیٹا جانی! ماں بیٹے میں کیا پروگرام چل رہا ہے۔“ فرح کے ساری بات بتانے پر ابراہیم الحسن نے کہا۔

”بیٹا مجھے تم پر فخر ہے کہ تم اپنی خوشی سے زیادہ ایک جان بچانے کو زیادہ اہم جانتے ہو تم نے میرا دل خوش کر

دیا۔“ ابراہیم الحسن نے اسے جانے کی اجازت دیتے ہوئے کہا۔

”بیگم! کوئی بات نہیں ہے اب تو صرف کھانا باقی ہے باقی تو سب ختم ہی ہے اسے جانے دو جاؤ بیٹا! اگر ہماری بھی ضرورت پیش آئی تو بتا دینا۔“ ابراہیم الحسن نے بیٹے کو مخاطب کر کے کہا۔ عینق نے جلدی سے گاڑی اشارت کی اور روز پر گاڑی دوڑانے لگا۔

انشاء فی وی پر بچوں کا کونز شو دیکھ رہی تھی وہ اس پروگرام میں اس قدر بڑی تھی کہ اسے ارد گرد کی کوئی خبر ہی نہ تھی پاس ہی پڑا موبائل کافی دیر سے بچ رہا تھا لیکن انشاء تھی کہ بس سے مس نہ ہوئی اور کال کرنے والا شاید اس سے زیادہ ڈھیٹ تھا کہ مسلسل کال کر رہا تھا۔

”انشاء بیٹا! فون کیوں نہیں ریسو کر رہی ہو۔“ امی کی آواز اور ساتھ کندھا ہلائے جانے پر وہ متوجہ ہوئی۔

”کیا ہے ماما۔۔۔؟“ اتنا اچھا پروگرام چل رہا ہے دیکھیں کتنے پیارے پیارے بچے ہیں۔“ انشاء نے ماما کی بات سننے بغیر ہی جواب دیا۔

”بیٹا جی! میں پروگرام کا نہیں فون کا کہہ رہی ہوں یک کر دو۔“ امی نے ہنستے ہوئے کیا کیونکہ وہ تو کیا پوری فیملی انشاء کی بچوں سے جنونی محبت کو جانتی تھیں۔

”او کے ماما! سوری۔“ انشاء نے یہ کہتے ہوئے کال ریسو کر لی۔

”ہیلو کون۔۔۔؟“

”ہیلو کی بچی کب سے کال کر رہا ہوں یک کیوں نہیں کر رہی تھیں۔“ جو ہر نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

”اوہ جو ہر! تم ہو کیوں کوئی کام تھا کیا ابھی تو ہم ہال سے واپس آئے ہیں۔“ انشاء نے کہا۔

”انشاء! اب تو آپ کہنا شروع کر دو کیونکہ اب میں تمہارا ہونے والا شو ہر ہوں۔“ جو ہر نے شرارتی لہجے میں کہا۔

”منہ دھو کے رکھو میں تمہیں کبھی آپ نہیں کہوں گی

اگر تم کے ساتھ قبول ہو تو ٹھیک ہے۔“ انشاء نے دوبارہ جواب دیا۔

”اچھا چھوڑو جس کام کے لئے میں نے فون کیا وہ تو تم نے بھلا ہی دیا انشاء میں اسپتال جا رہا ہوں کیونکہ۔۔۔“

”اسپتال کیوں جارہے ہو خیر تو ہے ناں۔“ انشاء نے جو ہر کی پوری بات سننے بغیر کہہ دیا۔

”ہاں خیر ہی ہے وہ اصل میں عنی کے جس دوست کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اس کو بلڈ کی بہت سخت ضرورت ہے میں جارہا ہوں خون دینے کے لئے۔“

”او کے جو ہر! آپ جاؤ میں تو اس ٹائم چلڈرن کونز دیکھ رہی ہوں۔“ انشاء نے اسے جلدی سے اجازت دیتے ہوئے کال کاٹ دی کیونکہ پروگرام دوبارہ اشارت ہو چکا تھا۔

خون دینے کے بعد وہ گھر آنے کے بجائے سیدھا انشاء لوگوں کے گھر آ گیا۔

”پچھو۔۔۔ پچھو۔۔۔ کہاں ہو آپ۔۔۔؟“ جو ہر باہر ہی سے آوازیں لگاتا ہوا اندر آیا۔

”کیا بات ہے بیٹا! خیر تو ہے۔۔۔؟“ پچھو نے پریشانی سے کہا۔

”خیر ہی ہے پچھو میں نے کہا آپ کو دیکھاؤں آپ یاد آ رہی تھیں۔“ جو ہر نے بہانہ بناتے ہوئے کہا۔

”میں خوب جانتی ہوں کہ تمہیں میری یاد یہاں کھینچ لائی ہے۔“ عمیل بیگم نے میری یاد پر زور دیتے ہوئے جو ہر کے سر پر چپت لگائی۔

”اوہ پیاری پچھو! اگر جانتی ہیں تو پھر ظالم سانج بن کر کیوں کھڑی ہیں۔“ جو ہر نے عمیل بیگم کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”او کے جاؤ کمرے میں ہے جا کر مل آؤ لیکن اب تم لوگ ملنا کم کر دو کچھ عرصہ تو اسے پردہ کرنے دو خود سے۔“ عمیل بیگم نے جو ہر کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

”پچھو! یہ ایک سو صدی ہے اور دوسری بات کہ آپ میری فرینڈ ہیں تو فرینڈ تو ملنے ملانے میں مدد کرتے ہیں۔“ جوہر نے پچھو کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

”تم لوگوں سے تو کوئی نہیں جیت سکتا جو مرضی کرو۔“ پچھو اسے کمرے کی طرف بھیج کر چکن کی طرف چل دیں۔ لیکن یہ کیا وہ دوسرے ہی لمحے ان کے پاس کھڑا ان سے اجازت لے رہا تھا۔

”کیا بات ہے جوہر! انشاء سے نہیں ملنا کیا۔“ پچھو نے سوالیہ انداز میں کہا۔

”وہ پچھو ملنا تو تھا“ لیکن وہ آج شاید تھکن کی وجہ سے جلدی سو گئی ہے سو میں نے اسے ڈسٹرب نہیں کیا۔ آپ کو تو پتہ ہے میں ایک ہل کے لئے اسے بے سکون نہیں کر سکتا۔ اگر کسی ہل میں اس کی تکلیف کا باعث بنا شاید میں مری جاؤں۔“ جوہر نے جذباتی پن سے کہا۔

”اللہ تم لوگوں کی محبت یوں ہی قائم و دائم رکھے تم دونوں کو کبھی کوئی پریشانی نہ ملے جوہر! ایک بات تو واضح ہے کہ اگر تم انشاء کے بغیر نہیں رہ سکتے تو انشاء کا حال بھی تم سے جدا نہیں ہے۔“ پچھو نے جوہر کو پیار کرتے ہوئے کہا۔

.....

آج جوہر اور انشاء کی مٹگنی کو دو سال ہو گئے تھے اور ان کی محبت میں دن بدن اضافہ ہی ہوا تھا اب وہ دونوں اپنی تعلیم مکمل کر چکے تھے دونوں گھرانے ان کی شادی کی تیاریاں کر رہے تھے مارچ کی آٹھ تاریخ کو ان کی شادی ہونا طے پائی تھی۔

جہاں یہ دو سال انشاء اور جوہر کے لئے بہت خوبصورت گزرے تھے وہیں عنیق کی زندگی جیسے کوئی لمحہ بالکل اس کے جسم سے جان نکال کر ختم کر رہا تھا وہ انشاء کو بھول جانا چاہتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ اس کے بھائی کے نصیب کا تارا ہے وہ کبھی اس کی نہیں ہو سکتی لیکن وہ پھر بھی اس کو بے انتہا چاہے چلا جا رہا تھا بنا کسی

نفع اور نقصان کے۔

.....

”امی عنیق کہاں ہے میں کس نام سے اسے ڈھونڈ رہا ہوں میرج کے کارڈ کا ڈیزائن اس نے بنایا تھا لیکن پتا نہیں اب کہاں ہے وہ دن کم رہ گئے ہیں اور وہ ہے کہ ہاتھ ہی نہیں آتا کس نام کا ڈھونڈیں گے اور کس نام بانٹے جائیں گے۔“ جوہر غصے سے ادھر سے ادھر چکر لگا رہا تھا۔

”بیٹا جانی! آج کل تو وہ ہمارے بھی ہاتھ نہیں آ رہا پتا نہیں اس کی کون سی خفیہ تیاریاں ہیں جو ختم ہی نہیں ہو رہی ہیں۔“ فرح بیگم تو جیسے عنیق کی طرف سے بھری بیٹھی تھیں فوراً اس کی شکایت جوہر سے ہی کر دی۔

”انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ جن تیاریوں کو وہ جوہر کی تیاری سے تشبیہ دے رہی تھیں وہ اصل میں جوہر کی شادی کے لئے تیاری نہیں کر رہا تھا بلکہ وہ تو جوہر کی شادی سے پہلے ہی آؤٹ آف کنٹری جانا چاہتا تھا کیونکہ اسے اب کوئی بھی امید کی رت نظر نہیں آ رہی تھی سو اس نے فرار کی راہ اپنانے کا فیصلہ کر لیا آج اس کا کام ہو جانا تھا لیکن پتا نہیں کیوں ہر بار کوئی پرالیم ہو جاتا تھا آج تو بہت ہی ناگم لگ گیا تھا“ کاغذات کیسر کروانے میں۔

”امی مٹی کا تو پتہ نہیں وہ کس نام آئے گا میں خود ہی اس کے کمرے سے کارڈ کا ڈیزائن ڈھونڈ لوں گا۔“ جوہر نے اس کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

کمرہ ہمیشہ کی طرح بے ترتیب ہی تھا جوہر سب سے پہلے اس کی ٹیبل اور درازوں میں ڈھونڈتا رہا لیکن کوئی خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی تب ہی جوہر کو بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر کچھ کاغذات پڑے دکھائی دیئے۔

”اوہ ہیس! میرے خیال میں یہ ہی ہوں گے کارڈز کے ڈیزائن“ جوہر نے کاغذات اٹھاتے ہوئے سوچا۔ سب سے پہلے جو کاغذ جوہر کے ہاتھ لگا وہ کورٹ میں دائرہ ایل کی ایک فوٹو کا پی ٹی جی جس میں کورٹ سے جلد

ویزا لٹو کروانے کا کہا گیا تھا۔

”یہ عنیق باہر جانا چاہتا ہے لیکن اس نے تو کبھی ہم سے ذکر ہی نہیں کیا خیر آج آئے گا تو پتا کر لوں گا۔“ جوہر نے خود کھائی کرتے ہوئے کہا۔

”اوہ! جناب کی ڈائری بھی ہے چلو پڑھتے ہیں۔“ جوہر نے حیرت سے ہونٹوں کو گول کرتے ہوئے کہا کیونکہ اس نے کبھی اسے ڈائری لکھتے نہیں دیکھا تھا۔

جوہر نے جیسے ہی ڈائری اٹھائی اسے نیچے ایک کانڈ دکھائی دیا جو کہ ایک میڈیکل رپورٹ تھی جوہر کی پہلی نظر اس رپورٹ کی تاریخ پر پڑی جب اسے پتا چلا کہ یہ تو اس کی مٹگنی والے دن عنیق کے دوست کو خون دینے کے بعد کی ہے تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی یہ سوچ کر کہ اس کے بھائی نے یہ رپورٹ آج تک سنبھال کر رکھی ہیں لیکن یہ کیا جیسے ہی رپورٹ پڑھتا گیا اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا کیونکہ اس رپورٹ میں واضح لکھا تھا کہ وہ کبھی باپ نہیں بن سکتا وہ انشاء کے بارے میں سوچ رہا تھا جو کہ بچوں سے بے تحاشہ پیار کرتی ہے جب اس کو پتا چلے گا کہ وہ باپ نہیں بن سکتا تو اس کا کیا رد عمل ہوگا شاید کیا وہ یقیناً یہ سب برداشت نہیں کر سکے گی اور یہی وہ لمحہ تھا جس سے جوہر ڈرتا تھا کہ اس کے اور انشاء کے درمیان دوری..... شاید وہ کبھی برداشت نہیں کر سکے گا۔

”لیکن یہ سب مجھ سے عنیق نے کیوں چھپایا شاید اس ڈائری میں اس نے کچھ لکھا ہو“ لیکن ڈائری پڑھ کر تو اس کی ناگوں کے نیچے سے زمین ٹھسکتی ہوئی محسوس ہوئی کیونکہ اس میں انشاء سے پیار اور جنون کے قصے ہی درج تھے یہ سب پڑھ کر جوہر کے دماغ میں جو پہلی بات آئی وہ یہی تھی کہ شاید اللہ کو بھی اس کا اور انشاء کا ساتھ پسند نہ تھا شاید خدا نے اسے عنیق کے نصیب میں لکھ دیا تھا۔

”لیکن کیوں.....؟“ جوہر کے لئے ساری کائنات ایک..... نشان بن چکی تھی۔

”کیا عنیق یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں باپ نہیں بن سکتا اور انشاء کو اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی نہیں دے سکتا پھر بھی مجھ سے یہ بات چھپائے رکھی کہ شاید میں اسے کچھ کہہ نہ دوں۔“ اس کو اپنے سر کی رگیں پھٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا اچانک اسے محسوس ہوا کہ جیسے اس کے جسم سے کسی نے روح نکال دی وہ وہیں قالین پر بیٹھتا چلا گیا۔ اپنی ہی دھن میں گمن گمرے میں آ کر جوہر کو دیکھ کر عنیق حیران رہ گیا۔

”کیا بات ہے بھائی! کیا ہوا آپ کو.....؟“ عنیق نے جوہر کے قریب جا کر سوال کیا۔

لیکن جیسے ہی اس کے ہاتھ میں اپنی ڈائری دیکھی تو دوسرے ہی لمحے وہ سمجھ گیا کہ جوہر نے اس کی فیلنگ جو کہ وہ انشاء کے بارے میں اپنے دل میں سب سے چھپا کر رکھتا ہے یہاں تک کہ خود سے بھی وہ سب جان لی تھیں۔

”بھائی! آپ یقین کریں میں نے کبھی بھی یہ نہیں چاہا کہ میں انشاء کو آپ سے چھین لوں میں نے اسے ہمیشہ آپ کی امانت سمجھا ہے وہ تو آپ کی مٹگنی ہے ناں!“

”یقین جانیں بھائی! انشاء کو بھی اس بارے میں نہیں پتا نہ ہی کسی اور کو.....“

”تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے یہ سب مجھ سے کیوں چھپایا۔“ اس نے رپورٹ اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

”کیا چھپایا بھائی جان۔“ عنیق نے حیرانی سے ان کے ہاتھ سے رپورٹ لیتے ہوئے کہا۔

”تم یہ تو جانتے ہی تھے کہ انشاء کو بچوں سے کتنی محبت ہے لیکن تم نے مجھے نہیں بتایا یہ دیکھو کیا لکھا ہے۔“ جوہر نے ٹیکو پر انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”دیکھو!“ یہ لفظ عنیق نے جس مشکل سے ادا کیا یہ وہی جانتا تھا۔

”بھائی! آپ کسی کو کچھ مت بتانا میں بھی نہیں بتاؤں گا۔“ عتیق نے جوہر کو مشورہ دیا۔
لیکن وہ بات جوہر نے عتیق کو کہی اسے سن کر عتیق کے منہ سے بے اختیار نہیں نکلا۔

”عتیق! اگر تم میری خوشی چاہتے ہو تو تمہیں ایسا ہی کرنا پڑے گا۔“ اس نے التجائیس لہجہ میں کہا۔
”ٹھیک ہے بھائی! جیسا آپ چاہو۔“ عتیق نے بے بسی سے کہا۔

”لیکن بھائی! ہم انشاء کے ساتھ دھوکہ کر رہے ہیں۔“ عتیق نے آخری موقع دیتے ہوئے کہا۔
”عتیق! میں نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔“

آج انشاء کی مایوں کا دن تھا وہ بے حد خوش تھی لیکن اسے کیا پتا تھا کہ آنے والے لمحے ایسے کس قدر اذیت دیں گے وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔
”عتیق بیٹا! جوہر کو بولو جلدی تیار ہو جائے ہم ذرا جلدی مہندی لے کر جائیں گے۔“ فرح بیگم نے عتیق کو کہا۔

”ای ابو کہاں ہیں؟“ عتیق نے فرح بیگم سے سوال کیا۔

”بیٹا! وہ لاؤنج میں ہیں اور ہاں تم ذرا جلدی سے جوہر تک میرا پیغام بھیج دو۔“ فرح بیگم جلدی سے بولیں۔

”ای! آپ ذرا میرے کمرے میں جائیں مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے میں ابو کو بھی لے کر آتا ہوں۔“

”عتیق! تم نے جو بھی رسم یا کوئی شغل میلہ لگانا ہے تو کر لو تمہارے ابو نے ہر طرح کی اجازت دے دی ہے لیکن پلیز حد میں رہ کر جس سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ ہو اسی لئے تمہاری مشکل حل کرنے کے لئے پہلے ہی ان سے پر مشن لے لی تھی۔“ فرح بیگم نے اسکی پوری بات کاٹ کر جواب دیا۔

”ای! جو بات میں کہنے لگا ہوں اسے سن کر مجھے

نہیں پتا کہ آپ کو تکلیف ہوگی یا خوشی۔ لیکن پلیز آپ میری بات تو سن لیں۔“ عتیق نے ای کو کندھوں سے تھام کر کہا۔

”عتیق! کیا بات ہے؟“ فرح بیگم نے جلدی سے پوچھا۔

”ای! آپ اندر جائیں میں ابو کو لے کر آتا ہوں۔“ عتیق جلدی سے باہر چلا گیا ابو کو کمرے میں لا کر اس نے دروازہ بند کر لیا۔

”دیکھو ناں فرح بیگم! پتا نہیں اس کو کیا ہو گیا اب شادی کے کتنے کام باقی ہیں لیکن یہ کہہ رہا ہے پہلے میری بات سن لوں اور تم بھی یہاں مزے سے بیٹھی ہو مہمان آنا شروع ہو گئے ہیں اور ہاں برخوردار جلدی سے کام بتاؤ۔“ پھر جو بات عتیق نے انہیں بتائی وہ ان کو بے بس کر دینے کے لئے کافی تھی۔

”جوہر نے اتنا بھی نہ سوچا کہ برادری میں ہماری کیا عزت رہ جائے گی میں تمہیں بیگم کو کیا جواب دوں گا۔“

سب سے پہلے ابراہیم صاحب کو ہوش آیا۔
”وہ ہم سے صلاح مشورہ تو کر لیتا اب ہم خاندان والوں کو کیا جواب دیں گے۔ اب وہ عتیق پر گرج رہے تھے۔

”کیا بات ہے بھائی صاحب! آپ نے اتنا ار جٹ کیوں بالیا ہے عتیق نے فون کیا کہ کوئی ضروری کام ہے جلدی آئیں میں تو پریشان ہو رہی ہوں کیا بات ہے اور آپ عتیق کو کیوں ڈانٹ رہے ہیں۔“ عتیق نے توفیق صاحب کے ساتھ اندر داخل ہوتے ہوئے جواب دیا پھر اصل بات سن کر ان کی حالت بھی ابراہیم احسن اور فرح سے جدا نہ تھی جوہر کا آؤٹ آف کنٹری جانے کا سن کر۔

”بھائی! آپ لوگوں کے لئے یہ خط دے کر گئے ہیں۔“ عتیق نے خط نکال کر ابراہیم احسن کو دے دیا سب کی نظریں اس وقت اس کاغذ کے پرزے پر ٹھیں

ابراہیم صاحب نے اسے کھول کر پڑھنا اسٹارٹ کر دیا۔
”پیارے ابو جان!

مجھے پتا ہے کہ آپ کو سب حقیقت جان کر دکھ ہوگا لیکن میں انشاء کی خود سے ایک پل کی بے رخی بھی برداشت نہیں کر سکتا میں اسے زندگی میں اس کی سب سے بڑی خوشی نہیں دے سکتا چاہے آپ مجھے بزدل کہیں یا کچھ بھی شاید خدا کو میرا اور انشاء کا ساتھ منظور ہی نہیں تھا میری آپ لوگوں سے ایک التجاء ہے کہ آپ عتیق اور انشاء کی شادی کر دیں عتیق انشاء اللہ انشاء کو بہت خوش رکھے گا آپ کا نا فرمان بیٹا جوہر۔“

”مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔“ عتیق بیگم کے یہ کہنے پر سب نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

”بھائی صاحب! جوہر اور عتیق دونوں مجھے پیارے ہیں چاہتی ہوں کہ میری انشاء کی یارات اسی گھر سے آئے۔“ توفیق صاحب نے بھی عتیق بیگم کی ہاں میں ہاں ملا دی۔

خاندان والے بہت حیران تھے کہ یہ کیسے ہو گیا کہ دولہا تبدیل ہو گیا لیکن ابراہیم احسن اور فرح کے جوابات نے سب کو مطمئن کر دیا کہ۔
”یہ بھی ہمارا ہی بیٹا ہے۔“

انشاء کو جوہر کو پتا چلا تو اس کو لگا کہ شاید سب اس سے مذاق کر رہے ہیں لیکن جب اس کو ساری حقیقت کا پتا چلا تو اس کو جوہر پر بہت غصہ آیا کیونکہ آج تو مہندی تھی اور جوہر سات سمندر پار امریکا جیسے دیس میں بیٹھا تھا۔

”کاش جوہر! تم نے میرا اعتبار کر کے مجھے بتایا ہوتا تو میں تمہیں بھی نہ جانے دیتی پر میں کون ہوتی ہوں تمہیں روکنے والی تم نے تو میرے پاس ایسا کوئی اختیار ہی نہیں چھوڑا۔“ انشاء روتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

آج انشاء توفیق سے انشاء عتیق ہوئی تھی جس

کے بارے میں اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا وہ آج اس کی دلہن بنی اس کے کمرے میں بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ کسی نے سچ کہا تھا کہ نکاح کے لفظوں میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ بندہ خود ہی اپنے شریک حیات کی طرف مائل ہو جاتا ہے آج وہ عتیق کے لئے ایک بیوی کی طرح سوچ رہی تھی۔

عتیق جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا اسے لگا کہ وہ جنت میں آ گیا اور جنت میں حور موجود ہے انشاء کی صورت میں عتیق اس کے پاس جا کر بیٹھا تو انشاء نے اپنا سر جھکا لیا۔

”انشاء! میں تم سے۔۔۔۔۔“

”عتیق! مجھے پتہ ہے سب پتا ہے مجھے جوہر نے خط کے ساتھ ڈائری بھی دی تھی میں نے تمہارے بارے میں سب پڑھ لیا لیکن مجھے تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔“ انشاء نے عتیق کی بات کاٹ کر تفصیل سے کہا۔

”عتیق! تم سے ایک بات کہنی ہے۔“ انشاء سے شرماتے ہوئے کہا۔

”کہو ناں جان!“ عتیق نے یکدم اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا اور اپنا کان اس کے خوبصورت ہونٹوں کے قریب لے گیا۔

”وہ عتیق! آج میرے فیورٹ چلڈرن کوئز کا لاسٹ پروگرام ہے آج فیصلہ ہوتا ہے کہ کون سی ٹیم وزر ہے میں نے اس دن کا شدت سے انتظار کیا ہے پلیز فی ڈی لگاؤ ناں۔“ انشاء نے عتیق کے کان میں نرمی سے کہا۔

”او کے بیوی! آج تو دیکھ لو کیونکہ اس کے بعد ہم نے خود بھی فیصلہ کرنا ہے کہ ہم نے چلڈرن کوئز شو کے لئے اپنی ذاتی ٹیم تشکیل دینی ہے تو اس کے ممبر کتنے ہونے چاہئیں اور اس ٹیم کے سربراہ ہم دونوں یعنی ان کے ماں باپ ہوں گے۔“ عتیق نے شرارت سے انشاء کا جھکا ہلاتے ہوئے کہا تو انشاء نے شرم سے اپنا سر اس کے سینے پر رکھ دیا۔

رداؤ انجسٹ 198 اگست 2011

بس ایک نظر میں

سرور:

قارئین! ہمارا بہت ہی خوبصورت ایک سلسلہ تھا "بس ایک نظر میں"۔ اس میں ہم پورے سال کا جائزہ لیتے ہیں کہ کس ماہ میں کس رائٹر کی تحریر آپ کو پسند آئی اور آپ کس پیرا گراف سے متاثر ہوئے۔ ہمارے سروے کے مطابق پورے سال کا تفصیلی جائزہ کچھ یوں ہے۔

ہر قاری نے کسی نہ کسی کو پسند کیا ہے خاص طور پر اس سلسلے وار کالم میں ہماری مصنفات نے بھی حصہ لیا ہے۔ یوں تو بے شمار قارئین نے اپنی آراء سے روا میں ڈاک کے ذریعے شمولیت حاصل کی ہے مگر صفحات مخصوص ہونے کی وجہ سے بے شمار آراء کو ہم منتخب نہ کر سکے، صرف نام اور جگہ اور رائٹر کے حوالے سے دیئے جا رہے ہیں۔

شازیہ مصطفیٰ (کراچی):

آج بات ہوگی تو صرف ایک ناول کی کیونکہ 2010ء سے لے کر جتنی بھی رائٹرز نے لکھا خوب ہی لکھا ہے مگر میرا جودل لے گیا وہ صرف ایک ناول ہے۔ بات جب ہو "کچی کلیاں آنگن کی" یا اگر بات کی جائے تو صرف "تم میرے ہو کے رہو" کی واہ جی واقعی ہم تو ہو کے ہی رہ گئے اسی ناول کے ہماری میڈم صالحہ محمود نے کیا خوب لکھا ہے اور میں تو کہوں گی ڈائجسٹ کی جان "تم میرے ہو کے رہو" ہے کیونکہ

تمام ہی پڑھنے والے واقعی اس کے ہی ہو کے رہ گئے ہیں۔ مجھے میڈم کی منظر کشی کا انداز بہت پسند ہے وہ جو ہر چیز کو کیا خوب الفاظ کا چناؤ کر کے واضح کرتی ہیں ایسا لگتا ہے اسی منظر کے کونے میں ہم بھی کھڑے ہوں۔ "تم میرے ہو کے رہو" ناول میں نے جتنا بھی پڑھا ہے دل موہ لے گیا اس کے مجھے سارے منظر اتنے اچھے لگے ہیں کہ بار بار دل سے داد ہی نکلی۔

میڈم صالحہ محمود نے اینڈ تو اس کا اتنا جواب کیا ہے کہ میں نے اسے کئی دفعہ پڑھا اور ہر دفعہ پڑھنے میں نیا مزہ آیا ہے۔ فہد مصطفیٰ کا کردار اور مجھے عباد کا کردار بہت اچھا لگا ہے فہد مصطفیٰ تو ناول کی جان تھا ایسا سرد مہر بندہ مگر اس کی سوچوں میں جو کچھ چلتا تھا وہ کسی کو واضح نہیں کرتا تھا ایسا سویر کردار تو میرے پسندیدہ ہیں اگر میں انہیں لکھنے بیٹھی تو شاید ڈائجسٹ کے صفحات کم پڑ جائیں۔ میڈم کی یہ تحریر لا جواب تحریر ہے میں نے ہمیشہ میڈم سے سیکھا ہے اور وہ میری رہنمائی بھی کرتی رہتی ہیں ان کا مدھم انداز میں سمجھانا اور بتانا بہت اچھا لگتا ہے جیسی وہ طنسار سادہ ہیں وہی انداز ان کی تحریر میں بھی جھلکتا ہے۔ میری میڈم کیلئے دعا ہے وہ ہمارے لئے ایسے ہی ناول تحریر کرتی رہیں اور ہم ان کی تحریروں سے محفوظ ہوتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت اور زندگی دے آمین۔

ناول کے جو منظر مجھے اچھے لگے ان کا ذکر ضرور

کروں گی۔
"کیا ہے احمد! تم بھی بس ذرا ذرا سی بات پر یہ دے دو وہ کر دو"۔ یہ بولتی ہوئی وہ اندر آئی تو احمد نے کھٹاک سے کمرے کو لاک کر دیا۔

"کون سی ٹائی چاہئے؟" وہ وارڈروب کی جانب بڑھی تو احمد نے اسے اپنے حصار میں جکڑ لیا تھا۔
"کیا کر رہے ہو احمد! چھوڑ دو دیکھو میرا میک اپ خراب ہو جائے گا"۔ رامین کا جھمکا احمد کے کوٹ کی آستین سے اٹک گیا تھا۔



"آہ..... احمد"۔ اس نے اپنا کان پکڑ لیا تھا اور درد سے چیخی۔
"نہیں رامین! میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا"۔
احمد نے آہستہ سے اس کے کان کے جھمکے کو ہاتھ لگایا تو رامین نے جلدی سے اتار دیا تھا۔
"اُف خدایا! بہت تکلیف ہو رہی ہے"۔ اس نے ایک گھونسا احمد کے سینے پر مارا تھا۔
"اچھا یہ بات ہے" میں ابھی بتاتا ہوں تمہیں۔"

احمد نے زور سے اسے اپنی جانب کھینچا تو وہ احمد کے سینے پر جا لگی احمد دھڑ سے بیڈ پر جا گرا۔
"اب بولو..... کیا بولتی ہو"۔

"میں کچھ نہیں بول رہی اتنی مشکلوں سے میں تیار ہوئی ہوں میک اپ میرے بالوں کی سیٹنگ سب تم نے بگاڑ دی"۔ وہ احمد کو جھٹکا دے کراٹھی تھی۔
"دوبارہ کر لینا" میں نے کب تمہیں ایسے روپ میں دیکھا تھا وہ تو فہد قاضی کو پکڑ کے لے آیا اور سب تمہیں یونہی اٹھا کر لے آئے۔"

"کیا سب مجھے یونہی اٹھا کر لے آئے کیا میں سڑک پر کھڑی تھی"۔ وہ اپنے دوپٹے کی پن کو سنبھالنے لگی۔

"تمہارے ہاتھوں کی مہندی نے مجھے بے قابو کر دیا"۔ احمد نے اس کا ہاتھ تھاما اور ہتھیلی پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے تبھی باہر سے کسی نے دروازے پر دستک دی۔
"اچھا ہوا"۔ رامین مسکرائی تھی۔

(نیلی لائٹ پہ نیلی خوابگاہ سفید پھولوں کی لڑیاں چھپر کھٹ جس کے اوپر رنگ میں پنک اور یلو پھولوں کے گچھے لٹک رہے تھے سلکی کمفر ڈپہ بلیو جامہ وار پر سلکی بڑے بڑے کشن جس کے سائیڈوں پر دو کشن اور چھوٹے دو کشن رکھے تھے بلیو ٹائلز پر سلکی سائٹ کی جھار لٹکتی ہوئی بہت حسین لگ رہی تھی سامنے پڑا ہوا فیروزہ رنگ کا قالین جس پر دو فلور کشن رکھے ہوئے تھے سائیڈ میں رکھی ہوئی چائے اسٹون کی ٹیبل جس پر جاپانی بڑا سا ڈیکوریشن پیس جس میں پانی کا آبشار اور جھرنابہر رہا تھا کبھی لائٹ بند ہوتی تو پانی ٹھم جاتا اور لائٹ روشن ہوتی تو برسات کی طرح ہلکی ہلکی پھوارا گرنے لگتی۔ ایک چھوٹا سا آبشار کمرے کو حسن بخش رہا

تھا۔ ٹیبل پر خشک رنگین پھولوں کی بھینی بھینی مہک کمرے کے اطراف میں پھیل رہی تھی اور وہیں روز وڈ کی لمبی سی نرے میں کرشل کے چھوٹے چھوٹے دیے جن میں مدھم رنگ کی روشنیاں جل رہی تھیں یوں جیسے ننھے ننھے نیلے آسمان پر ستارے چمک رہے ہوں۔

میڈم نے کیا منظر کشی کی ہے۔ میں تو اس منظر میں ہی کھو گئی اتنے خوبصورت الفاظ کا چناؤ کیا ہے۔

(یہ کہتے ہوئے اس نے آہستہ سے اس کے ماتھے کی بندیا کو چھوتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا اور ہنستے ہوئے بولا۔

”اونو..... تمہاری آنکھوں کا رنگ کیسے بدل گیا اور یہ پلکیں بھی اچانک تھوڑی لمبی نہیں ہو گئیں۔“ اس نے پرل آئی لینز کی طرف دیکھ کر ہنس کر کہا تو وہ جھٹ بول پڑی تھی۔

”بس تمہیں کیا۔“ تو وہ بولا۔

”تم میری بس میری امانت ہو

جی لیے جس قدر جیسے اپنے“

اس نے اپنے سر پر لگی ہوئی کلیوں کو ہاتھ لگا کر دیکھا جسے فہد چھو رہا تھا۔

”کیا کر رہے ہو فہد!“

”یہ بال بال موتی کیوں پروئے گئے ہیں پھولوں کی کلیوں کے اور دیکھو جب تم اسٹیج پر بیٹھی تھی ناں تو یہ کلیاں تھی اور اب اس رات کی سحر انگیزی میں میرے ہونٹوں کا لمس دیا تو یہ پھول بن کر کھل پڑی ہیں۔“ اس نے اس کا سر جھکا کر اس کے بالوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے تھے۔

”آپ حد کرتے ہیں۔“ وہ سٹ کر بولی۔

”تم بہت سال رہ لیے اپنے

اب میرے صرف میرے ہو کے رہو“

فہد کے ہونٹوں کی نرم مسکراہٹ آنکھوں کی تپش اس کے کانوں کی لوؤں کو چھو رہی تھی دہکتے ہوئے کان کے بالے جن میں سج موتی اور کندن جڑے تھے فہد نے اپنے ہاتھ اتار کر بولا تھا۔

ناول کے اینڈ کی تو کیا ہی بات ہے فہد مصطفیٰ کا رومینک انداز اس پر اس کے ڈائلاگ میڈم آپ نے تو اتنا خوبصورت اینڈ کر کے دل خوش کر دیا۔

مگر اتنا کہوں گی ہم سب اس ناول کے ہو کے رہ گئے ہیں۔ ”تم میرے ہو کے رہو“ میں رشتوں میں محبت نفرت جو خاندانی باتیں مسئلے ہوتے ہیں وہ سب اس میں میڈم صالحہ محمود نے بہت خوبصورت طریقے سے بیان کیے ہیں اس میں سارے ہی طبقے نظر آتے ہیں اور جو بھی کردار تھا وہ لا جواب ہی تھا۔

شعیب ہو یا حفصی سعد یہ چچی ہوں یا اکو میاں یہ سارے کردار ہمارے آس پاس ہی ہوتے ہیں اور انہیں چن کے میڈم نے لکھا ہے دل سے داد و تحسین ہی نکلتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں خاندان پر اس ناول کا کردار کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی گھرانے میں موجود ہوگا اور جب بھی یہ ناول قارئین نے پڑھا ہے انہیں ایسا ہی لگا ہوگا یہ تو فلاں شخص کا کردار ہے ہماری فیملی میں موجود ہے۔ اور سعد یہ چچی یہ عورتیں آج بھی کہیں نہ کہیں نظر آتی ہیں چاہے کتنا پڑھ لکھ جائیں مگر کچھ کی سوچیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو سعد یہ کی تھیں۔ یہ ناول ایک اصلاحی ناول ہے اور اس میں ایک پیغام بھی موجود ہے رشتوں کی زنجیر کو اگر محبت و پیار سے جوڑ کے رکھیں تو کسی میں ہمت نہیں ہوگی اس کی کڑی نکالنے کی اس میں معاشرتی پہلو کی بھی خوب عکاسی کی

گئی ہے۔ میڈم صالحہ محمود ایک سنجھی سنجھی رائٹر بھی ہیں جو اپنی تحریروں سے پڑھنے والوں کو آگاہی بھی دے رہی ہیں۔

میری دعا ان کیلئے ہمیشہ یہی ہے وہ اسی طرح ڈائجسٹ چلاتی رہیں اور اپنی خوبصورت تحریروں سے ہماری رہنمائی بھی کرتی رہیں۔

سباس گل (رحیم یار خان):

سب سے پہلے تو صالحہ آپلی اور ان کے تمام اسٹاف کو ”ردا“ کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو اور ہماری دعا ہے کہ ”ردا“ کی مقبولیت میں ہر گز رے لمحے کے ساتھ اضافہ ہو آمین۔

اگست ”ردا“ کی ہی نہیں وطن عزیز کی بھی سالگرہ کا مہینہ ہے اور ہماری پیاری صالحہ آپلی کی سالگرہ بھی اسی مہینے میں ہوتی ہے اسی لئے ہماری جانب سے صالحہ آپلی کو دلی مبارکباد قبول ہو اللہ آپ کو صحت کے ساتھ سلامت رکھے آمین۔

ردا ”بس ایک نظر میں“ یوں تو ہر شمارے میں ہی کچھ خاص لے کر آتا رہا مگر صالحہ آپلی کا سلسلے وار ناول خاصے کی چیز تھا۔ رائٹرز کیلئے سیکھنے کو بہت کچھ تھا اس ناول میں ویل ڈن آپلی جانی!

کسی بھی ڈائجسٹ کا سرورق یعنی ٹائٹل سب سے پہلے دیکھنے والے کی توجہ اپنی جانب مبذول کراتا ہے جبھی دیکھنے والا وہ ڈائجسٹ خریدنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور ماشاء اللہ ”ردا“ کے تمام ٹائٹل بہت خوبصورت رہے۔

”ردا“ میں سبھی رائٹرز بہت اچھا لکھ رہی ہیں اور شاز یہ مصطفیٰ تو ”ردا“ میں ریزہ کی ہڈی کی سی حیثیت رکھتی ہیں اللہ کرے زور قلم اور زیادہ آمین۔ یوں تو

بہت سی تحریروں میں من کو بھائیں مگر کچھ جملے جو ذہن میں رہ گئے وہ اپریل 2011ء کے ردائیں ”قرۃ العین چنا“ کے افسانے ”ماورا“ سے ہیں ہمیں اس افسانے کا یہ پیرا گراف پسند آیا۔

”یہ جھوٹ بولنا ضروری تھا اگر میں یہ جھوٹ نہ بولتی تو میری بیٹی کا دل ٹوٹ جاتا اس کے خلوص کو جس طرح تم نے شک کی نگاہ سے دیکھا تھا وہ زندگی بھر کے لئے اس سے اسکا مان اور اعتماد چھین لیتا ہر بار میں اسے سمجھاتی تھی کہ ہر کام ہر رشتے ہر جذبے میں توازن ضروری ہے اعتدال نہ ہو تو منفی یا مثبت میں سے کوئی ایک پہلو غالب ہو جاتا ہے لیکن بات اس کی سمجھ میں آتی ہی نہیں تھی یا پھر شاید اس کی فطرت ہی ایسی ہے ہر کسی سے گھٹنے ملنے کی ہر کسی کے لئے رونے بلکنے کی جب دیکھو کسی نہ کسی کی مدد کے لئے کمر بستہ نظر آتی ہے یہ سوچے بغیر کہ کون اس کی اس دریا دلی کو کس نظر سے دیکھتا ہے یا کس نظریے سے اس کے بارے میں سوچتا ہے۔ تمہیں اس کی خدمت تو نظر آئی پر اس میں چھپا خلوص نظر نہ آیا اس نے تو بڑی آسانی سے تمہارے ساتھ چھوٹی بہن کا رشتہ بنا لیا پر تمہاری سوچ نے اس رشتے کی لاج بھی نہ رکھی عمیر کے ساتھ اگر اس نے تھوڑا سا فری ہو کر بات کر بھی لی تو اس میں اس کی کوئی غلط نیت نہیں تھی مگر تم نے تو اسے ایک غریب لڑکی کا خطاب دے کر عرش سے فرش پر گرا دیا۔“

ناکملہ طارق (کراچی):

آپلی! سب سے پہلے ردائیں کی سالگرہ مبارک ہو۔ مجھے مئی کا شمارہ رضوانہ ارشاد کا افسانہ ”اے بسائے آرزو“ میں سے یہ پیرا گراف پسند آیا ہے۔



کے افسانہ ”آشیانہ“ ہے۔ قرۃ العین نے اپنی تحریر کے ذریعے جس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے وہ واقعی قابل فخر ہے مجھے ان کا یہ پیرا گراف بہت پسند آیا۔

”تم یقین کر دیا نہیں لیکن یہ سچ ہے کہ میں دوسری شاوی کر رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں تمہارے لئے یہ بات شاکد ہوگی لیکن میرے لئے نہیں۔ میں تاحیات محض اس عورت کی محبت کا دم نہیں بھر سکتا جو میرے معیار پہ کبھی اتری ہی نہ ہو۔ تم ایک اچھی اور خیال رکھنے والی بیوی اور بہترین ماں ضرور ہو لیکن ایک آئیڈیل ہمسفر ہونے کا ثبوت تمہاری ذات سے مجھے کبھی نہیں ملا۔ تم ایک انڈیپنڈنٹ کی مانند ہو جو صرف گھر کی سجاوٹ میں اضافے کا باعث ہو سکتا ہے مگر مجھے کوٹ میں لگے گلاب کی ضرورت ہے جو میری خوبصورتی اور وقار میں بھی اضافہ کرے۔“

دھنک تاز (کراچی):

آپ! سلام عرض ہے۔ آپ کو سالگرہ مبارک ہو اور پلس ردا کی سالگرہ کی بھی ڈھیروں مبارکباد وصول کریں۔ ویسے تو ردا کے رائٹرز کی ساری ہی تحریریں قابل تعریف ہیں۔ مجھے جو پسند آئی وہ روشنی فاطمہ کا ناول ”مہرباں ہے محبت“ ہے جو کہ جولائی 2011ء میں ردا کی زیئت بنا۔

(”ٹوٹے دلوں پر خوشیوں کی غمارت کبھی پائیدار نہیں ہوتی۔ ماں باپ کی خوشنودی و رضا حاصل کیے بنا میں نے اپنی من مانی کی تھی۔ اپنی زندگی کا فیصلہ خود کیا تھا اور اس کی سزا مجھے مل گئی تھی۔ کتنی تکلیف کتنی اذیت دی تھی اس کی محبت نے۔ اس سے کہیں زیادہ تکلیف میرے والدین نے سہی ہوگی جب میں نے ان کی محبت پر اپنی محبت کو ترجیح دی تھی۔“

میں نے بھی تو تذلیل کی تھی اپنے والدین کی محبت کی۔ ان کی شفقت و محبت کے صلے میں میں نے کیا دیا تھا دائمی غم اور جدائی۔“)

یہ پیرا گراف حقیقت سے بہت ہی قریب تر ہے۔ روشنی فاطمہ کی اس تحریر میں حمزہ کا اعتراف ہے کہ اس نے اپنے ماں باپ کا دل دکھایا تو وہ بھی اپنی زندگی میں محبت نہ حاصل کر سکی۔ ماں باپ کی محبت پر اس نے فارس کی محبت کو ترجیح دی اور اپنے ماں باپ کے خلاف جا کر محبت حاصل تو کر لی لیکن ہمیشہ اذیت ہی میں رہی۔ پوری کہانی ہی بہترین اور انریکٹو ہے۔ روشنی فاطمہ نے جس حقیقت اور سچائی کی طرف اشارہ کیا ہے وہ ہمارے معاشرے کا ایک حصہ بن گئی ہے۔ بیٹ آف لک روشنی فاطمہ۔

رومی اسد (شکاگو):

آپلی جانی! عائشہ سے پتہ چلا تھا کہ ردا کی سالگرہ اگست میں آ رہی ہے اور ساتھ ہی وہ پرانا سلسلہ ”بس ایک نظر میں“ کیلئے منیج ملا اس لئے میں نیٹ پر میل کر

(”دل دکھتا ہے میرا تم ایسا بولتی ہو تو تمہیں میں دل کی گہرائیوں سے چاہتا ہوں اتنا کہ اس وقت مجھے بس یہ نظر آیا کہ جو میں کروں گا وہ جائز ہوگا میں کیسے تمہیں کسی اور کو چھونے دیتا میری محبت کو کیوں کوئی ہاتھ لگاتا۔“)

اس کے علاوہ صالو محمود کے ناول کی تحریریں بھی بہت پسند ہیں۔ تو مجھے تو یہ پیرا گراف پسند آیا ہے۔ باقی ردا اے دن جا رہا ہے۔ نئی لکھنے والیاں بھی خوب سے خوب تر لکھ رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ردا کو مزید ترقی سے ہمکنار کرے (آمین)

سحر انجم (کراچی):

یوں تو ردا کا ہر شمار اپنی مثال آپ ہے جو ہماری ذہنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں ہر لمحہ ہماری مدد کرتا ہے کیونکہ اس میں لکھنے والے اپنی اپنی صلاحیت سے آگاہی کے وہ ذکر کھولتے ہیں جو زندگی کی پیچیدہ راہوں میں کامیابی حاصل کرنے کا راستہ ہمیں دکھاتی ہے جس کی مثال جون کے شمارے میں ”قرۃ العین فیصل چٹا“



”اب یہ وقت ہے کہ معاشرے میں افراتفری اور بے راہ روی پھیلتی جا رہی ہے۔ شرفا اپنے مقام سے گرتے ہوئے حلال کو چھوڑ کر حرام کی طرف دوڑتے ہوئے تیسری دنیا کے نامردوں سے رجوع کرتے ہیں اور یہ چوری چھپے ایک جیب سے دوسری مٹھی میں منتقل ہونے والے روپے کم از کم ہماری زندگی تو سنوارتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ صرف تالیاں پینتے ہم بھڑے کا ہی کردار ادا کرتے رہیں۔“

نایاب حسین (واہ کینٹ):

سب سے پہلے ”ردا“ کو بہت بہت مبارکباد۔ اس کے بعد آتے ہیں سلسلہ ”بس ایک نظر میں“۔ سوال بہت مشکل ہے کیونکہ تقریباً ہر تحریر ہی خاص ہے۔ پسند تو بہت سی ہیں مگر لکھنا صرف ایک ہے تو ”میری نظر میں“ جس پیرا گراف نے میرے دل کو چھو لیا وہ شازیہ مصطفیٰ کا سلسلہ دار ناول ”چاہت دل کی چاہت“ کا ہے۔ مئی 2011ء میں اس ناول میں جب ایک جگہ فائق تہذیب سے کہتا ہے۔

”کیا کر لیں گے اگر میں چپ نہیں رہوں گی تو زیادہ سے زیادہ آپ مجھے ماریں گے جب سے میں یہاں آئی ہوں آپ یہی تو کرتے چلے آ رہے ہیں میرے ساتھ مجھے ذہنی مار چر دے کر آپ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں میں سب بھول جاؤں گی میرے ذہن سے وہ سب مٹ جائے گا تو یہ آپ کی سب سے بڑی بھول ہے ایسا کبھی نہیں ہو گا۔“ بولتے بولتے اور روتے ہوئے اس کا سانس پھولنے لگا تھا کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے بہت بے دردی سے اپنے بہتے آنسو صاف کیے اور ایک نفرت زدوزہ بریلی نظر سے ہریرہ کو دیکھا۔



قمرش اشوک ایک بہترین رائٹر ہیں ان کے لکھنے کا انداز قاری کو اپنے بحر میں جکڑ کر رکھتا ہے۔

پروین خالد (بہاولپور):

سالگرہ نمبر کے حوالے سے ذہروں مبارکباد۔ نومبر 2010ء کے شمارے میں نائل طارق کا ”سانس سڑک اور سکوت“ بہت دل کو چھوٹا ہے ویسے



تھی جبکہ نعمتہ رب کی رحمت سے پُر امید تھی وجہ یہ تمام راستے وقتاً فوقتاً روتا رہا تھا اس کا روزہ نہ تھا وہ روزے سے تھی بعد ظہر حد و حرم میں داخل ہوئے تو ہر منظر شفاف اور اُجا تھا ہونٹوں میں سامان رکھ کر یکدم مسجد الحرام کی جانب گامزن ہوئے قدم تھے کہ من من بھر کے محسوس ہو رہے تھے جیسے کسی بادشاہ کے دربار میں مجرم لایا جا رہا ہوتا ہے چلتے جاتے تھے چلتے نظریں جھکائے جانے حاضری قبول ہوتی بھی ہے یا نہیں یہ احساس پسینے سے شرابور کیے دے رہا تھا پھر آہستہ آہستہ لرزئی پلکیں اٹھائیں سانسے پیارے رب کا پیارا گھر تھا کعبۃ اللہ پر نگاہ کی تو کئی روئی تو بہ استغفار شکرانہ الفاظ گڈمڈ ہو رہے تھے۔“

یہ رائٹر میری بہت فیورٹ ہیں۔

خالدہ حسین (سکھر):

اکتوبر 2010ء شمارے سے قمرش اشوک کا سلسلے وار ناول ”تیرا ہونے لگا ہوں“ میں سے یہ پیرا گراف مجھے بے حد پسند آیا۔

لے تک باقی رہتے ہیں۔ یہ میری سوچ کا ایک پل کہ لاکھوں گھروں میں پڑھا جانے والا اگر میرا ایک جملہ کہ خودکشی جہنم کی آگ ہے اور اس آگ سے بچنے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ خودکشی نہ کی جائے۔“

اگست 2010ء کے ہی شمارے میں سلسلے وار ناول شاہین سجاد کا ”محبت کا تقاضا ہے درگزر کرنا۔“ (”کہہ دو مائی! جو کچھ کہنا چاہتی ہو میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا بلکہ میں تو تمہیں اس دکھ سے بچانا چاہتی ہوں جس نے میری پوری ہستی کو ہلا ڈالا ہے“ سلجوق کی وجہ سے صرف تم ہی تو دکھی نہیں ہو ہم سب اس دکھ کی لپیٹ میں ہیں تم کیا جانو مائی میں صرف تم لوگوں کو خوش رکھنے کے لیے کتنے جتن کرتی ہوں کتنی کوشش کرتی ہوں کہ میری آنکھیں نم نہ ہوں میرے قہقہوں میں تم لوگوں کو میری آہوں کی آواز سنائی نہ دے کیا مجھے دکھ نہیں ہے؟ کیا میں سلجوق کے بنا خوش ہوں؟“ زرتاشیہ تو کبھی گنی اور مائی کو لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔)

عانیہ نیازی (ربوہ):

سب سے پہلے تو آئی! آپ کو سالگرہ مبارک ہو اور دعا کی اس سالگرہ کے موقع پر ایک اور خوشی کی بات کہ رمضان شریف کا بابرکت مہینہ ہے اگست بہت سی رونقیں لے کر آیا ہے۔ میں تمام پڑھنے والوں کو 14 اگست کی مبارکباد دیتی ہوں یہ دن ہمیں احساس دلاتا ہے کہ ہم پاکستانی ہیں۔ اب بات ہو رہی ہے ”بس ایک نظر میں“ کی۔ مجھے ستمبر 2010ء کے شمارے میں روینہ انصاری علی کا افسانہ ”جب دو دل میں سمائے“ بے حد پسند آیا۔

(”روانگی کے وقت سے ہی وجہ پر کچھ طاری



رہی ہوں عائنہ سے لے لیجیے گا۔ آپ سوچتی ہوں گی کہ رومی جھوٹ لکھ رہی ہے نو۔۔۔ آپ اچھی لگتی ہیں آپ اچھا لکھتی ہیں آپ کو پڑھ پڑھ کر میں نے اپنی اردو ٹھیک کر لی۔ مصباح الحق کی کتاب ”قرآن پڑھنا سیکھئے“ میں نے اسی سے سب کچھ سیکھ لیا ہے آپنی شکر یہ۔

میں نے پیرا گراف نمبر اور شمارہ نمبر سب لکھ دیا ہے آپ لے لیجیے گا جو مجھے بہت پسند آئے۔ اگست 2010ء کے شمارے میں گوشہ آگاہی کا یہ پیرا گراف پسند آیا۔

(”جب میں احتجاجی کالم لکھتی تھی گوشہ آگاہی کے نام سے جہاں میں انسانی ہلاکتوں کو وحشیانہ درندگی کہتی تھی اور جب میں نے دیکھا کہ قانون کی بالادستی قائم کرنے والے خود انسانوں کو پرندوں کی طرح مار دیتے ہیں اس احساس اور اس سوچ نے ہمارے اس سفر کو اتنا آسان بنا دیا کہ وقت تو گزر گیا لیکن احساسات کبھی نہیں مرتے انسان کے احساس آخری



تو ان کی جتنی بھی اقساط شائع ہوئی ہیں ساری کی ساری بہت دلچسپ ہیں لیکن یہ پیرا گراف مجھے بہت پسند ہے۔

(”میں جانتا ہوں تم اس گھر میں نہیں آنا چاہتی تھیں اور تم بھی یہ اچھی طرح جانتی ہو کہ میں بھی تمہیں اپنے سر پر منڈھنا نہیں چاہتا تھا مگر میں اس عورت کی وجہ سے مجبور ہو گیا ہوں جس نے اپنے آخری وقت میں مجھ سے التجا کی تھی یہ حق دیا تھا کہ میں تمہارے جیسی بد زبان اور بد لحاظ لڑکی کو قابو کر کے رکھوں انہیں بھی اندازہ ہوگا اپنی اولاد کی خصلت کا ورنہ میرا دماغ خراب نہیں ہوا ہے کہ اپنے گھر کا سکون برباد کروں۔“)

مجھے نائلہ طارق کے ناول میں شمس کا کردار بہت پسند آیا۔ جس طرح سے وہ سارہ پر رعب جھاتے ہیں اور پھر پلٹ کر سارہ جواب دیتی ہے۔ نائلہ طارق کے ناول کے سارے ہی کردار بہت یاد دل ہیں۔ ہماری دعاؤں ان کے ساتھ ہیں کہ نائلہ قلم کی دنیا میں بہت ترقی کریں آمین۔

ہمارا عمران (لاہور):

ردا میرا فیورٹ رسالہ ہے۔ اس میں مجھے ایک پیرا گراف بہت پسند ہے جو کہ سلسلے وار ناول سے ہے۔ مجھے سعدیہ عابد کے ناول ”پلکوں پہ چمکتے آنسو“ جو کہ نومبر 2010ء کے شمارہ میں ہے سے ایک پیرا گراف بہت پسند ہے۔

”عقیف! اب تک میں تنہا ہی خود سے آپ سے اپنی محبت سے آپ کی نفرت سے اپنی انا و خودداری سے آپ کی ضد و ہٹ دھرمی سے اپنی مردانگی اور آپ کی نسوانیت سے لڑتا آیا ہوں ہر ایک جذبے کو ”محبت“ نے شکست دے دی اور میں بھی اعتراف کرتا ہوں کہ میری پہلی و آخری محبت صرف آپ ہیں زندگی میں آنسو اور مسکراہٹیں آپ کے دم سے ہیں آپ سے شادی کرنے کی وجہ ”محبت“ تھی آپ کی ہر بد تمیزی کو سہنے کی وجہ ”محبت“ تھی اور بن مانگے ہر خطا معاف کرنے کی وجہ ”محبت“ ہے مگر محبت نہ ہوتی تو معاف کرنے کا حوصلہ نہ ہوتا لیکن ایک محبت کے ہونے سے ہمارا رشتہ قائم ہے اور میں چاہوں گا کہ یہ محبت کی حسین ڈور ہماری آخری سانس تک مضبوطی سے بندھی رہے۔“

مہوش ناز (کھلا بنٹ کالونی):

ویسے تو ردا کا ہر اقتباس ہی میرے لیے پسندیدہ گا درجہ رکھتا ہے لیکن مارچ 2011ء کے شمارے میں سہاس گل کا سلسلہ وار ناول ”محرماں دلاں دیا“ میں میرا پسندیدہ اقتباس یہ ہے۔

”اللہ کو مشکل میں پکارتا اس سے کچھ مانگنا طلب کرنا چاہتا دعا ہی تو ہے مانگنے کے طریقے اور

انداز جدا جدا ہیں ہر کوئی اپنی من مرضی کے ضرورت کے مطابق مانگتا ہے پر مانگنا اسی سو ہے رب سے ہے ہم سب اسی سے مانگتے ہیں۔“ بی بی جان نے رسائیت سے جواب دیا۔

”اور پھر بھی بے سکون رہتے ہیں مابی بی جان۔“

”یہ تجھے کیسے پتا؟“

”بس مجھے پتا ہے میں نے بہت سے ایسے لوگوں کو دیکھا جو اللہ سے مانگتے تو لیتے ہیں پر وہ اللہ پر بھروسہ نہیں کرتے۔ اعتماد بھروسہ اور یقین کامل تو دعا کی بنیاد ہے اس کے بنا دعا رائیگاں جاتی ہے۔“ روحا نے سنجیدگی سے کہا۔

فوزیہ وریام (ٹوبہ ٹیک سنگھ):

سب سے پہلے آپ کو ردا کی سالگرہ کی ایڈوانس مبارکباد۔ اللہ آپ کو اور ردا کو مزید ترقی دے آمین۔ مجھے دسمبر کا شمارہ شاز یہ مصطفیٰ کے سلسلے وار ناول ”چاہت دل کی چاہت“ میں سے یہ پیرا گراف پسند



آیا۔

”اوت۔ آپ مجھے عاق کریں گے تو اور بھی اچھی بات ہے کم از کم مجھے اس قسمی سے ممکن تو نہیں کرتا پڑے گی کم آن بابا! جلدی عاق کریں جج میں تھک گیا ہوں یہ روز روز کے ٹاپک سے۔“ وہ چہرے پر ناگواری طاری کر کے گویا ہوا۔

”گدھے گھامڑ آدمی میں عاق کرنے کی بات کر رہا ہوں اور تو ممکن کو لے کر بیٹھا ہے۔“

انعم خان (ہری پور ہزارہ):

السلام وعلیکم نوآل بردا اسٹاف اینڈ قاری بہنو! امید واثق ہے کہ سب خیریت سے ہوں گی۔ بغیر بات کو طول دیئے اصل مدعا کی طرف آؤں گی۔ تو جناب ویسے تو ردا حرف حرف سے مہکا ہر بار نے احساس کو جگاتا ہے مگر اگست 2010ء سے جولائی 2011ء کی بات کی جائے تو تمام کے تمام شمارے خوب سے خوب تر تھے۔ ستمبر 2010ء میں میری اپنی کہانی بھی شامل اشاعت تھی جو کہ عید کے حوالے سے تھی مگر تمام شماروں کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے جنوری 2011ء کا انتخاب کیا۔ جس میں چار مکمل ناول ایک ناول اور ایک افسانہ تھا۔ سبھی رائٹرز نے بہت اچھا لکھا تھا مگر میری مسکراتی نظر شاہ خان صنعا کے نام پر ٹھہری۔ ”مسکراتا نا۔“ پر کشش خوشگوار زندگی سے بھرپور ناکسل سو بڑی دلچسپی سے کہانی پڑھی اور دلچسپی سے پڑھنے کی ایک اور وجہ شاہ کی شاید میری نظر سے گزرنے والی پہلی تحریر تھی اور یقین جانیں نئی رائٹر کے قلم سے نکلتا ہر لفظ خوشگواریت سے مزین دل میں اترتا محسوس ہوتا ہے۔ سو محویت سے کہانی پڑھی تو شایان کے جذبات کی عکاسی کرتا یہ پیرا گراف دل



سے پسند آیا۔

”خدا نے اسے میرا نصیب بنا دیا مگر اس کا دل نہ مجھے مل سکا میں کیسے کہوں اسے کہ وہ بے حد خوش نصیب ہے اسے ہر کوئی چاہنے والا ملتا ہے وہ بہت معصوم ہے کہیں ایسا نہ ہو میرے اظہار کرنے سے وہ بدظن ہو جائے تو میں اسے کبھی نہیں بتاؤں گا کہ وہ میرے لئے کتنی اہم ہے اس کی مرضی کے بناء اس کی ذات میں انفریئر نہیں کروں گا میرے لئے یہ اطمینان ہی کافی ہے کہ وہ میری دسترس میں ہے اگر علیشہ کے دل میں میں نہیں بھی تو کوئی بات نہیں بعض لوگ محبت پا کر بھی نہیں پاسکتے اور میرا شمار بھی انہی بد نصیبوں میں ہوتا ہے مگر اک سکون ہے کہ وہ میرے نام پر مقید ہو کر میرے آس پاس تو ہے نا۔“

ویری ویل ڈن شاء! شایان کی محبت سچی تھی علیشہ اور سمعان کے جذبات بھی بے ریا تھے مگر شایان کی خوش بختی اور علیشہ کیلئے شایان کا ساتھ خدا کا دونوں کیلئے خاص تحفہ تھا کہ واقعی محبت خدا کا تحفہ

ہوتی ہے اور مستراؤ تا اس تحفے کو قبول کرنے اور سنبھالنے کا ہنر ہے۔ میری دعاؤں تمہارے ساتھ ہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا اللہ حافظ۔
حنانہ سیم (کراچی):

آپلی! سب سے پہلے تو ردا کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو اور ساتھ ہی آپ کو بھی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو آپ ہمیشہ خوش رہیں اور ردا کو خوب سے خوب تر بناتی رہیں۔ ”بس ایک نظر میں“ پورے سال کا انگر جائزہ لیا جائے تو بے شمار رائٹرز تحریریں قابل تعریف ہیں ان سب میں فروری 2011ء کے



شمارے میں ریمانور رضوان کا افسانہ ”نئی رت ہمسفر کے سنگ“ سے یہ ڈائیلاگز پسند ہیں۔

”تم خود کو کیوں آنے والے لکل کیلئے ہلکان کرتی ہو پتہ نہیں کون سی کتاب پڑھی ہے تم نے یا پتہ نہیں کس کے پریکٹیکل کو اتنے نزدیک سے دیکھا ہے۔“

”شائل! یہ تمہاری چاہت یہ محبت میں اس کی

عادی نہیں ہونا چاہتی تم جتنی چاہت چاہتا پیار مجھے ابھی دیتے ہو کیا دس سال بعد بھی یہی محبت مجھے ملے گی۔“ منترہ معصومیت بھرے انداز میں بولی تھی۔

اس کے علاوہ مجھے سب اس گل کا ”خرباں داں“ دیا۔ کی اسٹوری بہت پسند ہے۔ اپنا پسندیدہ پیرا گراف لکھ رہی ہوں۔

”نہیں بی بی جان! ہر انسان کو اپنی سوچ فطرت عادت اور مزاج کے مطابق کچھ بھی کہنے اور کرنے کا حق حاصل ہے اچھا یا برا کچھ بھی۔ وہ جیسے ہیں یہ ان کا مزاج ہے میرا ان سے کیا لینا دینا۔ ان کے اور میرے گھر کے ماحول میں زمین آسمان کا فرق ہے۔“

جیا قریشی (کراچی):

اتنی اچھی اور خوبصورت کہانیوں میں سے ایک بہترین پیرا گراف ڈھونڈنا بہت مشکل اور محنت طلب تھا۔ گزشتہ ایک سال کے شمارے علیحدہ کیے اور دوبارہ پڑھئے ان میں مارچ 2011ء میں نائلہ طارق کا افسانہ ”وہ شریک راہ سفر ہوئے“ کا یہ پیرا گراف مجھے



بہت پسند آیا اور دل کو چھو گیا۔

”ایک بے چینی سی تھی انہند دوبارہ مہربان نہیں ہو رہی تھی بھاری پردے سرکاتے ہوئے اس نے کھڑکی کھولی تھی اٹھنڈک کا احساس رگ و پے میں سرایت کرتا چلا گیا تھا دور کہیں گرتے آبشار کی مدھم آواز باہر پھیلے سکوت میں کسی موسیقی کی طرح گونج رہی تھی ہر منظر گہری نیلگوں روشنی میں ڈوبا ہوا تھا ایک گہرا سانس بھر کر اس نے خشک فضا کو اپنے اندر جذب کیا تھا اور نظر اٹھا کر آسمان کی سمت دیکھا تھا جگمگ کرتے ستاروں کے جھرمٹ میں روشن پورے چاند کی روشنی دنگ کر دینے والی تھی اس جانب دیکھتے ہوئے یکدم ہی وہ ساکت ہوا تھا اسے کچھ یاد آیا تھا ایک بھولا بھرا چہرہ۔“

سلنی غزل (کراچی):

صالح محمود! اسلام و ملیکم۔“ کچھ بھی لکھنے سے پہلے مجھے یہ کہنے دیجیے کہ ”ردا“ ماشاء اللہ سے دن بدن نکھرتا جا رہا ہے کاغذ سے لے کر طباعت کا معیار کافی بلند ہوا ہے میں اس وقت سے اس کی خاموش قاری ہوں جب آپ کی تصویر ایک قلم کے ساتھ سوال و جواب کے صفحے پر ہوتی تھی اور آپ کا انٹرویو بھی شائع ہوا تھا اب تو خیر ”ردا“ سے چولی دامن کا ساتھ محسوس ہوتا ہے۔ اب میں آتی ہوں موضوع کی طرف کبھی کبھی ایک عام رائٹر کا بھی جملہ کلک کر جاتا ہے اور کبھی اچھے اچھے لکھاری دل پراثر نہیں کرتے۔ مجھے ستمبر 2009 میں یسری شمشاد کے افسانے ”عید اور شمع غنیمت“ سے یہ اقتباس اچھا لگا کیونکہ اس میں یقین، امید اور حوصلے کا پیغام ہے اور میں سمجھتی ہوں من حیث القوم ہمیں اس کی بڑی ضرورت ہے ورنہ ہم تنہی داماں رہ جائیں گے آس و امید کے چراغ جلے رہیں تو زندگی سہل ہو

جاتی ہے۔ وہ پیرا گراف ہے۔

”بہت جلد جب وقت کی گرد ماضی کے ہر باب کو دھندلا دے گی تو وہ محبت کی رم جھم سے احسان کے تن من کو کچھ ایسے بھگوئے گی کہ اس کی جانب سے ہونے والی ہر بے ایمانی کی تلافی ہو جائے گی پھر بس وہ ہوگا احسان ہوگا اور محبت ہوگی۔“

☆☆☆☆☆

ان قارئین کے نام جن کے سروے ہم شامل نہ کر سکے۔

شبینہ ملک واہ کینٹ سے یہ ردا کی پہلی ایڈیٹر انہوں نے صالحہ محمود کا پیرا گراف پسند کیا۔

نیر شاہد حیدر آباد سے عابدہ بین کو پسند کرتی ہیں۔ نورین زاہد سمیرا زاہد واہ کینٹ سے شازیہ مصطفیٰ کو پسند کرتی ہیں۔

حسینہ سمیرا کراچی سے فرزانہ ارشد کو پسند کرتی ہیں۔ خالدہ حبیب سکھر سے عابدہ بین کو پسند کرتی ہیں۔

حبیبہ عارف کوئٹہ سے قمرش اشوک کو پسند کرتی ہیں۔ زرینہ ہب سکھر سے صالحہ محمود کا ناول بہت پسند آیا۔

ثمینہ الیاس فیصل آباد سے شازیہ مصطفیٰ ان کی پسندیدہ رائٹر ہیں۔

بشری طارق ٹوبہ ٹیک سنگھ سے صالحہ آبی شازیہ باجی حسنہ ظفر انہیں پسند ہیں۔

خالدہ طلعت زرین فاطمہ نورین غفار بہاولپور سے سمیعہ زرین عباس کو پسند کرتی ہیں۔

طاہرہ حبیب شفق نور تسلیم فاطمہ زہرا عباس کرن نور گل بانو واصفہ حبیب زوبیہ خان پشاور سے

صالحہ محمود شازیہ مصطفیٰ نائلہ طارق اور سباس گل کو پسند کرتی ہیں۔

لاہور سے عطیہ خالدہ عائشہ طارق نائلہ ظفر فوزیہ خان روبینہ زاہد صدف خان حفصہ حسین مونا مہوش اقبال انجم ظفر عذرا اقبال فاطمہ ظفر کائنات علی سلٹی قیصر کاشفہ حسین پسند کرتی ہیں ریمہ نور رضوان رضوانہ ارشد شازیہ مصطفیٰ غیرہ عزیز روشنی فاطمہ سیما سحر صنوبر فہیم اختر جیا قریشی مہوش اشرف سعدیہ عابدہ سحر انجم شاہین سجاد غزالہ شہناز نازیہ فلک ناز ساجدہ بتول سیدہ امبرہاشی قرۃ العین انعم خان روبینہ انصار علی عائشہ نصیر عائشہ الیاس۔

نوابشاہ سے بینش اطہر حلیہ رانی یاسمین نسreen خان نسیم ناہیدہ انور رخسانہ فہیم لکھتی ہیں انہیں نائلہ طارق شاہین سجاد انعم خان سباس گل صنوبر فہیم اختر پسند ہیں۔

اداکارہ سے پروین رحمت بی بی شازیہ کرن سعیدہ یہ سب شازیہ مصطفیٰ صالحہ محمود عابدہ بین انعم خان نائلہ طارق سعدیہ عابدہ سباس گل کو پسند کرتی ہیں۔

اسلام آباد سے زرین انظر عائشہ ہادی رحمان علی سمیعہ علی فاطمہ حسن غیرہ خان یہ سب بھی نائلہ طارق سباس گل شازیہ مصطفیٰ فوزیہ خان صنوبر فہیم اختر مہوش اشرف جیا علی قمرش اشوک عابدہ بین سعدیہ عابدہ انعم خان کو پسند کرتی ہیں۔

ٹوبہ ٹیک سنگھ، جھنگ صدر، کمالیہ، پیر محل، گوجرہ، راجانہ، فلور، شور کوٹ کینٹ۔

(سولڈ ایجنٹ حاجی محمد یاسین) پرچہ نہ ملنے کی صورت میں آپ ان نمبر پر رابطہ کریں۔ اور گھر پر بھجوانے کا بھی انتظام ہے۔

0321.7531597, 0462.511845

حاجی محمد یاسین ٹوبہ ٹیک سنگھ

کچھ اور دیر نہ جھڑنا اداسیوں کے شجر کے خبر تیرے سائے میں کون بیٹھتا ہے یہ رکھ رکھاؤ محبت سکھا گئی اس کو وہ روٹھ کر بھی مجھے مسکرا کے ملتا ہے کچھ اس قدر بھی تو آساں نہیں ہے عشق تیرا یہ زہر دل میں اتر کر ہی راس آتا ہے میں تجھ کو پا کے بھی کھویا ہوا سار ہتا ہوں کبھی کبھی تو مجھے ٹھیک تو نے سمجھا ہے اسے گوا کے میں زندہ ہوں اس طرح حسن کہ جیسے تیز ہوا میں چراغ جلتا ہے

ربیعہ سہراب ایوبی کی ڈائری سے

کچھ اور دیر نہ جھڑنا اداسیوں کے شجر کے خبر تیرے سائے میں کون بیٹھتا ہے یہ رکھ رکھاؤ محبت سکھا گئی اس کو وہ روٹھ کر بھی مجھے مسکرا کے ملتا ہے کچھ اس قدر بھی تو آساں نہیں ہے عشق تیرا یہ زہر دل میں اتر کر ہی راس آتا ہے میں تجھ کو پا کے بھی کھویا ہوا سار ہتا ہوں کبھی کبھی تو مجھے ٹھیک تو نے سمجھا ہے اسے گوا کے میں زندہ ہوں اس طرح حسن کہ جیسے تیز ہوا میں چراغ جلتا ہے

ربیعہ سہراب ایوبی کی ڈائری سے

بشر بدر کی غزل

یوں ہی بے سبب نہ پھیرا کرو کسی شام گھر بھی رہا کرو وہ غزل کی بچی کتاب ہے اسے چپکے چپکے پڑھا کرو کوئی ہاتھ بھی نہ ملائے گا جو گلے ملو گے تپاک سے یہ نئے مزاج کا شہر ہے ذرا قاصطے سے ملا کرو ابھی دن میں کئی موڑ ہیں کوئی آئے گا کوئی جائے گا تمہیں دل سے جس نے بھلا دیا اسے بھولنے کی دعا کرو مجھے اشتہاری لگتی ہیں یہ محبتوں کی کہانیاں جو کہا نہیں وہ سنا کرو جو سنا نہیں وہ کہا کرو کبھی حسن پر وہ نشین بھی ہو ذرا عاشقانہ لباس میں جو میں بن سنو کے چلوں کہیں میرے ساتھ تم بھی چلا کرو نہیں بے حجاب وہ چاند سا کہ نظر کا کوئی اثر نہ ہو اسے اتنے گرمی شوق سے بڑی دیر تک نہ ٹکا کرو

مشعل سلطان احمد کی ڈائری سے

امجد اسلام امجد کی غزل

کوئی موسم ہودل میں ہے تیری یاد کا موسم کہ بدل ہی نہیں جاناں تمہارے بعد کا موسم نہیں تو آزما کر دیکھ لو کیسے بدلتا ہے تمہارے مسکرانے سے دل نا شاد کا موسم کہیں سے اس حسین آواز کی خوشبو پکارے گی تو اس کے ساتھ بدلے گا دل برباد کا موسم نہ کوئی غم خزاں کا ہے نہ خواہش ہے بہاروں کی ہمارے ساتھ ہے امجد کسی کی یاد کا موسم

فوزیہ حسین کی ڈائری سے

غزل

کہاں بناؤں سرشام آشیانہ میرے دوست کہ تیرے شہر میں کوئی نہیں ٹھکانہ میرے دوست بھلا چکا ہوں اگرچہ میں اپنے آپ کو بھی مگر بھلا نہیں پایا تجھے زمانہ میرے دوست اگر نہ ملے موت ڈھونڈ کر اسے لے جا ہوزندگی کے لئے کوئی تو بہانہ میرے دوست وہی ہوں میں وہی کردار تہمتیں بھی وہی تراش لے کوئی خود سے نیا فسانہ میرے دوست

عانیہ نیازی کی ڈائری سے

کوئی موسم ہودل میں ہے تیری یاد کا موسم کہ بدل ہی نہیں جاناں تمہارے بعد کا موسم نہیں تو آزما کر دیکھ لو کیسے بدلتا ہے تمہارے مسکرانے سے دل نا شاد کا موسم کہیں سے اس حسین آواز کی خوشبو پکارے گی تو اس کے ساتھ بدلے گا دل برباد کا موسم نہ کوئی غم خزاں کا ہے نہ خواہش ہے بہاروں کی ہمارے ساتھ ہے امجد کسی کی یاد کا موسم

فوزیہ حسین کی ڈائری سے

غزل

کہاں بناؤں سرشام آشیانہ میرے دوست کہ تیرے شہر میں کوئی نہیں ٹھکانہ میرے دوست بھلا چکا ہوں اگرچہ میں اپنے آپ کو بھی مگر بھلا نہیں پایا تجھے زمانہ میرے دوست اگر نہ ملے موت ڈھونڈ کر اسے لے جا ہوزندگی کے لئے کوئی تو بہانہ میرے دوست وہی ہوں میں وہی کردار تہمتیں بھی وہی تراش لے کوئی خود سے نیا فسانہ میرے دوست

عانیہ نیازی کی ڈائری سے

عانیہ نیازی کی ڈائری سے

حسن نقوی کی نظم

اگر تم آئینہ دیکھو تو خود سے نظریں چرا لینا

کہ اکثر بے وفا لوگوں کو جب وہ آئینہ دیکھیں تو آنکھیں چور لگتی ہیں

اگر تم آئینہ دیکھو تو خود سے نظریں چرا لینا کہ اکثر بے وفا لوگوں کو جب وہ آئینہ دیکھیں تو آنکھیں چور لگتی ہیں

اگر تم آئینہ دیکھو تو خود سے نظریں چرا لینا کہ اکثر بے وفا لوگوں کو جب وہ آئینہ دیکھیں تو آنکھیں چور لگتی ہیں

ردا کی ڈائری

اسراء سعید کی ڈائری سے

رئیس فروغ کی غزل

اب تک جو مجھے نہیں ملے ہیں
وہ پھول مرے لئے کھلے ہیں
زخموں سے بچاؤں کیا بدن کو
کانٹے تو لباس میں سلے ہیں
مجھ سے مری رات بھی خفا ہے
مجھ سے مرے دن کو بھی گلے ہیں
یوں خاک اڑا رہا ہوں گھر میں
جیسے مرے ساتھ قافلے ہیں
کیا جانے کس دیئے کے پیچھے
کن روشنیوں کے سلسلے ہیں
چہروں کی تھکن سے کچھ نہ پوچھو
کس پاؤں میں کتنے فاصلے ہیں

سحر انجم کی ڈائری سے

شہسی فاروقی کی نظم

(درپن دیکھ کے رویا)

میں درپن دیکھ کے رویا
جیون کی اس دوڑ میں میں نے
کیا پایا کیا کھویا

سے کے ہاتھوں پڑ گئیں کچھ پر
ایسی گہری لکریں

جیسے ہزاروں سال پرانے

دور کی ہوں تحریریں

پتھرائی بے جان سی آنکھیں

چہرہ سویا سویا

میں درپن دیکھ کے رویا

ایک ہل کو پہچان نہ پایا

میں اپنی ہی صورت

کڑی کے جالے میں جیسے

قید ہوں کوئی صورت

رنگ و روپ کے اجڑے پن میں

من ہے کھویا کھویا

میں درپن دیکھ کے رویا

نورین نور کی ڈائری سے

محسن نقوی کی غزل

پھنڑ کے مجھ سے بھی تو نے یہ بھی سوچا ہے
ادھورا چاند بھی کتنا اداس لگتا ہے
یہ ختم وصل کا لمحہ ہے رائیگاں نہ سمجھ
کہ اس کے بعد وہی دور یوں کا صحرا ہے

الشعراء

عانیہ نیازی ربوہ مائرہ فیاض ملتان

دیارِ یار تری جوششِ جنوں پہ سلام
مرے وطن ترے دامنِ تار تار کی خیر
رہ یقیں تری افشانِ خاکِ دُخوں پہ سلام
مرے چمن ترے زخموں کے لالہ زار کی خیر

بشری طارق سیدہ امبر اختر چندی پور

چاہت بھرے لفظ اور لفظ میں دعا محسن

مقروض کر دیا ہمیں کسی کے خلوص نے

انعم خان ہری پور ہزارہ

جھک گئے ہم کو جھکانے والے

پھر نہ آئے محبت آزمانے والے

نہیں اجازت انعم دل لگانے کی

دیکھ لیے بے وفا و فانی بھانے والے

حنا نسیم کراچی

روٹھا تو شہرِ خواب کو غارت بھی کر گیا

پھر مسکرا کے تازہ شرارت بھی کر گیا

محسن یہ دل کہ جس سے پھنڑ تانہ تھا کبھی

آج اس کو بھولنے کی جسارت بھی کر گیا

فرزانہ شوکت کراچی

بک جائے جسم و جاں نگاہ میں حیا رہے

لٹ جائے زندگی مگردل میں وفار ہے

دل میں نہ ہو خلوص تو قربت کی بات کیا

اتنا ملو کہ مل کے بھی کچھ فاصلہ رہے

☆☆☆☆☆

شمینہ اداکارہ

ہجوم اپنی جگہ تاریک جنگل کے درختوں کا

پرندے پھر بھی شاخِ آشیانہ یاد رکھتے ہیں

ہمیں اندازہ رہتا ہے ہمیشہ دوست دشمن کا

نشانی یاد رکھتے ہیں نشانہ یاد رکھتے ہیں

اس ماہ میں

اس ماہ کا اقتباس

نامعتبر ساعتیں

ہماری زندگیاں کڑکتی دھوپ میں جلتی جلتی سڑکوں پر پھرتی ہوئی بے منزل مسافروں کی طرح ہیں۔ ایک بے مقصد سفر کا کرب راستوں کو دھندلائے دیتا ہے دھند میں ڈوبتی ہوئی مسافتوں کے درمیان ہماری آنکھیں اپنی بصارتوں پر شرمندہ ہیں۔ بے بھر بصارتوں کا الزام حیات بے مہر کے حصار میں ایستادہ ہے۔ بصیرت کی روشنیاں سمجھی نہیں ہیں لیکن جس بستی سے ہم ہجرت کر آئے ہیں اس کی یاد ایک خوف بن گئی ہے۔ اس دردناک کیفیت میں آس کے گلاب یاس کی زردیوں میں گھر کر مر جھائے رہتے ہیں ایک بے آس لمحے کی گرفت میں ہماری ساعتیں نامعتبر ہوتی جا رہی ہیں۔

محمد فیروز شاہ کی کتاب ”تھل دریا“ سے اقتباس
انتخاب: سیما..... ملتان

گرمی

آؤ میری محبوبہ کھیتوں میں چلیں!
فصل کاٹنے کا زمانہ آ گیا ہے۔ سورج کی شعاعوں سے اناج کے خوشے پک گئے ہیں۔ آؤ زمین کے ثمرات سے بہرہ ور ہوں۔ جیسے فطرت محبت

کے اس بیج سے خوشی کے خوشوں کی پرورش کرتی ہے جو ہمارے دلوں کی گہرائیوں میں بویا گیا۔

آؤ فطرت کی اس پیداوار سے اپنے گودام بھر لیں جس طرح زندگی اپنے غیر مختتم عطیات سے ہمارے دلوں کے خطوں کو بھر دیتی ہے۔

آؤ پھولوں کو اپنا بستر بنائیں۔ آسمان کو اپنا دوشالا اور گھاس کے نرم و نازک نیچے پر اپنا سر رکھ دیں۔

آؤ دن بھر کی مشقت کے بعد استراحت و آرام کریں اور جذبات کو مشتعل کرنے والا اندیوں کا ترنم سنیں۔

خلیل جبران کے ”محبت کے افسانے“ سے ماخوذ
انتخاب: گل شمرین..... پشاور

اس ماہ کی کرنیں

1: بری عادت اپنانا آسان، نبھانا مشکل اور چھوڑنا مشکل ترین ہوتا ہے۔

2: دولت کے بجائے اطمینان تلاش کرنا چاہیے۔

3: جو کچھ دوسروں کو کہیں سب سے پہلے اپنے آپ کو اس کا مخاطب بنائیں۔

4: کچھ چیزوں کی اہمیت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھ جاتی ہے اور کچھ چیزیں وقت گزرنے کے ساتھ اپنی اہمیت کھودیتی ہیں۔

5: ماضی کی یادوں یا مستقبل کے حوالوں میں رہنے سے بہتر ہے کہ حال کی تعمیر کرو۔

6: دنیا وہ بستر ہے جسے دن اور رات کے ذریعے پسینا جا رہا ہے۔

7: ایک ساتھ دو کشتیوں پر پیر رکھنا حماقت ہے۔ اس طرح انسان کہیں کا بھی نہیں رہتا۔

8: اصل امیری یہ ہے کہ آپ کو کسی سے مانگنا نہ پڑے۔

9: اصلاح سے فرق تو پڑتا ہے لیکن حوصلہ افزائی سے اصل فرق پڑتا ہے۔

10: اپنی حرکات و سکنات میں اعتدال پیدا کرو۔
انتخاب: نائلہ اسحاق..... لاہور

اس ماہ کا قطعہ

لوڈ شیڈنگ

نجانے ہمارے مقدر میں ہے بھی
وہ خوشیوں بھرا مسکراتا سویرا
ابھی تو جدھر دیکھتے حال یہ ہے
اندھیرا اندھیرا اندھیرا اندھیرا

کلام: رانا تہذیب حسین تہذیب
انتخاب: سباس گل..... رحیم یار خان

اس ماہ کی بات

اگر محبت ان سے نہ ملے جن سے آپ پیار کرتے ہوں

تو پھر
محبت ان کو ضرور دینا جو آپ سے پیار کرتے ہیں!

دریسا خان..... حیدرآباد

اس ماہ کا لطیفہ

ایک لڑکی ایک لڑکے سے کہتی ہے: ”میں اب تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ مجھے تم سے اتنی محبت ہے اتنی محبت ہے کہ میں بتائیں سکتی“۔ اور پھر رونے لگ جاتی ہے۔

لڑکا رو کر کہتا ہے: ”بہت افسوس ہوا کسٹم والوں نے میرا سارا سونا چوری کر لیا ہے اب میرے پاس کچھ نہیں رہا۔“

لڑکی نے رونا دھونا بند کر دیا اور کہا: ”میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔“ اور چلی گئی۔

سیدہ امبر اختر..... چندی پور

اس ماہ کی چچھاتی چہ میگوئیاں!

○ ایک لمبی سی کار آ کر رکی۔ نہایت معزز سی شخصیت برآمد ہوئی..... پوچھا: ”آپ کی تعریف؟“

جواب ملا: ”ادیب“..... پوچھا: ”کیا لکھتے ہیں؟“

جواب ملا: ”طبیعت جس کام پہ چل جائے کر گزرتا ہوں“ ویسے شاعر بھی ہوں، ناول نگار بھی ہوں اور افسانہ..... ابھی وہ صاحب بول ہی رہے تھے کہ

ڈرائیور نے آ کر دو چار کاغذوں کا پلندہ ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا: ”سرا! یہ افسانہ ہے۔ میں نے رات کو لکھا تھا۔ بہت سخت بھوک لگی ہے پچاس روپے

دے دیں پلیز.....“

○ قدموں کی چاپ سے برخوردار نہ ٹھکے تو سمجھ لیجئے وہ کچھ پڑھ رہا ہے یا پھر سو رہا ہے۔“

○ خوبی آپ کے اندر ہو تو آپ آدمی ہیں آپ خوبی کے اندر ہوں تو آپ انسان ہیں۔

○ وہ منہ پھٹ ہے اس لئے منہ آئی جوک

خوشبو

(سورۃ المائدہ: آیت 105 پارہ نمبر 7)

انتخاب: رابعہ فاطمہ..... لاہور

دعا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: ”تقدیر کے فیصلے کو اگر کوئی چیز بدل سکتی ہے تو وہ دعا ہے۔ عمر میں اگر کوئی چیز اضافہ کر سکتی ہے تو وہ دعا ہے۔ دعا کے سوا کوئی بھی چیز قضا کو نال نہیں سکتی۔“ (ترمذی)

بشری طارِق..... ٹوبہ ٹیک سنگھ

اقوال زریں

☆ دنیا کی ہر لذت فانی ہے اس لیے ابدی راحتوں کو تلاش کرو۔

☆ میٹھی زبان بے شمار دشمنوں سے بچاتی ہے۔

☆ امید دلا کر بھول نہ جاؤ کہیں غریب کی

وہی امید آنسو بن کر آنکھوں سے ٹپک نہ پڑے۔

☆ مصائب سے مت گھبراؤ ستارے

اندھیرے میں چمکتے ہیں۔

☆ یہ دنیا بادل کا سایہ سوتے کا خواب غم

آميز خوشی اور زہریلا شہد۔

نگہت اکرم..... لاہور

جیب

ایک پنخان اپنی جیب میں پتھر ڈال کر گھوم رہا تھا

رداؤ انجسٹ [219] اگست 2011ء

ارشاداتِ ربّانی

تاخلف:

”پھر ان کے بعد تاخلف لوگ ان کے قائم مقام ہوئے جو کتاب کے وارث بنے۔ یہ بے تامل اس دنیائے دنی (ذلیل اور کمزور) کا مال و متاع لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بخش دیئے جائیں گے اور لوگ ایسوں پر طعن کرتے ہیں اگر ان کے سامنے بھی ویسا ہی مال آ جاتا ہے تو وہ اسے بھی لے لیتے ہیں۔ کیا ان لوگوں سے کتاب الہی کی نسبت عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ پر سچ کے سوا اور کچھ نہیں کہیں گے اور جو کچھ اس کتاب الہی میں ہے اس کو انہوں نے پڑھ لیا ہے اور آخرت کا گھر تو پر ہیز گاروں ہی کیلئے بہتر ہے۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟“

(سورۃ الاعراف: آیت 169 پارہ نمبر 9)

تم ہدایت پر ہو:

”اے اہل ایمان! اپنی جانوں کی حفاظت کیا کرو۔ جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تمہارا کچھ بھی نہیں لگاڑ سکتا۔ تم سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ اس وقت وہ تم کو تمہارے سب کاموں سے جو تم نے دنیا میں کیے تھے آگاہ کرے گا (اور ان کا بدلہ بھی دے گا)۔“

اپنی خوشی دین کی خوشی پر ہر وار دے
یہ خطہ زمین معنوں سے تیرے نام
وے اس واپی رحمتیں اور بے شمار دے

شاعر: احمد ندیم قاسمی

انتخاب: نامزدہ فیاض..... ملتان

اس ماہ کی پسند:

چھوڑ جا.....!

یہ سفر نہیں مذاہب ہے
یہاں ہر کسی پر نقاب ہے
یہاں ہر ممانی کا راج ہے
یہاں بے وفائی رواج ہے
ابھی ہوش کھونے کے دن نہیں
ابھی تیرے رونے کے دن نہیں
ابھی وقت ہے
مجھے چھوڑ جا۔

ابھی ساری عمری اندھیری ہے

ابھی دن نکلنے میں دیری ہے

ابھی نعر عشق میں نہ اتر

ابھی شہر سارا ہے بے خبر

ابھی وقت ہے

مجھے چھوڑ جا

ابھی وقت ہے

مجھے چھوڑ جا

ریمانور رضوان کراچی

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

(Joke) ... نہیں سکتا۔

○ آپ کاس میں پیتے ہیں اس لئے گلاس کا

بھی آپ پیا انسان ہے۔

○ آپ اوپر چڑھ رہے ہوتے ہیں جبکہ

یہ حسیاں نیچے اتر رہی ہوتی ہیں۔

○ بے شک کتا بھونک رہا تھا مگر وہ پھر بھی نہیں

چونک رہا تھا۔

○ انشلول میں پستول رکھا تو تو راہ گیر کا باپ بھی

خیرات دے گا۔

○ بالی کان میں ہو یا شام پڑا خوبصورت موسم کا

پتہ دیتی ہے۔

○ کھٹارا بس کو 25 فیصد ڈرائیور اور 75 فیصد

سوار یاں خود چلا رہی ہوتی ہیں۔

○ کتاب خواب میں بھی نظر آئے تو بعض

طالب علم نہ صرف جاگ اٹھتے ہیں بلکہ بھاگ اٹھتے

ہیں۔

مرتب: ایس امتیاز احمد کراچی

اس ماہ کی دعا

یا رب مرے وطن کو اک ایسی بہار دے
جو سارے ایشیا کی فضا کو نکھار دے
یا رب مرے وطن میں اک ایسی ہوا چلا
جو اس کے رخ سے گرد کے دھبے اتار دے
یا رب وہ ابر بخش کہ جو ارض پاک کو
مد نظر تک امدے ہوئے سبزہ زار دے
میدان جو جمل سچے ہیں بھجان کی تھگی
شانیں جوت یگی ہیں انہیں برگ و بار دے
یہ فرد میری قوم کا اک ایسا فرد ہو

رداؤ انجسٹ [218] اگست 2011ء

کسی نے پوچھا: ”ایسا کیوں کر رہے ہو؟“

پنھان بولا: ”اس دنیا میں اسی کی قدر ہوتی ہے جس کی جیب بھاری ہوتی ہے۔“

پروین خالدہ..... بہاولپور

دوست

اچھا دوست پھولوں کا وہ گلدستہ ہے جسے سینے سے لگاتے ہی نہ صرف راحت ملتی ہے بلکہ وجود بھی مہک اٹھتا ہے جبکہ برا دوست کانٹوں بھری جھاڑی ہے۔ اگر سینے سے لگائیں تو نہ صرف کانٹے چبھتے ہیں بلکہ وجود بھی زخمی ہوتا ہے۔

شازیہ عمران..... کراچی

سڑک

دیہاتی: بیٹے! قبرستان کو یہی سڑک جاتی ہے۔
لڑکا: ہاں! اور اگر آپ سڑک کے درمیان جا کھڑے ہوں تو جلدی ہی وہاں پہنچ بھی جائیں گے۔
خالدہ حسین..... سکھر

جوہر پارے

○ سکون حاصل کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ انسان سکون کے حصول کی تمنا چھوڑ کر دوسروں کو سکون پہنچانے کی کوشش کرے۔ سکون دینے والے کو ہی سکون ملتا ہے۔ (واصف علی واصف)
○ قلت عقل کا اندازہ کثرت کلام سے ہوتا ہے۔ (بوعلی سینا)
○ صرف وہی شخص کامل نہیں جو کچھ نہ کرے بلکہ وہ شخص بھی کامل ہے جو بہتر کام کر سکتا ہے لیکن نہ کرے۔ (سقراط)

حنانیم..... کراچی

شادی کا راز

☆ ایک آدمی کی شادی کو چند روز ہی ہوئے تھے وہ سسرال کے حسن سلوک اور خاطر مدارت سے اتنا متاثر ہوا کہ اپنے سسرال کے مکان کے دروازے پر ایک تختی لگا دی جس پر لکھا تھا ”سسرال جنت ہے۔“ اسی گھر کے دوسرے داماد نے جس کی شادی کو کچھ عرصہ گزر چکا تھا وہ تختی پڑھی تو اسی تحریر کے نیچے لکھ دیا ”چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات ہے۔“
☆ ایک شیر کی شادی تھی اس کی بارات میں ایک چوہا بھی مانج رہا تھا۔ سب لوگ بہت حیران ہوئے کہ آخر شیر کی شادی میں چوہا کیوں مانج رہا ہے۔ ایک دوسرے سے پوچھنے پر پتا چلا کہ شادی سے پہلے چوہا بھی شیر تھا۔

☆ ڈاکٹر صاحب اپنے کلینک میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی وہاں شور و غل کر رہا ہے اور اپنے آپ کو مریض بتا رہا ہے۔ وہ اس بات پر بضد تھا کہ اسے اسپتال میں داخل کروایا جائے جبکہ اس کے بھائی اسے گھر لے جانے کیلئے کھینچ رہے تھے۔ گھر کے نام پر وہ شخص اور زیادہ شور مچا کر رہا تھا۔ ڈاکٹر نے پوچھا کہ یہ گھر جانے سے اتنا کیوں گھبرا رہا ہے تو اس کے بھائیوں نے بتایا کہ کل اس کی شادی ہے۔

☆ ایک لڑکا بہت ہی ضدی، آوارہ مزاج اور والدین کا نافرمان تھا۔ کھانے پینے میں سوسو کیڑے نکالتا یہاں تک کہ اس نے والدین کا جینا دو بھر کیا ہوا تھا۔ یہ ساری صورت حال دیکھتے ہوئے اس کے رشتہ داروں نے والدین کو یہ مشورہ دیا کہ فوراً اس کی شادی کر دو یہ تیر کی طرح سیدھا ہو کر راہ راست پر آ جائیگا۔
☆ شادی سے پہلے ایک آدمی بہت صحت مند

تھا۔ کافی ہٹا کٹا ہونے کی وجہ سے لوگ اسے خوب چھیڑا کرتے تھے۔ وہ پورے محلے میں بھائی مولو کے نام سے مشہور تھا لیکن شادی کے صرف ایک ماہ بعد اس کی حالت یہ تھی کہ جیسے غبارے سے ساری ہوا نکال دی گئی ہو۔

☆ شادی کے بعد ایک جوڑا بنی مون منانے کے لئے شمالی علاقہ جات کی سیر کو گیا۔ سیر کے دوران ایک جگہ بیوی کا پاؤں پتھر پر آ گیا وہ لڑکھڑا کر گرنے لگی والی تھی کہ خاوند نے فوراً آگے بڑھ کر اسے تھام لیا اور پیار سے بولا: ”ڈارلنگ ذرا ادھیان سے۔“
شادی کے چار سال بعد اتفاق سے پھر اسی جگہ سے ان کا گزر ہوا۔ بیوی پھر لڑکھڑائی تو خاوند نے غصے سے کہا: ”اندھی ہو کیا دیکھ کر نہیں چل سکتیں۔“
ایس امتیاز احمد..... کراچی

بارش کا پتہ چل سکے

ایک بے وقوف نے اپنی چھتری میں سوراخ کر رکھا تھا۔ کسی نے ایسا کرنے کی وجہ پوچھی تو وہ بولا: ”اس طرح بارش کے رکنے کا پتہ چل جاتا ہے۔“
غانیہ نیازی..... ربوہ

دوستی

دوستی بے خلوص اور بے لوٹ جذبات کا وہ سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ہوتا۔
یہ وہ جذبہ ہے جس پر دنیا کے تمام جذبات قربان کئے جاسکتے ہیں۔
آج کے دور میں ایک حقیقی اور سچے دوست کا ملنا دشوار سی مگر دوستی کیجئے اپنے غموں سے اپنے آنسوؤں سے حال سے اور سب سے بڑھ کر اپنے مستقبل سے۔
دوست کے نہ ہوتے ہوئے بھی اس جذبے کو

زندہ رکھئے کہ اس کا وجود بہت نازک ہوتا ہے۔
جب تم کسی کو دوست بناؤ تو اس سے جنگ نہ کرو اس کی نگرانی نہ کرو اس پر برتری کا اظہار نہ کرو دوستوں سے اس کے بارے میں پوچھتے نہ پھرو کیونکہ ممکن ہے کہ اس کا کوئی دشمن اس کے بارے میں غلط بات بتا دے اور یہ غلط فہمی تمہاری جدائی کا سبب بن جائے۔
فرزانہ شوکت..... کراچی

یہ بھی خوب رہی

ایک صاحب مجلس میں آئے اور آتے ہی لوگوں کو مخاطب کر کے پوچھنے لگے: ”آپ میں سے کسی کی ریزیمینڈ سے بندھی رقم تم تو نہیں ہوئی؟“
ایک صاحب فوراً اٹھے اور بولے: ”ہاں ہاں میری رقم گم ہوئی ہے۔“
یہ سن کر اعلان کرنے والے صاحب بولے: ”جناب! آج کا دن آپ کیلئے بہت خوش نصیب ہے کیونکہ مجھے آپ کا ریزیمینڈ مل گیا ہے۔“
بتول رحمان..... سیالکوٹ

میری آس

بیوی غصے میں:
”میرا جینا حرام ہو گیا ہے میں یہ گھر چھوڑ کر جا رہی ہوں۔“
شوہر:
”جان چھوڑو! خدا کے واسطے۔“
بیوی واپس آتے ہوئے:
”ایک تو آپ کی یہ عادت بہت بری ہے۔ ہمیشہ ”جان“ کہہ کر اور خدا کا واسطہ دے کر روک لیتے ہیں۔“
بسمہ علی..... سکھر

غزل

محبت جو محفوظ تھی دل کے خانوں میں
محلے اس پر بھی ہو رہے ہیں اس زمانے میں
ہمارا یہاں کچھ نہیں بس رحمت خدا کی ہے
ہمیں یہاں چھوڑ جانا ہے تباہیہاں سے جانا ہے
ہمیں پیدا کیا خدا نے اپنی شان دکھانے میں
یہ آسمان ستارے اور اس زمین کی محبت میں
کتنا بے خبر انسان یہاں سے اپنے جانے میں
یہاں عبادت کرو سجده کرو یہ وقت آنے میں
اسی ہستی نے پیدا کیا اپنے کو منوانے میں
انسان کیوں غافل ہے یہاں قدم جمانے میں
اسے واپس جانا ہے ایک وقت حکم آنے میں
عبادت کا مقصد گر تو سمجھ جائے اے انسان
تجھے قربان ہونا ہے جب بھی وقت کٹانے میں

فرش سلطان

”امر ہو جائیں“

سنو

وادی سبزہ زار میں
جب آسمان پر شاہ خاوری کی
بنفشی کرنیں پھوٹتی ہیں
جب پھولوں سے مہکتی فضا میں

طاؤز پرواز کرتے ہیں

جب برف پوش پہاڑوں سے گرتا آ بشار
سرستی سے چمکتا ندی سے ملتا ہے
جب عشق چچاں کی ڈالیوں پر
کونل کوکتی ہے

جب گڈریا سر سبز ڈھلانوں پر

بھیڑیں ہنکارتا جاتا ہے

جب سکھ چین کے بیڑے کے نیچے بیٹھا

کوئی بانسری بجاتا ہے

جب جھیلوں میں تیرتے کنول پر

شب نیم کے قطرے پھسلتے ہیں

جب حد نظر تک کچھی سبز گھاس

اوس میں بھیتتی ہے

جب نیلے گن پر شام کا

پہلا ستارہ مسکراتا ہے

ہاں..... تب

دل سے اندلی ہوک

لیوں تک آتی ہے اور

دور اس سنہری جزیرے تک جاتی ہے

اک صد اتمہیں باقی ہے

لہ آؤ

اس منظر کو آنکھوں میں جذب کر لیں

آؤ کہ اس شام کو

اپنی منھیوں میں مقید کر لیں

اڑتی تیلیوں کے رنگ چرا لیں

گم ہو جائیں

امر ہو جائیں

کون جانے کہ.....

اس الوہی شام کے دلفریب لمحات

پھر پلٹ کر

آئیں نہ آئیں

نائلہ طارق

غزل

دل و نگاہ میں جب تک ہے روشنی باقی
رہے گی اپنی اندھیروں سے دشمنی باقی
کبھی بھی مٹ نہیں سکتا نظام دنیا کا
تری زمین پہ جب تک ہے آدمی باقی
جو بانٹتے ہیں زمانے میں پیاری دولت
انہی کے نظر کرم سے ہے دوستی باقی
ترا جمال ہے فصل بہار کا ضامن!
ترے جمال سے اپنی ہے ہر خوشی باقی
خدا سے مانگتا رہتا ہے کوئی روز مجھے
کسی کے دستِ طالب سے ہے زندگی باقی
سمندروں کے سمندر میں پی کیا لیکن
علیم! روح میں اب بھی ہے شعلہ باقی

علیم خان علیم

غزل

تیری جدائی کا درد رہتا ہے میرے ساتھ ساتھ

دل کے بھی موسم سوگ میں ہیں میرے ساتھ ساتھ
تیرا وجود مری زندگی میں اب نہیں ہے
پھر بھی رہتا ہے شام بحر خیالوں میں تو ساتھ ساتھ
لوگوں کے بھرے جہوم میں مجھے اکیلا تنہا دیکھ کر
اوساں گلے مل کے کہتی ہے آ چل میرے ساتھ ساتھ
مخمل رنگ ہو یا تنہائی کا بسیرا ہو
ہر دم تیرا ہی تصور ہوتا ہے میرے ساتھ ساتھ
وادی میدان کے کنارے کتنی دیر کھڑا سوچ رہا ہوں
کتنا اچھا ہوتا گر اس وقت ہم ہوتے ساتھ ساتھ
ہر اک چہرے پہ اب اس کا گماں ہوتا ہے
اسلام آباد تجھے کیسے سمجھاؤں وہ نہیں میرے ساتھ ساتھ
مجھ کو اجڑا دیکھ کر تو کیا جانے جتنی
رات چاند بھی اشک بہاتا رہا میرے ساتھ ساتھ
جانے والے تو کبھی کوٹ کر آ نہیں سکتے
کاش تو رسم الفت کا سلسلہ نہ بڑھاتا میرے ساتھ ساتھ
اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو بڑی دیر سے کھونچ رہا ہوں
شاید لکھا ہو مقدر میں تیرا لمن میرے ساتھ ساتھ
ایمان علی

مشکل وقت

جب سمندر چٹکھاڑتے ہوئے

اور ہوا میں کرلائی ہوئی ہماری سمت بڑھتی ہیں

بارش نوکیلی

اور آندھیاں منہ زور ہو کر

ہم پر حملہ آور ہوتی ہیں

تب ہم تھم نہیں پاتے

اور کیوں کیوں دوڑ پڑتے ہیں

اپنے اپنوں کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے
ہوتے ہیں
لیکن ایسے میں
کوئی کسی کو بھی
اپنی جگہ پر موجود نہیں ملتا

فرزانہ شوکت

غزل

جسم و جاں رکھتا ہوں لیکن یہ حوالہ کچھ نہیں
آپ کی نسبت ہے سب کچھ میرا اپنا کچھ نہیں
عشق جس کو چہ میں رہتا ہے وہ کو چہ ہے بہشت
عقل جس دنیا میں رہتی ہے وہ دنیا کچھ نہیں
کتنے سادہ لوح تھے اگلے زمانے کے وہ لوگ
کہہ دیا جو دل میں آیا دل میں رکھا کچھ نہیں
اس طرف ہے میری وحشت اس طرف تیرا جمال
وہ حقیقت داگی ہے یہ تماشا کچھ نہیں
دیکھنے والا کوئی ہوتا تو ہم بھی کھینچے
تھے تماشے سیکڑوں لیکن دکھایا کچھ نہیں
آ کے جو سیراب کرتی ہے زمین خشک کو
اصل میں ہے موج دریا شور دریا کچھ نہیں
سوچتا ہوں جا کے اس کو پیش کر دوں دل امتیاز
یار کی نظروں میں دنیا کا انداز کچھ نہیں
ایسے امتیاز احمد

سنوتم لوٹ آؤ نا

سنوتم لوٹ آؤ نا کہ.....
تم بن کوئی بہت اکیلا ہے
کہ.....

تم بن کوئی ادھورا ہے
تم بن کوئی اداس ہے
کسی کی زندگی تم ہو
کسی کی خوشی تم ہو
سنوتم لوٹ آؤ نا کہ.....

اب تمہاری عادت سی ہو گئی ہے
اور میں نے سنا ہے کہ
پرانی عادتیں بدلتی نہیں ہیں
چند بل کے لیے ہی لوٹ آؤ نا کہ
تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں
ہجر کے کڑے لمحات بتانے ہیں
کیسے گزرے دن اور رات تم بن
تم کو بتانا ہے

سنوتم لوٹ آؤ نا کہ
تمہارے آنے سے
ہر طرف چھایا گہرا سناٹا تنہائی اداسی
سب ختم ہو جائے گا
میری آنکھوں کا سیلاب بھی ختم جائے گا
میرا انتظار بھی ختم ہو جائے گا
سنوتم لوٹ آؤ نا کہ
کوئی شام کی تنہائی میں
جب پٹھمی سارے گھروں کو لونٹے ہیں
تمہارے لیے ترچھا ہے
تمہارے لیے روتا ہے
سنوتم لوٹ آؤ نا کہ
کسی کی خوشیاں تم سے وابستہ ہیں
سنوتم لوٹ آؤ نا

ماریہ دریام

وہ شخص

زمانے کی گردشوں میں
حالات کی نظر جو ہو گیا
اک دور ہے پر
جو مجھ سے جدا ہو گیا
دل کی اتھاہ گہرائیوں میں
جہاں اک اداس شہر بستا ہے
اور میرے گم صم خیالوں میں
وہ شخص
اب بھی رہتا ہے

روحان دانش

غزل

اجالا جو کہیں دیکھو یہی کہنا محبت ہے
کسی کے خواب میں ابھرو یہی کہنا محبت ہے
فضاؤں میں جو بس جاؤ تو تھا سو ہاتھ چاہت کا
اداسی میں کبھی اترو یہی کہنا محبت ہے
ستارے جو کبھی اتریں کسی کا نام آتے ہی
دکھوں میں ڈوبتی آنکھیں یہی کہنا محبت ہے
کنارے بڑوب جائیں گر سمندر صرف زندہ ہو
جدائی میں بے لگو یہی کہنا محبت ہے
بشارت روح کو ہوگی نئے مہینوں کے موسم کی
اگر تم ٹوٹ بھی جاؤ یہی کہنا محبت ہے
بس جب کوئی تجھ دیکھ کر تجھ سے پوچھے ہاجد
تو حال دل نہ کہنا نہیں فقط یہی کہنا محبت ہے
پروفیسر ڈاکٹر واجد عظیمی

غزل

خواب بکھرس گے ہمارے مجھے معلوم نہ تھا
ٹوٹ جائیں گے نظارے مجھے معلوم نہ تھا
میں تجھے آگ سے محفوظ نہ رکھ پاؤں گا
میری دادی کے چنارے مجھے معلوم نہ تھا
میں نے سب رقیب دیے بجھا ڈالے
تجھ کو لگتے ہیں یہ پیارے مجھے معلوم نہ تھا
میں نے تو ہوں ہی چھوئے تیرے خوابوں کے کل
یہ سب مٹی کے گارے ہیں مجھے معلوم نہ تھا
نچ دریا میں ڈوبنے کا سبب اتنا ہے
چھوڑ جائیں گے سہارے مجھے معلوم نہ تھا
سید ساجد ارسلو

غزل

محبت کی کہانی تھی تیرے لیے
دیوانی یہ دنیا تھی تیرے لیے
کوئی کیسے کہہ دیتا ہاتھ تیرے تھامے
بے مول ہر باسی ہر مگر تھی تیرے لیے
میں نے چھپا کے شدت جذبات کی
تجھے تجھ کو سونپا تھا تیرے لیے
اقرار اظہار پیار وفا تیرے لیے
دل کی ہستی میں جہاں آباد تھا تیرے لیے
پھر محفل عشق میں میری آنکھیں بولیں
کہ پوچھا گیا تھا سوال شاید تیرے لیے
تو نے کہا اہم بھول جاؤں تجھے!
لو چھوڑ دیتا ہوں دنیا ہی تیرے لیے
اہم خان

سندھ سے

سے ہوں گی! میں ردا کی بہت بڑی فین ہوں۔ ردا میرا موسٹ فیورٹ رسالہ ہے۔ پہلی بار خط لکھ رہی ہوں اس کے لیے معذرت۔ امید کرتی ہوں کہ آپ مجھے سندھ میں ضرور جگہ دیں گی۔ مجھے صرف ایک بات کہنی ہے کہ ”سانس“ سڑک اور سکوت“ بہت اچھا ناول ہے لیکن نائلہ طارق صاحبہ سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ پلیز اب اس کو تھوڑا آگے بڑھائیے! ایسا لگتا ہے جیسے ایک جگہ کہانی گھوم رہی ہے! پلیز تھوڑی تیزی دکھائیے۔ مجھے اس ناول میں شیٹ بہت اچھا لگتا ہے۔ ”چاہت دل کی چاہت“ تو بہت اچھا ناول تھا! ایسا ناول جسے برسوں یاد رکھا جاسکے۔ اب آخر میں صالحی آپ کی آپ کے لیے اور ردا کیلئے ڈھیر ساری دعائیں۔ اگر مجھ سے کچھ غلطی ہوگئی ہو تو معاف کر دیجیے گا اور حوصلہ بھی بڑھائیے گا کہ میں آگے بھی ردا میں شامل ہونے کی ہمت کرتی رہوں! شکریہ۔ اپنا بہت خیال رکھئے گا اور دعا ہے کہ ردا یونیورسٹی خوشی سے ہمکنار کرتا رہے۔

شمرین السلام الدین کراچی
السلام وعلیکم آپ! امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی! ہو سکتا ہے میں آپ کو یاد نہیں ہوں مگر میرا

فوزیہ خان نوپ فیک سنگھ
السلام وعلیکم آپ! کیسی ہیں آپ۔ آپ! آپ کی کہانی کا اینڈ بہت اچھا تھا اور شاز یہ آپ کی ناول کے اینڈ کی تو کیا ہی بات تھی۔ ناول کا اینڈ ہونے کی خوشی بھی ہوئی اور افسوس بھی کہ ناول کا اینڈ ہو گیا لیکن یہ پڑھ کر خوشی دو بالا ہو گئی کہ شاز یہ آپ! نیا ناول لکھ رہی ہیں! اللہ انہیں خوش رکھے۔ آپ! میری ردا میں فیورٹ رائٹر آپ! شاز یہ آپ! اور نائلہ طارق ہیں۔ نائلہ طارق کا ناول ”سانس“ سڑک اور سکوت“ بہت اچھا جا رہا ہے۔ شاخان صنعا نے بھی اچھا لکھا۔ ”محبت جاگ جاتی ہے“ شاجین سجاد کا ناول بھی اچھا تھا۔ ایمان علی کا افسانہ بھی اچھا تھا۔ آپ! اپنے افسانے کو ردا میں دیکھ کر بہت خوشی محسوس ہوئی اور ساری فرینڈز کو کال کر کے کہا کہ فنانس ردا خریدو اور میری کہانی پڑھو۔ آپ! آپ سے ایک گزارش ہے کہ آپ بھی کہانی لکھیں! آپ کے لکھنے کا انداز مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ ردا کے تمام سلسلے بہت اچھے ہیں! اس کے ساتھ ہی اجازت چاہوں گی اللہ حافظ۔

ہما عمران لاہور
آپ! جان السلام وعلیکم! یقیناً آپ خیریت

آنکھوں میں خواب تو ہوتے ہیں
پر تعبیر نہ کوئی لاتا ہے
نقدیر کچھ ایسے ڈالتی ہے
پلکوں میں نمی سی گھولتی ہے
یہ چپ بھی کتنا بولتی ہے

سحر انجم

تمہاری یاد کا ساون

تمہاری یاد کا ساون
صنم جب بھی برستا ہے
میرا تن من بھگوتا ہے
مجھے بے چین کرتا ہے
تمہارا عہد الفت یاد آتا ہے
کیسے تھے تم نے جو وعدے وہ اکثر رلاتے ہیں
کہا تھا تم نے ساون کی برستی شام میں اک دن
میں واپس لوٹ آؤں گا
تو اے ہمد!
کئی ساون برستی شامیں لیکر آئے اور بیت گئے
لیکن!
تمہاری واپسی کا عہد نہ ایفا ہوا اب تک
کہو کب تک میں ساون کی برستی شاموں میں
تمہاری واپسی کی راہ دیکھوں گی
تمہاری یاد کا موسم
جو سارا سال رہتا ہے
ساون کا برستا! بھیکتا موسم
میرے اندر تو اب جاناں ہر گھڑی ساون برستا ہے
تمہاری یاد کا ساون

سباس گل

غزل

ہم ساکنان شہر ہیں خاک وطن بچا نہیں کرتے
کنادیتے ہیں سر دشمن کے آگے مگر جھکایا نہیں کرتے
منا دیتے ہیں خود کو شان وطن پہ
مگر شان وطن کی گھنٹے نہیں دیتے...!!!
عیسائی! سکھ! ہندو اور مسلمان...!!!
لڑاتے ہیں ان کو نیتا یہ خود کبھی لڑا نہیں کرتے
نیزے پہ بھی جاتی نہیں مسکان علی کی...!!!
ہم فرزند ان علی ہیں تیروں تلواروں سے گھبرایا نہیں کرتے
عامر عزیز (دلش مکھ)

یہ چپ بھی کتنا بولتی ہے

یہ چپ بھی کتنا بولتی ہے
جب سامنے تم آتے ہو
اور کچھ بھی کہہ نہ پاتے ہو
آنکھوں سے کچھ ایسے تکتے ہو
پلکوں کو میری جھکاتے ہو
تب من میں میرے دس گھولتی ہے
یہ چپ بھی کتنا بولتی ہے
جب چاہت رنگ دکھاتی ہے
کوئی ان رنگوں میں رنگتا ہے
تب من ہی من میں مسکاتی ہے
لبوں پر ہنسی سجاتی ہے
یوں راز دلوں کا کھولتی ہے
یہ چپ بھی کتنا بولتی ہے
جب راہی رستہ بھول جاتا ہے
من خالی سا ہو جاتا ہے

☆☆☆

اور ردا کا رشتہ برقرار ہے لیکن قلم سے رشتہ ضرور کچھ عرصے کے لیے ٹوٹا تھا مگر اب جو قلم اٹھایا تو ضرور چھوڑنے کے لیے نہیں ہے اگر آپ کا ساتھ رہا تو۔ ایک افسانہ "ایسا کیوں ہوتا ہے" لکھا ہے اس کی نوک پلک سنوار کر ردا کی زینت ضرور بنائیے گا ہو سکتا ہے کچھ غلطیاں ہوں کیونکہ کافی عرصے بعد لکھا ہے نا کچھ گڑبڑ ہونے لگے تو صحیح کر دیجیے گا پلیز مگر شائع ضرور کیجیے گا۔ ایک اور افسانہ لکھنے کی تیاری پر ہے وہ بھی اگلے مہینے ضرور بھیجوں گی ابھی ردا کے حوالے سے خط اس لئے نہیں لکھا کہ دو مہینے سے ردا کی کاپی نہیں ملی اس کی وجہ لا بیریری کا بند ہو جانا ہے جو ہمارے محلے میں ہی تھی۔ اب بک اشال سے رجوع کیا تو پتہ چلا ردا آ کر بھی سب کاپی بک گئیں اب اپنا نام بتا کر اگلے مہینے سے ردا کی کاپی ملے گی تو پکا میں اگلے مہینے بھر پور ردا کے حوالے سے شرکت کروں گی۔ آپ اپنا خیال رکھئے گا اور ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھئے گا اللہ سے آپ کیلئے ہر ساری دعائیں ہیں ردا کے لیے بھی کہ اور بھی ترقی کی منزلیں چھوئے۔

جواب: آپ کی ڈاک جب ملی تو ایڈیٹر نے کہا اس پرائڈر میں نہیں ہے کوئی نئی محترمہ ہیں تو میں نے فوراً لفافہ دیکھ کر کہا یہ ٹرین اسلام الدین کی ڈاک ہوگی۔

فائزہ بختیار..... اسلام آباد
ڈیر صاحبہ جی! میں اپنا تعارف کیا کرواؤں بس یہ سمجھ لیجئے کہ میں ردا کی فہم ہوں اور اس کے بغیر وہ نہیں سکتی۔ ردا کی کہانیاں آج کے دور کے مطابق

ہیں پڑھنے کے بعد یوں لگتا ہے ارد گرد سب کچھ جو ہو رہا ہے ایک رائٹر نے سمیٹ دیا ہے۔ میں مقامی کالج میں نیچر ہوں اردو لکھتا پڑھتا میرا شوق ہے۔ بس اسی چیز کی نشاندہی کرنی تھی کہ آپ ردا کو ردا ہی رکھئے گا۔ سخت اور مشکل کہانیاں پڑھ کر دل اداس ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر یہ بات مجھے اچھی لگتی ہے کہ اس میں کوئی حادثاتی موت اور خودکشی کا منظر نہیں ہوتا۔ آپ کا ناول اختتام پذیر ہوا۔ پچھلے جتنے دن وہ زیر مطالعہ رہا اور اتنے دن میں سوچتی رہی کہ آپ سجاد مصطفیٰ سعد یہ جی یا دادو کا کوئی خوفناک انجام دکھائیں گی ویل ڈن صالحہ جی ویل ڈن۔ میں نے آپ کے قلم کاروں کے نام کوئی تعریف نہیں بھیجی بس صالحہ جی ردا کی تعریف یہی ہے میری کہ اپنا خیال رکھیں اور اگلا ناول آپ کا کب آ رہا ہے۔ جواب ضرور دیجیے گا گوشہ چشم میں۔

گل ٹرین..... پشاور
آپی! اس بار ردا تو دل کی جان سا لگ رہا تھا! اجلا اجلا سرورقِ ماڈل بھی پرکشش نظر آ رہی ہے سامنے ہی ٹیکل پر ردا رکھا ہوا ہے تقریباً میں بھی کچھ پڑھ چکی ہوں۔ شاز یہ مصطفیٰ کی میں بہت بڑی فہم ہوں۔ ویسے فہم تو میں آپ کی بھی ہوں آپی! ردا سے پہلے میرا رشتہ آپ سے تھا۔ یاد ہے آپ کہاں کہاں تھیں۔ میں نے پہلی تحریر آپ کی ماہنامہ کرن میں پڑھی تھی آج بھی وہ کردار مجھے یاد ہے۔ شاز یہ مصطفیٰ کی پہلی قسط بے حد اچھی لگی اور آپ کا وہ جملہ کہ "کبھی عشق ہو تو پتہ چلے" دیکھتے ہیں آگے کیا کچھ ہوتا ہے۔ نائلہ طارق اچھا لکھ رہی ہیں ان کے

کردار میں شمس اور سارہ کی نوک جھونک بے حد دلچسپ لگتی ہے۔ سباس گل کی تحریر شاز یہ مصطفیٰ کی تحریر کے قریب تر ہے۔ آپی سچ تو یہ ہے کہ ردا میں کئی ایسی رائٹرز ہیں جو بے حد اچھا لکھتی ہیں۔ جس میں ایک سینئر رائٹر عابدہ سبین بھی ہیں اس کے علاوہ سعد یہ عابدہ شاہین سجاد مجھے پسند ہیں۔ دو چند رائٹر محض آپ پہلی بار موقع دیتی ہیں ان کی تحریر میں تھوڑی سی محسوس ہوتی ہے۔ کچھ رائٹر ایسی ہیں جو پوری منظر کشی میں پڑھنے والے کو سمیٹ لیتی ہیں جیسے نائلہ طارق۔ اس ماہ میں اور خوشبو سنگھار گرمیوں کے حوالے سے کچن اچھا لگا۔

بشری طارق..... ٹوبہ ٹیک سنگھ
السلام وعلیکم آپی ایڈر ردا اشاف۔ اب ہر ماہ اتنی جلدی ردا مل جاتا ہے کہ بہت خوشی ہوتی ہے میں بیان نہیں کر سکتی۔ جولائی کا ٹائٹل بہت ہی خوبصورت لگا۔ ماڈل جیا خان کا اسٹائل بے حد خوبصورت تھا ڈریس کا کلر تو میرا فیورٹ ترین ہے۔ گوشہ آگئی سے لے کر سنگھار تک رنگ ہی رنگ نکھرے پڑے تھے۔ صالحہ آپی! آپ کی نظم مجھے بہت اچھی لگی۔ ردا جنت ہمیشہ کی طرح ہماری معلومات میں اضافہ کرتا ہے۔ روشنی قاطرہ سے ملاقات بہت دلچسپ رہی۔ کہانیاں ساری ہی اچھی تھیں۔ شاز یہ مصطفیٰ کا نیا سلسلے دار ناول پڑھا۔ بہت نیچرل سی تحریر تھی۔ پڑھ کر لطف آ رہا تھا۔ مجھے اب ان کی اگلی اقساما کا انتظار ہے۔ اس کے علاوہ نائلہ طارق اور سباس گل کی تحریریں بھی اچھی جارہی ہیں۔ انم خان کی تحریر مجھے پسند آئی۔ اس میں

مستشرقہ کا کردار اچھا لگ رہا ہے۔ آگے جا کر دیکھتے ہیں کیا کرتی ہیں محترمہ۔ مکمل ناول عابدہ سبین کا اچھا تھا۔ روشنی قاطرہ کا ناول ہمیشہ کی طرح بہترین تحریر لگی۔ افسانے بھی اچھے لگے۔ مستقل سلسلوں میں اشعار اس مرتبہ کے اچھے تھے۔ گرمی کے حوالے سے باتیں صحت کی پرفیکٹ تھا۔ آپی میرے خط کو ضرور شامل کیجیے گا۔

ثناء خان صنعا..... سکھ
ثناء خان کا چلچلاتی گرمی میں اپنی سوکھوت سی آپی جانی کو ٹھنڈا ٹھنڈا سا سلام قبول ہو۔
کیسی ہیں آپی جی! میری دعاؤں کے پیچھے ہمہ وقت آپ کے گرد منڈلاتے رہتے ہیں۔ ردا جنت پڑھ کے بہت سرور چھایا اسی طرح آگے بڑھتے ہوئے شاز یہ جی کے پاس جا پہنچے۔ پہلی قسط بہت سندر لگی واہ۔ پھر سبین جی نے بھی اپنے الفاظ سے خوب انجوائے کر دیا۔ نایاب حسین کا ناول بھی الگ سا تھا۔ افسانے جیرہ عزیز روشن ہاشم ریمانور کے اچھے لگے۔ پھر جناب بڑھتے بڑھتے اس ماہ کے اقتباس میں داخل ہوئے جو کہ بے حد بھایا۔ ذرا پھر سے کہنا میں سباس جی روحان دانش کی تحریر پسند آئی۔ جلدی سے من کو لبھانے والے حصے میں چپکے سے داخل ہوئے جسے کہتے ہیں سنگھار۔ آپی جی آپ تو جانتی ہیں ناں ہم لڑکیاں سنگھار کے معاملے میں کتنی کر پڑی ہوتی ہیں؟ پھر شہلا جی کو داد دی۔ اب آپ سوچیں گی کس وجہ سے؟ ارے ایپا جی! چکنی جلد کا ماسک پڑھ کے کیونکہ میری اوٹلی جلد ہے ناں..... اونو..... ایک سر پرانز تھا آپ کیلئے یاد آیا

گوشہ چشم

فوزیہ خان..... ٹوبہ ٹیک سنگھ..... شامل کر لیا ہے۔ اپنا بہت خیال رکھئے۔

فائزہ بختیار..... اسلام آباد..... پیاری فائزہ! آپ نے بے حد سنجیدگی سے رد اکا مطالعہ کیا ہے اور آپ بہت حساس ہیں۔ جہاں تک رہا سجاد مصطفیٰ جو کہ ہارٹ پیسٹ تھے ان کے بارے میں آپ نے سوچا پہلی بات تو یہ ہے کہ ذہنی طور پر میں اس بات پر یقین رکھتی ہوں کہ لکھتے وقت بھی میں خود کو بے اختیار رکھتی ہوں۔ موت اور زندگی اللہ کے اختیار میں ہے اس لئے میں ہر کسی کو موت سے دور رکھتی ہوں رہا خود کشی یہ گناہ کبیرہ ہے۔ اکثر میں ادارے میں اس بات کو روکتی ہوں شاید آپ نے پڑھا ہوگا۔ ویسے آپ کا خط بہت دلچسپ لگا۔ آئندہ بھی آپ اسی طرح مخاطب کریں گی۔ اپنا بہت خیال رکھئے۔

گل شرین..... پشاور.....

پیاری گل شرین! اردا میں شامل ہونے کا بہت شکریہ۔ پہلی بار آپ کا خط موصول ہوا۔ آپ کا خط بہت ہی دلچسپ لگا۔ آپ نے اپنی پسندیدہ رائٹر کے بارے میں لکھا آپ کو میری پرانی تحریریں بھی یاد ہیں پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ رد اکا کی رائٹرز کو پسند کرنے کا بہت شکریہ۔ آپ کے خط کے ذریعے ان تک تعریف و تعہد پہنچ جاتی ہے۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ رد اکا

فوزیہ خان..... ٹوبہ ٹیک سنگھ..... پیاری فوزیہ! ”تم میرے ہو کے رہو“ کا ایڈ آپ کو پسند آیا جس کیلئے بہت شکریہ۔ آپ افسوس نہ کریں اور نہ ہی دکھی ہوں کیونکہ نیا ناول جب آپ پڑھیں گی تو خود ہی آپ کی افسردگی ختم ہو جائے گی۔ اور آپ نے جون کے شمارے کے بارے میں لکھا ہے جولائی کا شمارہ اگر آپ نے پڑھا ہو تو شازیہ مصطفیٰ کا نیا ناول پڑھ کر یقیناً آپ کی خوشی دو چند ہو جاتی۔ سہر حال شمارے کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ آپ خط لکھتی رہیں اور اپنی رائے کا اظہار کھلے دل سے کیجئے۔

ہما عمران..... لاہور.....

پیاری ہما عمران! دعاؤں سے سجا آپ کا خط موصول ہوا پہلی بار آمد کا شکریہ۔ آمد پر مسرت حاصل ہوئی۔ آپ ہر ماہ سندھیے کے ذریعے رد اکا میں شامل ہو سکتی ہیں اور جس رائٹر کی تحریر کے بارے میں تنقید تعریف جو بھی لکھنا چاہیں سندھیے کے ذریعے سبج پہنچا سکتی ہیں۔ آپ کا پیغام ان تک آپ کے سندھیے کے ذریعے پہنچ جاتا ہے۔ آپ کی رائے ہماری لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ آئندہ تفصیلی خط لکھئے ہم آپ کی حوصلہ افزائی ضرور کریں گے۔ ”بس ایک نظر میں“ میں شامل ہونے کا بے حد شکریہ۔ آپ کا انتخاب ہم نے

صالحہ اپنا! ویسے آپس کی بات ہے مجھے ٹائل بانگل بھی پسند نہیں آیا۔ صالحہ اپنا! مجھے آپ کی کسی بھی تحریر کا شدت سے انتظار رہتا ہے اور ہاں۔ شہید یاسر عباس کے بارے میں آپ کے تاثرات واقعی پسند آئے اور دل سے صدا بلند ہوئی کہ اے اللہ! میرے ملک اور اس کے جانباز محافظوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھ آمین۔ خیر بہت لمبی ملاقات ہوئی بہت کھا لیے آپ کے کان اب اجازت چاہوں گی اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

ویسے آپ Last قسط بہت بہت اچھی تھی

اور جب یہ کتابی شکل میں آئے گا تب بھی میں ضرور خریدوں گی۔ اب بات کرتی ہوں شازیہ آپ کی ناول ”چاہت دل کی چاہت“ آپ کی اس End بھی بہت بہت بہت زبردست ہوا۔

اس کے علاوہ سارے ناول اور افسانے اچھے تھے۔ آپ کی لائبر لکھنے میں دیر اس لیے ہوئی کہ ایک تو بیچر ز ہونے لگ گئے میرے فسٹ ایئر کے۔ بیچر ز سے فارغ ہوئی تو گھر میں کچھ پراہنہ تھیں جس کی وجہ سے مجھے دیر ہوگئی۔

آپ! میں اپنی ساری دوستوں کو بہت یاد کرتی ہوں کیونکہ ”ردا“ ہم سب مل کر پڑھتی تھیں اور اب میں اکیلی..... میں سب سے زیادہ اپنی دوست فازی کو بہت Miss کرتی ہوں۔ Miss U افازی۔ ”ردا“ میں میرا لائبر ضرور پڑھنا۔ اس کے ساتھ ہی اجازت چاہوں گی۔ دوبارہ پھر طوں گی آپ کی بہت جلد ڈھیر ساری دعاؤں اور خوشیوں کے ساتھ۔ اپنا بہت خیال رکھئے گا اللہ حافظ۔

☆☆☆

نوٹی..... دہاڑی..... السلام وعلیکم پیاری آپ! آداب..... یقین کرتی ہوں کہ آپ خیریت سے ہوں گی۔ اس ماہ کا ”ردا“ 7 تاریخ کو میل گیا تھا۔ سب سے پہلے ”گوشہ آگئی“ میں آپ کی پیاری باتوں نے دل میں گھر کر لیا۔ ”ردائے جنت“ میں تو معلومات اتنی ہوتی ہے کہ انسان پڑھ کر بہت سی معلومات حاصل کرتا ہے۔ اب میں آپ کی صالحہ کا ناول ”تم میرے ہو کے رہو“ آپ کی اس ناول کی آخری قسط کا میں نے بے چینی سے انتظار کیا تھا اور پھر جب میں نے آخری قسط پڑھی تو مت پوچھئے کیا ہوا..... شیر زے اور فہد کے ملنے کی خوشی میں نے بھائی بھائی! آپ! اپنی کزن اور امی کو ایک ایک گلاب جاسن کھلائی۔ کھانے کے بعد جب سب نے پوچھا کہ یہ کس خوشی میں ہے تو میں نے ہنستے ہوئے کہا کہ یہ شیر زے اور فہد کے ملنے کی خوشی میں۔ پھر کیا تھا میں تھی آگے آگے اور آپ! بھائی اور میری کزن جوتے لیے میرے پیچھے پیچھے میں گھر سے بھاگ

باتیں صحت کی

جائے تو دل کی قوت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ غذائی ماہرین کے مطابق کھجور کے استعمال سے دل کے دورے کا امکان تقریباً 40 فیصد تک کم ہو جاتا ہے۔

مونا پے کا علاج:

کھجور میں شامل بے شمار غذائیت بخش اجزاء بھوک کو بہت کامیابی کے ساتھ ختم کر دیتے ہیں اس لئے جو لوگ اپنے مونا پے سے پریشان ہیں انہیں چاہیے کہ جب بھی وہ بھوک محسوس کریں کھجور کے چند دانے کھالیں اس طرح ان کی بھوک بھی مٹ جائے گی اور پیٹ بھی بھرا ہوا محسوس ہوگا۔

ہڈیاں مضبوط کرتی ہے:

کھجور میں شامل کیلشیم ہڈیوں کو مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اطباء یہ سفارش کرتے ہیں کہ نہ صرف بچوں اور معمر افراد بلکہ خواتین کو بھی کثرت سے کھجور کھانا چاہیے تاکہ ہڈیاں مضبوط ہوں۔

بصارت میں تیزی:

کھجور کھانے سے عمر میں اضافے کے ساتھ نظر کی کمزوری کو بڑی حد تک روکا جاسکتا ہے خاص طور پر رات کے وقت اندھے پن کی شکایت رفع کرنے میں کھجور کی افادیت مسلم ہے۔

پیٹ کے کیڑوں کا خاتمہ:

صبح نہار منہ خالی پیٹ کھجور کھانے سے پیٹ میں موجود کیڑے ختم ہو جاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

کھجور:

رمضان کے مہینے میں کھجور کا استعمال پوری اسلامی دنیا میں بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے کیونکہ مسلمانوں کی اکثریت کھجور سے روزہ کھول کر سنت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرتی ہے۔ افطار کے موقع پر کھجور کی مناس بھوک کی شدت کو بڑی حد تک کم کر دیتی ہے اور اس سے روزہ کھولنے کے بعد بہت زیادہ کھانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ کھجور کو بجا طور پر بہترین صحت بخش غذا کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔ اس میں بے شمار معدنی غذائی اجزاء شامل ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں موجود قدرتی ریٹے جسم اور دماغ کو صحت مندر کھنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کھجور میں قدرتی مناس گلوکوز اور فرکٹوز کی صورت میں ہوتی ہے جو جسم میں فوری طور پر جذب ہو کر توانائی فراہم کرتی ہے۔ یہ مناس گنے سے تیار شدہ شکر کے مقابلے میں جسم کیلئے کہیں زیادہ مفید ہے۔ کھجور میں بے شمار طبی فوائد بھی دیکھے گئے ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

کینسر اور امراض قلب:

کھجور میں جہاں غذائیت بخش اجزاء بہت زیادہ ہوتے ہیں وہیں قدرتی ریشوں کی بھرمار آنتوں اور معدے کے سرطان سے ہمیں تحفظ فراہم کرتی ہے۔ جن لوگوں کا دل کمزور ہو انہیں کثرت سے کھجور استعمال کرنا چاہیے۔ دل کی تکلیف کیلئے کھجور کو رات بھر پانی میں بھگو کر بننے میں دو بار اگر اسے استعمال کیا

جیا قریشی
پیاری جیا! بجلی کی لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے سب ہی بہت پریشان ہیں۔ سب قارئین کو رمضان کی مبارکباد اور ساتھ ساتھ اگست کی بھی مبارکباد۔ آپ کا تنقید بھرا خط موصول ہوا۔ بالکل آپ اپنی رائے کا اظہار کر سکتی ہیں۔ لیکن کے حوالے سے آپ کی فرمائش نوٹ کر لی گئی ہے۔ اپنا بہت خیال رکھئے اور خط لکھتے رہئے۔

مہوش ناز..... کھلا بت کا لونیا
پیاری مہوش! آپ کا خط ہمیں موصول ہوا۔ "بس ایک نظر میں" آپ کا انتخاب شامل کر لیا گیا ہے۔ آپ سندیسہ کے ذریعے اپنی رائے کا بہترین اظہار کر سکتی ہیں۔

انعم خان..... ہری پور ہزارہ
پیاری انعم خان! آپ کا خط ہمیں موصول ہوا۔ آپ کے سمسٹر ہو رہے ہیں ہماری دعا ہے کہ اللہ آپ کو کامیاب کرے۔ آپ لکھنا چاہتی ہیں ضرور لکھئے۔ ردا آپ کی حوصلہ افزائی کرے گا۔ آپ کی تحریر ہمیں موصول ہو گئی ہے۔ آپ لکھنے کا سفر جاری رکھئے۔ آپ کی پُر خلوص دعاؤں کا بہت شکریہ اور آپ کی تھریڈ پوزیشن کیلئے آپ کو بہت مبارکباد۔ آپ اپنا بہت خیال رکھئے اور ردا کے ساتھ منسلک رہئے۔

غیرہ عزیز..... ٹوبہ ٹیک سنگھ
پیاری غیرہ! ردا پر آپ کا تبصرہ بہت ہی اچھا لگا۔ آپ نے اپنی پسند اور ناپسند کا اظہار بہت اچھے انداز میں کیا۔ سب اس گل کی کہانی بھی ہمارے ہی معاشرے کا ایک حصہ ہے۔ آپ کی تنقید اور تعریف ہم نے بغیر کنگ کے شامل کی ہے۔

☆☆☆☆☆

ہر کہانی معیاری ہو جو پڑھنے والے کو متاثر کر سکے۔ شاز یہ مصطفیٰ کی نئی تحریر یقیناً ان کی پچھلی تحریروں کی طرح اپنا ایک مقام بنائے گی۔ آپ خط کے ذریعے اپنی رائے کا اظہار کرتی رہئے۔ نئی رائے کو ہم ایک موقع ضرور دیتے ہیں اسی طرح کوئی چھپا ہوا ٹیلنٹ ابھر کر سامنے آتا ہے۔ نئے لکھنے والوں کیلئے ردا ایک سیکھنے کا ادارہ ہے۔ ہم ان کی حوصلہ افزائی ضرور کرتے ہیں۔ ردا کی پسندیدگی کا شکریہ۔

بشری طارق..... ٹوبہ ٹیک سنگھ
پیاری بشری طارق! آپ کا پُر خلوص خط ہمیں موصول ہوا ردا کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ اس بار آپ نے زیادہ تفصیل سے خط نہیں لکھا، بہر حال پھر بھی آپ نے پورے ردا پر تبصرہ کر ہی لیا۔ اس بار کوئی تنقید نہیں کی آپ کی رائے ہمارے لئے بہت اہمیت رکھتی ہے۔ آپ اسی طرح سندیسہ کی محفل میں شامل ہوتی رہیں اور اپنا بہت خیال رکھئے۔

ثناء خان صنعا..... سکھر
سوٹ ثناء خان! پُر خلوص دعاؤں سے سجا ہوا خط ملا۔ ساگرہ کی مبارکباد کا بہت شکریہ اور ساتھ ہی ردا کی پسندیدگی کا بھی۔ آپ کے سوال کا جواب حاضر ہے۔ مجھے "کچی کلیاں آنگن کی" میں میمونہ میر کا کردار بہت پسند ہے۔ اس کے علاوہ "تم میرے ہو کے رہو" میں سعدیہ کا کردار لکھتے وقت مجھے بہت اچھا لگا تھا کیونکہ یہ ہمارے معاشرے کا ایک حصہ ہے اس کردار میں جو جملن اور حسد دکھائی وہ لکھتے وقت بہت اچھا لگتا تھا۔ ہماری دعائیں بھی آپ کے ساتھ ہمیشہ رہیں گی کہ آپ ایک اچھی رائٹر بن کر اپنا مقام حاصل کریں۔

کچن

رمضان اسپیشل

اس بار کا ردا خاص طور پر رمضان کے حوالے سے ترتیب دیا گیا ہے اور ہمیں یقین ہے جو آپ کے ذوق کے عین مطابق ہوگا۔

دال ماش چکن بڑے

اجزاء:
دال ماش (بھگو کر رکھیں پھر پس لیں):

1 کپ

بہن مرچیں:

اورک (کتر لیں):

چکن کا قیمہ:

زیرہ (پسا ہوا):

سیاہ مرچ (کٹی ہوئی):

ہر ادھیا (کتر لیں):

میٹھا سوڈا:

نمک:

کڑی پتہ:

تیل:

ترکیب:

ماش کی دال کو کم از کم دو گھنٹے بھگو کر

گلیسنڈر میں پس لیں۔ پس ہوئی دال میں ہری مرچیں

اورک کڑی پتہ نمک میٹھا سوڈا زیرہ ہر ادھیا سب اچھی

طرح مکس کر دیں۔ آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔

پھر اس میں چکن کا قیمہ مکس کریں۔ ایک فرانگ

پین میں تیل گرم کریں۔ تھوڑا سا کچر تھیلی پر نکالیں۔

چ میں ہنگی سے سوراخ کر کے فوراً ہی تیل میں ڈال دیں۔ تمام بڑے تیل میں فرائی کر کے نکالیں۔

دہی کی چٹنی اور کچپ کے ساتھ سرو کریں۔

آلو خشخاش

اجزاء:

آلو (چھلے اور کٹے ہوئے):

1 کلو

خشخاش:

3/4 کپ

سرخ مرچ (ثابت خشک):

12 عدد

گھی:

1 کپ

نمک:

حسب ذائقہ

لیموں کا رس:

2 لیموں

ترکیب: خشخاش کے دانے اور سرخ مرچیں باہم ملا کر پس لیں اور تھوڑا سا پانی ڈال کر پیسٹ بنا لیں۔ کڑی پتہ میں گھی گرم کریں اور آلو ڈال کر فرائی کریں تا وقتیکہ گولڈن براؤن ہو جائیں۔ تب انہیں نکال کر جاذب کاغذ پر رکھ دیں۔

گھی میں خشخاش اور مرچوں کا پیسٹ ڈال کر فرائی کریں۔ اس کی رنگت سرخ ہو جائے اور گھی علیحدہ ہو جائے تو فرائی کردہ آلو اور نمک ڈال دیں۔ تھوڑی دیر بلا کر نصف کپ پانی ڈال دیں اور پکائیں تا وقتیکہ پانی مکمل طور پر جذب ہو جائے۔ لیموں کا رس ڈال کر اچھی طرح مکس کر دیں۔ آلو خشخاش تیار ہے۔

کالے چنوں کی چاٹ

اجزاء:

کالے چنے:

بیکنگ پاؤڈر:

نمک:

بیسن:

تیل:

اورک لہسن:

پانی:

آلو:

نمک:

لال مرچ:

بلدی:

تیل:

املی کا پانی:

ہری پیاز:

کٹی ہوئی:

پودینہ:

کٹی ہوئی:

پیاز:

ڈال کر دھوئیں آلیٹ کی طرح کاٹ لیں)

چاٹ مصالحہ:

ترکیب:

کالے چنوں میں بیکنگ پاؤڈر ڈال کر کم سے کم ایک گھنٹے تک بھگو دیں پھر نمک ڈال کر

ابال لیں۔ ایک پین میں تیل گرم کریں زیرہ ڈالیں

پھر اورک لہسن ڈال کر بھوئیں۔ بیسن ڈال کر

بھوئیں۔ گولڈن براؤن ہو جائے اور خوشبو آنے لگے تو پانی

ڈال کر چھل چلاتے جائیں تاکہ گھٹلیاں نہ بنیں۔

1 کپ

1/2 چائے کا چمچ

1/2 چائے کا چمچ

2 کھانے کے چمچ

3 کھانے کے چمچ

1/2 چائے کا چمچ

2 کپ

5 عدد بڑے

1 چائے کا چمچ

1/2 چائے کا چمچ

2 کھانے کے چمچ

1/2 کپ (گاڑھا)

1/2 کپ (باریک)

1/2 گڈی (باریک)

2 عدد (چھنی میں

ڈال کر دھوئیں آلیٹ کی طرح کاٹ لیں)

حسب ضرورت

ترکیب:

کالے چنوں میں بیکنگ پاؤڈر ڈال کر کم سے کم ایک گھنٹے تک بھگو دیں پھر نمک ڈال کر

ابال لیں۔ ایک پین میں تیل گرم کریں زیرہ ڈالیں

پھر اورک لہسن ڈال کر بھوئیں۔ بیسن ڈال کر

بھوئیں۔ گولڈن براؤن ہو جائے اور خوشبو آنے لگے تو پانی

ڈال کر چھل چلاتے جائیں تاکہ گھٹلیاں نہ بنیں۔

پھر ابلے ہوئے چنے ڈال کر ہلکی آگ پر اٹھنے

دیں۔ آلو الگ ابال لیں۔ چھیل کر بڑے پیں کر

لیں۔ ایک فرانگ پین میں تیل گرم کریں۔ نمک

بلدی اور لال مرچ ڈال کر چھل چلائیں۔ ساتھ ابلے

ہوئے آلو ڈال کر مکس کر لیں۔

ایک پلیٹ میں کالے چنے ڈالیں اور آلو کے پیں کر کے رکھیں۔ املی کا پانی ڈالیں چاٹ مصالحہ ڈالیں اور ہری پیاز پودینہ اور آلیٹ جیسی کٹی ہوئی پیاز ڈال کر کھائیں۔

ملائی کٹلش

اجزاء:

آلو (ابلے ہوئے):

1 کلو

ملائی:

2 کھانے کے چمچ

چکن یا مشن کا قیمہ:

1 کپ

نمک:

حسب ذائقہ

سیاہ مرچ (پسی ہوئی):

1/2 چائے کا چمچ

پیاز (کتر لیں):

1/4 کپ

بہن مرچ (کتر لیں):

1 کھانے کا چمچ

لہسن اورک پیسٹ:

1 کھانے کا چمچ

سرخ مرچ پاؤڈر:

1 چائے کا چمچ

زیرہ سیاہ:

1 چائے کا چمچ

تیل:

2 کھانے کے چمچ

برڈ کریم:

1/2 کپ

ہر ادھیا (کتر لیں):

2 کھانے کے چمچ

انڈا (پھینٹ لیں):

1 عدد

چیز:

1/2 کپ

ترکیب: ایک پین میں تیل گرم کریں اس میں پیاز لہسن اورک ڈال کر بھوئیں۔ پھر اس میں قیمہ نمک زیرہ سرخ مرچ ڈال کر پکائیں۔ قیمہ بھن جائے تو بہن مرچ اور ہر ادھیا بھی شامل کر کے پکالیں۔

آلوؤں کو کچل لیں۔ اس میں نمک سیاہ مرچ اور ملائی مکس کریں۔ اچھی طرح مکس کر کے آلوؤں کو تھیلی پر پھیلاتے ہوئے اس میں قیمہ اور چیز بھر کر کٹلش بنالیں۔

آلو کے ہانڈی کباب

ایک پیکٹ	کنور چکن کیوب:
آدھا کلو (ابال کر چھیل کر Mash کر لیں)	آلو:
ایک چمچ (بھنا/پسا ہوا)	سفید زیرہ:
ایک چمچ (پسا ہوا)	گرم مصالحہ:
آدھی گٹھی (باریک کٹی ہوئی)	ہرا حنیا:
تین عدد (باریک کٹی ہوئی)	ہری مرچ:
تین عدد (باریک کٹی ہوئی)	انڈا:

سالن کے لئے اجزاء:

آدھا کلو	ٹماٹر:
ایک چمچ (پسا ہوا)	ادرک لہسن:
آدھا چمچ	ہلدی:
آدھا چمچ (پسی ہوئی)	لال مرچ:
دو عدد	ہری مرچ:
ایک پیالی	تیل:

ترکیب: سب سے پہلے ابلے ہوئے آلو اچھی طرح Mash کر کے سارے مصالحے مع چکن کیوب کے اچھی طرح ملا کر سب کے کبابوں کی طرح کباب بنا کر انڈے میں ڈبو کر Shallow فرائی کر لیں۔ جب گولڈن براؤن ہو جائیں تو نکال کر ایک ڈش میں رکھ لیں۔ اب ایک دیکھی لیں اس میں تیل ڈال کر ٹماٹر باریک کاٹ کر ڈال دیں۔ پھر ادرک، لہسن اور سارے مصالحے ڈال کر اچھی طرح بھون لیں۔ تلے ہوئے کباب پھیلا کر ڈال دیں، ہر مصالحہ ڈال کر پانچ منٹ کیلئے دم پر رکھ دیں۔ جب تیل اوپر آ جائے تو آلو کے مزیدار کباب تیار گرم گرم نان یا سادے پر انھوں کے ساتھ Serve کریں۔

☆☆☆

ایک فرانک چین میں تیل گرم کریں۔ کٹلس کو انڈے میں ڈپ کر کے بریڈ کر سب میں رول کر کے تیل میں ڈیپ فرائی کر لیں۔

میٹھے ورق سموسے

اجزاء (فلنگ کے لیے):

تازہ ناریل:	1/2 (کرش کر لیں)
کھویا:	1 پاؤ
الانچی:	6 (الانچی کے دانے)
خشخاش:	2 کھانے کے چمچ
چینی:	1/2 کپ
گھی:	3 کھانے کا چمچ
بادام پستہ (پسا ہوا):	3 کھانے کے چمچ
سموسہ پٹی بنانے کے اجزاء:	

میدہ:	3 کپ
بیکنگ پاؤڈر:	1 کھانے کا چمچ
گھی:	1 کپ
کارن فلور:	حسب ضرورت
انڈے:	2 عدد

ترکیب: ناریل میں فلنگ کی ساری چیزیں ڈال کر چولہے پر ہلکی آنچ پر رکھیں اور چمچ چلاتے جائیں یہاں تک کہ ساری چیزیں اچھی طرح مکس ہو جائیں۔ میڈے میں 1/2 کپ گھی بیکنگ پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح مکس کر لیں پانی تھوڑا تھوڑا ڈال کر گوندھ لیں۔ اگر چاہیں تو میڈہ کے تین حصے کر کے ایک حصہ لال رنگ دوسرے میں گرین رنگ اور تیسرا حصہ سادہ رہنے دیں۔

ہر حصے کے دو پیڑے بنا لیں ہر روٹی کو بالکل باریک بلیں اس پر گھی لگائیں اور کارن فلور ڈالیں۔ اس طرح پوری 6 روٹیوں کو رنگوں کے حساب سے ایک

کے بعد ایک تیل کرتہ پر تہہ لگائیں پھر اس کے 2+2 کے چوکور پیس کاٹ لیں۔ اس حصے کو چکور چھوٹی روٹی بلیں۔ ایک طرف ٹکون شیمپ میں ناریل کی فلنگ ڈالیں اوپر سے روٹی کا دوسرا حصہ موڑ لیں (کناروں پر انڈا لگا کر) اور کسی چمچ سے اس کے کنارے دبا کر بند کر دیں۔ اوپر پھینٹا ہوا انڈا لگائیں۔ گریسڈ ٹرے میں رکھتے جائیں اور دونوں طرف سے گولڈن ہونے تک پکائیں۔

فروٹ پلیٹر

اجزاء:	
سیب:	1 عدد (بڑا)
مالٹا:	1 عدد (بڑا)
کیلے:	6 عدد
امروہ:	4 عدد
پینٹا:	1 عدد (چھوٹا)
پائن اپل:	4 ٹکڑے
انٹاس کا جوس:	4 کھانے کے چمچ
اورنج جوس:	4 کھانے کے چمچ
چینی کا سیرپ:	4 کھانے کے چمچ
(چاہیں تو کم کر لیں)	

(گارنش کے لیے پائن اپل کے پورے رنگ کو آدھا کاٹ لیں اور جیلی جما کر اس کے چھوٹے گول گول ٹکڑے کٹر سے کاٹ لیں)

ترکیب: تمام پھلوں کو کیوب کی شکل میں کاٹ لیں۔ ایک بڑے پلیٹ میں پھل مکس کر کے رکھیں۔ اب اس میں اورنج جوس، انٹاس اور چینی کا سیرپ احتیاط سے مکس کر دیں۔

پائن اپل اور جیلی سے فروٹ پلیٹر کو گارنش کر دیں۔ سرو کریں فریش کریم کے ساتھ۔

☆☆☆